Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

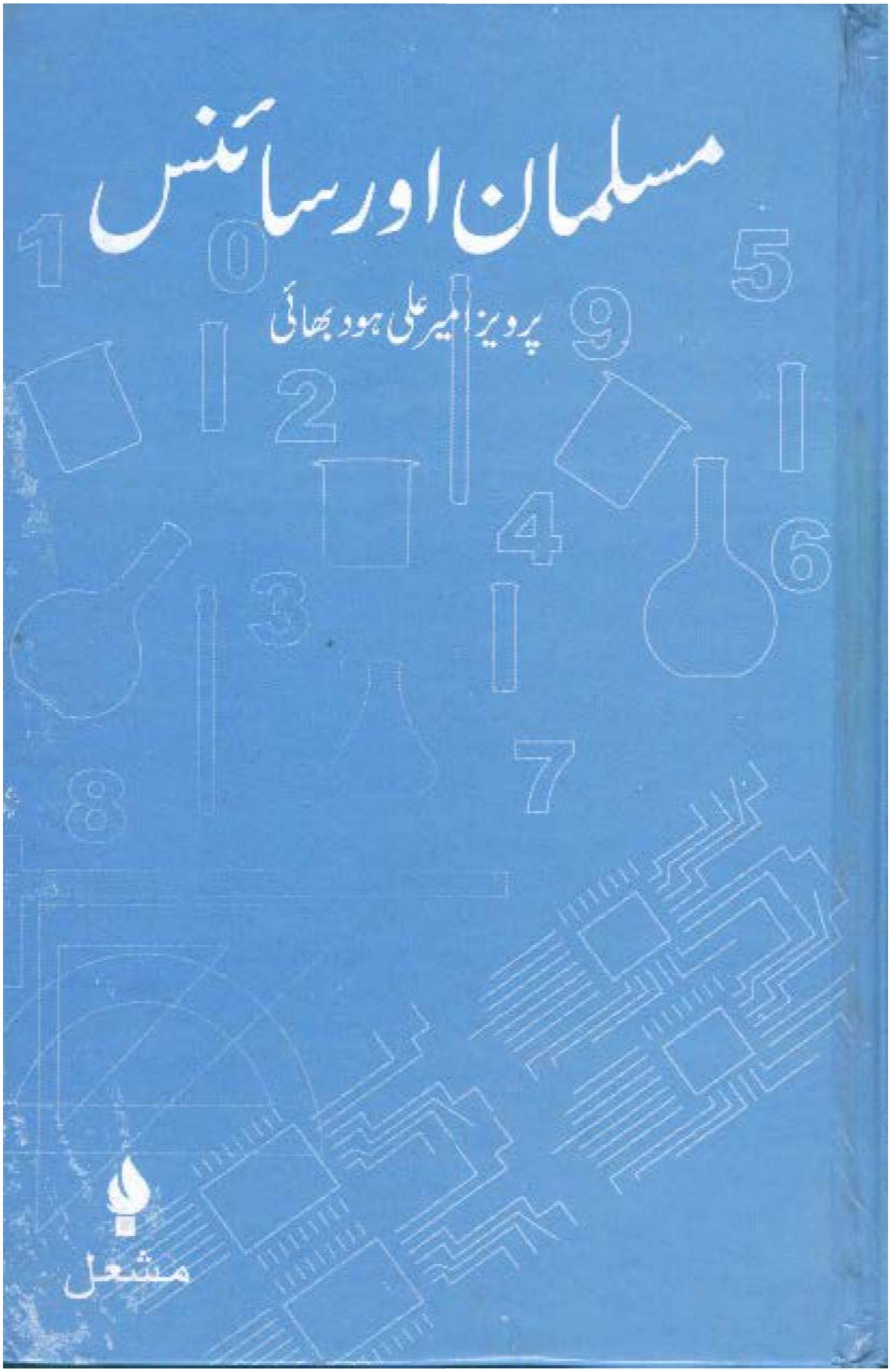

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

مسلمان اور سائنس

پرویز امیر علی ہود بھائی

The free electronic download of this book has been made possible by the generous financial assistance provided by:

The Eqbal Ahmad Foundation

مشعل بکس

آر بی۔۵، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن
لاہور۔54600، پاکستان

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

پرویز امیر علی ہود بھائی قائداعظم یونیورسٹی کے شعبہ فزکس میں پروفیسر ہیں اور پاکستان کے معروف سائنسدانوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ڈاکٹر ہود بھائی نے امریکہ کی بہترین یونیورسٹی ایم آئی ٹی سے BSc, MSc اور PhD کی ڈگریاں حاصل کیں۔ان کے 65 سے زائد تحقیقی مقالے فزکس کے بین الاقوامی جریدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ان کو بیکر ایوارڈ (شعبہ Electronics) 'عبدالسلام ایوارڈ (شعبہ ریاضی) اور فیض احمد فیض ایوارڈ (شعبہ تعلیم) سے نوازا گیا ہے۔ڈاکٹر ہود بھائی نے امریکہ کی مختلف یونیورسٹیوں میں پڑھایا ہے اور مختلف لیبارٹیریوں میں تحقیقی کام کیے ہیں۔اس کے علاوہ انہوں نے پاکستان ٹیلی ویژن کے لیے تین پروگراموں کے سلسلے بنائے ہیں، جن کا تعلق سائنس اور تعلیم کے ساتھ ہے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

مسلمان اور سائنس

پرویز امیر علی ہود بھائی

کاپی رائٹ اردو (c) 2005 مشعل بکس

پہلی اشاعت 2002
دوسری اشاعت 2003
تیسری اشاعت 2005

ناشر : مشعل بکس
آر۔بی۔۵، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600، پاکستان
فون وفیکس: 042-35866859
E-mail: mashbks@brain.net.pk
http://www.mashalbooks.org

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

فہرست

اظہار تشکر	8
دیباچہ	9
پیش لفظ	14
باب ایک	
تعارف	17
باب دوم	
سائنس کیا ہے اور کیسے شروع ہوئی؟	25
حقائق	27
قوانین	27
مفروضات	28
نظریہ	28
استنباط واستقراء	29
سائنسی طریقہ	29
سائنسی اور غیر سائنسی نظریات میں فرق	31
سائنسی طریقہ کار کی ابتداء کیسے ہوئی	33
کیا کوانٹم فزکس نے سائنس کو تباہ کر دیا؟	36
کیا جدید سائنس مغربی سائنس ہے؟	41
باب تین	
کلیسیا اور سائنس کا ٹکراؤ	44
باب چار	

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسلامی ملکوں میں سائنس کی موجودہ حالت 53

سائنس کی پیائش 55

پیداواری عمل میں سائنس کا استعمال 55

سائنس اور سائنس دان 59

تعلیمی نظام میں سائنس کا مقام 63

سائنس کا مطمح نظر 75

باب پانچ

پسماندگی کے اسباب، مسلمانوں کے تین تجزیے 80

احیاء اسلام 84

اجتہادی رویہ 89

سید احمد خان 89

سید امیر علی 92

علیت پسندوں کا رویہ 95

حاصل کلام 100

باب چھ

بکائل، نصر اور سردار.....اسلامی سائنس کے تین مبلغ 101

سید حسین نصر 107

ضیاء الدین سردار 115

باب سات

کیا سائنس اسلامی بھی ہوسکتی ہے؟ 118

کیا مارکسی سائنس ہے یا ہوسکتی ہے؟ 123

تیسری دنیا کی سائنس 126

باب آٹھ

مسلم سائنس کا عروج 129

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ اسلامی سائنس تھی یا مسلم سائنس؟ 132

کیا مسلمانوں کے سنہری دور کی سائنس عرب سائنس تھی؟ 135

کیا ازمنہ وسطے کے مسلم معاشرے نے سائنس کو قبول کرلیا تھا؟ 138

باب نو

مذہبی کٹر پن اور مسلم سائنس 143

کٹر پن کے خلاف معتزلہ کی بغاوت 145

کٹر پن کا جوابی حملہ 151

الغزالی کے ہاتھوں عقل پرستوں کی شکست فاش 155

علت اور معلول کے متعلق غزالی کا نظریہ 156

ریاضی اور سائنس پر غزالی کے خیالات 157

تجریدی علم پر غزالی کا نظریہ 159

باب دس

پانچ بڑے بدعتی 161

الکندی 162

الرازی 164

ابن سینا 165

ابن رشد 168

ابن خلدون 170

باب گیارہ

اسلامی دنیا میں سائنسی انقلاب کیوں نہیں آیا؟ 173

رویوں یا انداز فکر پر مبنی اسباب 175

مسلم تعلیم کا کردار 180

روایتی تعلیم 181

جدید تعلیم 181

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

مسلم قانون کا رول 186

اقتصادی اسباب 189

استخراجی اقتصادیات 190

خودمختار ادارے 191

سیاسی اسباب 193

باب بارہ

مستقبل کے لیے کچھ معروضات 196

باب تیرہ

اسلامی سائنس کیا ہے؟ 204

سائنسی معجزات کی کانفرنس 205

اسلامی سائنس کے عجیب وغریب نتائج 206

کیا یہ سائنس ہے؟ 211

اصول تکذیب، سائنس کی کسوٹی 213

حقیقت میں اسلامی سائنس کیا ہے؟ 216

سیاسی جڑیں 218

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اظہار تشکر

یہ کتاب دس سال پہلے انگریزی زبان میں لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں نے اردو میں لکھنا چاہا لیکن مختلف مصروفیات کی وجہ سے یہ کام مکمل نہ ہو سکا۔ اس کے بعد چند دوستوں نے اس کا ترجمہ کرنے کی پیش کش کی اور اس میں سب سے نمایاں کردار جناب احسن علی خان مرحوم نے ادا کیا۔ وہ ایک مانے ہوئے ادیب اور دانشور تھے اور انہوں نے یہ کام نہایت محنت اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس کے لئے میں مرحوم کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اس کے علاوہ سید محمد حامد اور جمیل عمر نے بھی کتاب کے مختلف حصوں کا ترجمہ کیا تھا اور میری حوصلہ افزائی کی۔ لیکن یہ کام پایہ تکمیل تک اس وقت پہنچا جب اردو سائنس بورڈ نے اسے شائع کرنے کی پیش کش کی اور اسے جلد مکمل کرنے کے لئے مجھے مجبور کیا۔ لیکن وہ بھی یہ کتاب شائع نہ کر سکے۔ اب مشعل یہ کتاب شائع کر رہا ہے۔ آخر میں میں جناب خادم حسین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ انہوں نے میرے ساتھ مل کر سارے مسودے پر نظر ثانی کی اور اسے آخری شکل دی۔

پرویز امیر علی ہود بھائی
اسلام آباد 2002ء

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیباچہ

''اس میں کوئی شک نہیں کہ کرہ ارض پر تمام ممالک میں سے اسلامی ممالک سائنس کے میدان میں سب سے پسماندہ ہیں۔ اس کمزوری کے خطرات کو واضح کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ آج کل کے زمانے میں کسی معاشرے کی بقا کا انحصار اس میں موجود سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی و ترویج پر ہے''۔

ڈاکٹر پرویز ہود بھائی نے اس کتاب کا دیباچہ لکھنے کی خواہش کا اظہار کرنے کے بعد مجھے اپنا وعدہ ان الفاظ میں یاد دلایا: ''یاد کیجئے کہ آپ اس شرط پر دیباچہ لکھنے کے لئے رضا مند ہوئے تھے کہ آپ کتاب میں بیان کردہ خیالات سے متفق ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ کو کوئی سنگین اختلاف نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آپ کو اس کے کچھ حصوں سے اختلاف ہو تو بھی میں چاہتا ہوں کہ آپ نہ لکھنے کی بجائے ایک تنقیدی مضمون لکھیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک مختلف نقطہ نظر کے اضافے سے کتاب میں توازن پیدا ہوگا''۔ کتاب میں لکھی گئی کسی بھی بات سے میں اختلاف نہیں کر سکا۔ اس کے برعکس:

(الف) میں ڈاکٹر ہود بھائی کی اس بات سے مکمل اتفاق کرتا ہوں کہ اسلامی دنیا میں سائنس کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ (میں اس اقتباس کا اعادہ کرتا ہوں جو اس صفحہ کے شروع میں ہے اور جس سے کتاب کا چوتھا باب شروع ہوتا ہے)

(ب) مذہبی کٹر پن اور عدم رواداری ایسے عناصر ہیں جو اسلام کے گزشتہ دور میں سائنس کی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

پھلتی پھولتی زندگی کوختم کرنے کے ذمہ دار تھے۔سائنس اس صورت میں فروغ پاتی ہے جب اس پر کام کرنے والوں کی ایک خاصی تعداد نے اپنا حلقہ بنا لیا ہو' سائنس دان سنجیدگی کے ساتھ کام کر رہے ہوں اور انہیں تجرباتی و کتابی سہولتیں حاصل ہوں اور وہ ایک دوسرے کے کاموں پر کھلے طور پر تنقید بھی کر سکتے ہوں۔ یہ شرائط عصر حاضر کا اسلام پورا نہیں کرتا۔

(ج) میں اس بات سے بھی اتفاق کرتا ہوں کہ سید حسین نصر اور ضیاء الدین سردار تہذیب و تمدن کی جگہ مذہب کو سائنس کا محرک بنا کر درحقیقت سائنس کو بہت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ میں اس بیان سے اتفاق کرتا ہوں کہ صرف ایک عالمی سائنس کا وجود ہے اور اس کے مسائل نیز طریقہ ہائے کار بین الاقوامی ہیں۔ اسی طرح' جس طرح ہندو سائنس' یہودی سائنس' کنفیوشسی سائنس' عیسائی سائنس' وغیرہ جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔

(د) میں اس بات سے متفق ہوں کہ جس قسم کی اسلامی سائنس کی حوصلہ افزائی صدر ضیاء الحق نے کی' وہ ڈھونگ تھی اور اس پر جن سائنس دانوں نے عمل کیا (اور ان سائنس دانوں کو بجا طور پر ہود بھائی نے تنقید کا نشانہ بنایا ہے) ان کو ایسے کاموں پر شرمندہ ہونا چاہیے جو انہوں نے سائنس کے نام پر کیے ہیں۔

(ہ) میں اس بات سے بھی اتفاق کرتا ہوں کہ عملیت اور حقیقت پسندی ایک ایسا طریق کار فراہم کر سکتی ہے جس کے ذریعہ مسلم ممالک میں حقیقی سائنس دوبارہ پروان چڑھ سکتی ہے۔

مجھے البتہ یہ اعتراض ضرور ہے کہ اپنے تجربے کے آخری حصہ کو ہود بھائی نے کما حقہ آگے نہیں بڑھایا ہے۔

کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ ان ابواب پر مشتمل ہے جو مسلم دنیا میں سائنس اور تعلیم کی صورت حال کو بیان کرتے ہیں۔ دوسرا حصہ ان ابواب پر مشتمل ہے جو اسلام میں سائنس کی تاریخ بیان کرتے ہیں اور سائنس کی ان تشریحات کا جائزہ لیتے ہیں جو ضیاء کے دور میں پاکستان میں کی گئی ہیں۔

میں پہلے اس کتاب کی خوبیاں بیان کروں گا۔ مثال کے طور پر کیتھولک مذہب اور سائنس کے درمیان صدیوں پر پھیلی ہوئی لڑائی (جس کی دس مثالیں دی گئی ہیں) کے متعلق باب کلی طور پر بہترین ہے۔ اس طرح مصنف اسٹیون وینبرگ اور میرے کام کا حوالہ دے کر کہتا ہے کہ اس

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

وجہ سے ہم دونوں کے کام میں کوئی بنیادی فرق نہیں پڑا کہ میں ''خدا پر پکا یقین رکھنے والا اور وائن برگ پکا ملحد ہے''۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ مصنف نے سچ کہا ہے۔ ہم دونوں جغرافیائی اور نظریاتی اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت دور تھے۔ اس کے باوجود ایک ہی وقت میں ہم نے کمزور اور برقیاتی مقناطیسی قوتوں کو متحد کرنے کا ایک ہی نظریہ طبیعیات دریافت کیا۔ اگر میری سوچ میں قوتوں کے اتحاد کا کوئی تصور تھا تو وہ غیر شعوری طور پر میرے اسلامی پس منظر سے ماخوذ تھا۔ مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ اسلامی تاریخ میں سائنس کے مقام کا جائزہ لیا ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا' میرا واحد اعتراض یہ ہے کہ ہود بھائی نے وضاحت کے ساتھ یہ نہیں بتایا کہ ہماری صورت حال کا علاج کیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ یہ بنیادی سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا اسلام میں سائنس ہمیشہ کے لئے مر چکی ہے؟ یا یہ اس وقت تک زندہ نہیں ہوگی جب تک کہ مسلمان کٹر پن نہیں چھوڑیں گے؟ ہود بھائی اپنی کتاب میں اس بحث کو آخری منزل تک نہیں پہنچاتے۔

ذاتی طور پر میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آج کی اسلامی دنیا قدرتی طور پر مختلف ثقافتی حصوں میں منقسم ہے۔ جہاں تک سائنس اور ٹیکنالوجی کا سوال ہے یہاں بھی اسلامی دنیا قدرتی طور پر مختلف ثقافتی وتہذیبی حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ مجھے اس نکتہ کو واضح کرنے کی اجازت دیجئے

1- خلیجی ریاستوں کے عربوں کے پاس بہت دولت ہے۔ وہ چاہتے تو تمام اسلامی دنیا میں سائنس کو فروغ دینے کا ذمہ لے سکتے تھے۔ وہ اب بھی یہ کام کر سکتے ہیں لیکن انہوں نے دنیائے اسلام کو تو کجا دنیائے عرب کے لئے بھی ایسی کوئی ذمہ داری محسوس نہیں کی ہے۔

2- چوتھے باب میں ہود بھائی انسٹی ٹیوٹ آف سائنٹیفک انفارمیشن کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ علی الترتیب مصر' ایران' پاکستان' نائجیریا' ترکی' ملائشیا اور لبنان نے 1976ء کے دوران سب سے زیادہ سائنسی لٹریچر پیدا کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مصر میں سائنس دانوں کی تعداد دیگر مسلم ممالک کی نسبت زیادہ ہے لیکن انجینئرنگ اور کم درجہ کی ٹیکنالوجی کو چھوڑ کر دیگر سائنسی شعبوں میں مصریوں کا معیار چنداں بلند نہیں ہے۔

3- ایران وعراق کے درمیان جنگ ختم ہونے کے بعد ایران اب اس حیثیت میں ہے کہ سائنس میں اپنی قدیم فضیلت کو دوبارہ حاصل کر لے۔ میں نے ایران کے جوانوں میں علم کی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

تشنگی دیکھی ہے اور میں نے حالیہ دورے کے دوران خود دیکھا ہے کہ ایران کے شیعہ علماء بھی سائنسی علوم کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔

4- پاکستان کو ایک ایسے حکمران کا انتظار ہے جسے سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی ایسی ہی لگن ہو جیسی کہ ہندوستانی سائنس کی ترقی کے لئے جواہر لال نہرو کے دل میں تھی۔

5- انڈونیشیا کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں اس ملک کو اچھی طرح نہیں جانتا۔

6- گو بنگلہ دیش کے جوان مردوں اور عورتوں میں سائنس کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کی بڑی خواہش ہے، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس ملک میں مفلوک الحالی سائنسی ترقی کی راہ میں حائل ہے۔

7- دنیائے اسلام میں دیگر ممالک کم اہمیت کے حامل ہیں۔ البتہ سوڈان میں سب سے زیادہ محنتی سائنس دان پائے جاتے ہیں۔ ترکی یورپ میں شامل ہونے کی خواہش کے باعث سائنس کے میدان میں ترقی کر سکتا ہے۔ الجیریا کے لوگ اپنی بھرپور توانائی کے باعث اور شاید تیونس اور عراق بھی سائنس کی راہ پر آگے بڑھ سکتے ہیں۔

یعنی اس کتاب میں ایک بہت درست بات اسلام میں علماء کے مرتبے سے متعلق کہی گئی ہے یعنی اسلام میں کوئی کلیسا نہیں تھا اور نہ ہی مذہبی اختیارات کا کوئی واحد مرکز تھا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اگر ایک طرف فرد کو اخلاقی طور پر یہ اختیار تھا کہ وہ ملاؤں کی مدد کے بغیر نظریے کی تفسیر کر سکتا تھا تو دوسری طرف اس کی وجہ سے ایک تنظیمی کمزوری بھی پیدا ہوئی جو آخرکار سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ کے لئے ہی نہیں بلکہ اسلام کی سیاسی اور اقتصادی قوت کے لئے بھی مہلک ثابت ہوئی۔

میں علماء سے پوچھتا رہا ہوں کہ وہ اپنے وعظ میں مسلمانوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی حاصل کرنے کی تلقین کیوں نہیں کرتے۔ یہ نصیحت آٹھ میں سے کم از کم ایک وعظ میں تو ہونی چاہیے کیونکہ قرآن حکیم کا کم از کم آٹھواں حصہ تو ''تفکر'' اور ''تسخیر'' یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق ہے۔ علماء میں سے زیادہ تر کا جواب یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ تلقین کرنا پسند کریں گے، لیکن وہ جدید سائنس سے کافی واقفیت نہیں رکھتے۔ وہ تو صرف ابن سینا کے عہد کی سائنس جانتے ہیں۔ تھرڈ ورلڈ اکیڈمی آف سائنسز (جسے ہود بھائی کی اس کتاب کے جزوی کفیل ہونے کی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سعادت حاصل ہے) اس صورت حال کا علاج ایسی کتابیں لکھوا کر کر رہی ہے جو ان کی مذہبی درس گاہوں کے نصاب میں شامل کی جا سکیں۔

آخر میں، میں یہ کہوں گا کہ ہمارے اسلامی ملکوں میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو ترقی دینے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات پر عمل درآمد کرنے کی ضرورت ہے۔

1- سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے والوں کی تعداد اتنی ضرور ہونی چاہیے کہ وہ معاشرے میں تبدیلی کا ماحول پیدا کر سکیں پھر ان سائنس دانوں کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے کہ وہ تحقیق و ترقی کے لئے اپنی ایسی انجمنیں بنائیں جن کا اپنا ضابطہ اخلاق اور طریقہ کار ہو۔

2- ہمیں خالص سائنسی مضامین کے ماہر چاہئیں جو تعلیم دے سکیں اور عملی سائنس اور اعلیٰ ٹیکنالوجی اختیار کرنے والوں کے لئے رہبری کے فرائض انجام دے سکیں۔

3- یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آج کے زمانے میں عملی سائنس اور اعلیٰ ٹیکنالوجی دولت کے سرچشمہ ہیں۔ ایک بار دولت کمانے کی اس اہلیت کا عملی مظاہرہ کر دیا جائے تو پھر حکمرانوں اور علماء کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے کاموں میں دخل دینا مشکل ہو جائے گا۔

4- مسلم اہل سائنس پر لازم ہے کہ وہ دوسرے ملکوں میں اپنے ہم پیشہ سائنس دانوں سے بین الاقوامی تعلق قائم رکھیں تا کہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں وہی معیار حاصل کر سکیں جو بین الاقوامی طور پر رائج ہے۔

آخر میں مجھے یہ کہنا ہے کہ ایسے شواہد موجود ہیں جن کی بنا پر سائنسی ترقی کے ضمن میں ہمیں پر امید رہنا چاہیے۔ مثال کے طور پر پچیس سال کی مسلسل تگ و دو کے بعد پہلی بار خلیج سے کچھ رقوم فراہم کی گئی ہیں۔ یہ رقوم کویت میں قائم عرب فنڈ فار اکنامکس اینڈ سوشل ڈویلپمنٹ کی طرف سے ملے ہیں، جن میں سے اس سال ٹرسٹ سنٹر کو عربوں کے لئے اڑھائی لاکھ ڈالر دیئے گئے ہیں۔ اگر ہم کو ایسی ہی رقوم دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی مل سکیں تو اسلامی ممالک میں کم از کم فزکس کا مستقبل نسبتاً زیادہ روشن ہوگا۔

ڈاکٹر عبدالسلام (مرحوم)

1990ء

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیش لفظ

یہ کتاب میں نے کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نہیں لکھی بلکہ ملک کی صورت حال نے مجھے اپنے قلم کو جنبش دینے پر مجبور کیا۔ اس کتاب کے خیال کی ابتدا اسلام اور سائنس کے موضوع پر اس لیکچر سے ہوئی جو میں نے مئی 1984ء میں لاہور ایجوکیشن سوسائٹی کی دعوت پر دیا تھا۔ وہ زمانہ ملک کے لئے عموماً اور اہل قلم کے لئے خصوصاً ایک مشکل دور تھا۔ سرکاری لائن سے انحراف برداشت نہیں کیا جاتا تھا' یونیورسٹیوں کے کئی پروفیسر (جن میں قائداعظم یونیورسٹی کے میرے کچھ ساتھی بھی شامل تھے) صرف اس لئے قید و بند اور اذیتوں کے مستحق ٹھہرے کہ انہوں نے ایسے نظریات اور آراء کے اظہار کی جسارت کی جو حکمرانوں کو ناپسند تھے۔

اس دور میں اسلام کے متعلق نئی حکومت کے اقدامات اور منصوبوں کو تقویت پہنچانے کے لئے خوشامدی حضرات معاشرے کی ہر چیز کو اسلامی بنانے کی دھن میں لگ گئے۔ حتیٰ کہ سائنس بھی اس عمل سے محفوظ نہ رہ سکی۔ پاکستان کے سائنسی اداروں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز افراد اس کام کے بہت بڑے حامی تھے۔ اپنی ساکھ بنانے اور حاکم وقت کی خوشامد کے لئے ان نام نہاد سائنس دانوں نے دلیل و منطق کو ہی نہیں بلکہ دین اسلام کی ہر عقلی تفسیر کو بھی پامال کیا۔ بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ انہوں نے مختلف اوٹ پٹانگ دریافتوں کا دعویٰ کیا۔ مثال کے طور پر آئن سٹان کے نظریہ اضافیت کے ذریعہ یہ دریافت کیا کہ جنت ہم سے دور بھاگتی جا رہی ہے اور اس کی رفتار روشنی کی رفتار سے ایک سینٹی میٹر فی سیکنڈ کم ہے۔ پھر ایک ڈاکٹر صاحب جو

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے ڈائریکٹر تھے' فرمانے لگے کہ انہوں نے قرآن شریف کے مطالعے سے یہ معلوم کیا ہے کہ جنات ایک آزاد اور آتشی مخلوق ہیں جن میں بے پناہ توانائی پوشیدہ ہے۔ لہٰذا وہ تجویز کرتے ہیں کہ اس آتشی قوت کو ایندھن کے طور پر استعمال میں لایا جا سکتا ہے تاکہ تیل کے بحران کا مستقل حل نکالا جا سکے۔ یہ نتائج اکثر اوقات کثیر رقوم سے منعقدہ بڑی بڑی قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں پیش کئے گئے اور انہیں سائنس کے مقامی جرائد میں بھی شائع کیا گیا۔ لاہور ایجوکیشن سوسائٹی نے مجھے یہ موقع فراہم کیا کہ میں اس عمل کا تجزیہ کروں اور یہ حوصلہ دیا کہ اسلام اور سائنس کے موضوع پر مزید غور وفکر کر کے کچھ لکھوں۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ان موضوعات پر اپنی تحریروں کو یکجا کر کے کتابی شکل دینا زیادہ مفید ہوگا۔ تاہم' میں یہ بات صاف طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ نہ تو میں کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوں اور نہ ہی کتاب کے موضوع ''اسلام اور سائنس'' یا سائنس کے فلسفہ پر عبور کا دعویٰ کرتا ہوں۔ خصوصی مطالعہ کے دیگر علمی شعبوں کی طرح ان موضوعات کی تفہیم کے لئے بھی صبر آزما تحقیق کی ایک زندگی درکار ہوتی ہے۔ اس لئے کچھ پس وپیش کے بعد میں ایک ایسے علمی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں لگ گیا جو میرے پیشہ وارانہ شعبے (یعنی پارٹیکل اور نیوکلیائی طبیعیات) سے بہت دور ہے۔ لیکن اسلام اور سائنس کے درمیان تعلق کی تفہیم عصر حاضر میں اتنی زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور اس میں دنیا کی آبادی کے پانچویں حصے پر گہرے اثرات ڈالنے کے اتنے امکانات ہیں کہ مجھے یہ کام کرنا ہی پڑا۔ اگر اس موضوع میں پیشہ وارانہ دلچسپی رکھنے والا کوئی شخص یہ کام کرتا تو بہت بہتر ہوتا۔ لیکن ایسے شخص کے انتظار میں بیٹھے رہنا بعید از دانش ہوتا۔ چنانچہ اسلام کے ماضی وحال میں سائنس کا مقام تلاش کرنے کی بھلی یا بری کوشش کے نتائج قاری کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ کوشش کہاں تک کامیاب رہی؟ اس کا فیصلہ قاری کو کرنا ہے۔

میں اپنے قریبی دوستوں کا ممنون ہوں۔ قائداعظم یونیورسٹی میں شعبہ طبیعیات (جس میں میری پیشہ وارانہ زندگی کا زیادہ وقت گزرا ہے) کو میرے ساتھیوں نے اس وقت ہوش مندی کا ایک جزیرہ بنائے رکھا' جب کہ معاشرے کا بڑا حصہ فکری انتشار میں مبتلا تھا۔ ان ساتھیوں میں سے دو دوستوں کا بطور خاص ذکر کروں گا۔ ایک عبدالحمید نیر' جن سے میں ان افکار پر تبادلہ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

خیالات کرتا رہا' جو اس کتاب میں درج ہیں' ان کی فکری فصاحت' خلوص مقصد اور باریک بینی کی وجہ سے اس کتاب میں کئی اصلاحات ممکن ہو سکیں۔ میرے دوسرے دوست شعبہ فزکس کے بزرگ ساتھی عارف الزمان ہیں جن کی تاریخ سے متعلق ہمہ گیر معلومات سے میں نے بہت استفادہ کیا اور جن کا ناقابل شکست احساس تشکیک مجھے ہمیشہ مثبت پہلوؤں کی تلاش پر اکساتا رہا۔ اس کے علاوہ میں خورشید حسنین کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے اس کتاب کے مسودے کا بغور مطالعہ کیا اور مفید تجاویز دیں۔

میں ڈاکٹر اقبال احمد کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے میری حوصلہ افزائی کی اور مسودے کا باریک بینی سے مطالعہ کیا۔ اس موقع پر میرے لئے یہ اقرار کرنا مناسب ہوگا کہ میرے خیالات اور نظریات ڈاکٹر اقبال احمد کی شخصیت اور تحریروں سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔

سمندر پار سے میرے دوست ضیاء میاں نے مجھے نفس مضمون سے متعلق متعدد تحریریں اور تجزیے ارسال کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی تنقید بھی کی جو مفید ثابت ہوئی۔ میں ہارورڈ یونیورسٹی کے تاریخ سائنس کے شعبہ کی النور دھنانی کا بھی مشکور ہوں کہ انھوں نے کچھ مفید کتب اور حوالہ جات کی نشاندہی کی' کتاب کے متن کو غور سے پڑھا اور کچھ تاریخی غلطیوں کی تصحیح کی۔ میں تھرڈ ورلڈ اکیڈمی آف سائنسز کا احسان مند ہوں کہ اس نے چند اہم حوالہ جات خریدنے کے لیے رقم فراہم کی۔

میرے والدین اور خاندان کی جو عنایات اور احسانات مجھ پر ہیں ان کا حساب ناممکن ہے اور آخر میں ہاجرہ' آشا اور عالیہ کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔ ان کی محبت اور مدد کی وجہ سے ہی زندگی خوشگوار اور بامعنی ہے۔

پرویز امیر علی ہود بھائی

اسلام آباد 1990ء

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

باب ایک

تعارف

گزشتہ ایک ہزار سال سے اسلامی دنیا کے دانشور، فقہا اور مجتہدین اس سوال پر غور وخوض کرتے آئے ہیں کہ آیا اسلامی عقائد اور سائنس کے درمیان ہم آہنگی پائی جاتی ہے یا اختلاف؟

یہ سوال عصر حاضر میں مزید غور وفکر کا متقاضی ہے، کیونکہ زمانہ جدید میں کسی ملک کے وقار کا دارومدار اس کی سائنسی مہارت اور تکنیکی اہلیت پر ہے۔ آج سائنس کی مدد سے انسان نے نہ صرف ایٹم سے باریک تر ذرات کو دیکھ اور سمجھ لیا ہے بلکہ یہ بھی جان لیا ہے کہ کائنات کب اور کیسے وجود میں آئی اور اس کے نظام میں کون سے قوانین کارفرما ہیں۔

بے شمار مسلمان مفکرین اور علماء نے اس سوال کے بارے میں اپنے اپنے مسلک اور نظریات کے پیش نظر توجیہ وتشریح کی ہے۔ چنانچہ اسلامی روایات و تاریخ کے ایک ہی ذخیرہ سے متصادم نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ اس لئے اسلامی دنیا میں مختلف مکاتب فکر کے مابین ہم آہنگی کا پیدا ہونا بہت مشکل نظر آتا ہے لیکن اس مسئلہ کو لاشعور کی گہرائیوں میں غرق کرنا یا اس سے چشم پوشی کرنا اب ناممکن ہے کیونکہ جوں جوں بیسویں صدی اختتام کو پہنچ رہی ہے، مسلم معاشرے کے لئے یہ اشد ضروری ہوتا جا رہا ہے کہ سائنس کے بارے میں اسلام ایک مثبت موقف اختیار کرے۔

اب ویسا زمانہ نہیں، جب ہارون الرشید اور مامون رشید کے شاندار درباروں میں سائنس روشن

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

خیال شہزادوں کے لئے محض تفریح طبع کا ذریعہ تھی یا علماء کے درمیان ''مناظروں'' کے لئے مواد فراہم کرتی تھی۔ اب تو یہ تمام انسانی تہذیب میں اچھی یا بری مگر ناقابل تنسیخ' تبدیلی لانے کا وسیلہ ہے۔ زمانہ جدید کی اقوام کی سیاسی قوت اور معاشی خوش حالی اس بات پر منحصر ہے کہ ان میں جدید سائنس کو سمجھنے' اس سے استفادہ کرنے اور اس کو تخلیق کرنے کی کتنی قابلیت ہے۔ جہاں بھی لوگ اس کے حصول میں ناکام رہے' وہاں انہیں تباہ کن نتائج سے دوچار ہونا پڑا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اسلامی تہذیب نے سائنس سے بے بہرہ ہونے کی بہت بھاری قیمت ادا کی ہے۔

اگر تاریخ عالم پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی تہذیب کی پسپائی اور مغرب کے عروج کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ ازمنہ وسطیٰ میں مغرب سے اسلام کے رشتے کی نوعیت آج سے مختلف تھی۔ اس دور میں ایسے زمانے بھی آئے' جب دونوں کے درمیان باہمی طور پر سودمند تعاون رہا اور ایسے کڑے وقت بھی گزرے' جب جنگیں ہوئیں۔ ہسپانیہ (اسپین) پر مسلمانوں نے سات صدیوں تک حکومت کی۔ اس دور میں مسلمانوں نے یورپ کے لوگوں کو یونانیوں اور مسلمانوں کے صدیوں سے جمع شدہ علمی خزانوں سے روشناس کرایا۔ لیکن دوسری طرف صلیبی جنگوں کے دوران طویل دشمنی اور اس کے بعد بلقان پر ترکوں کے غلبہ نے دونوں طرف تعصب اور نفرت کی یادیں بھی چھوڑیں۔ دشمنی کے اس تلخ تجربے نے دونوں تہذیبوں کے درمیان اختلافات کو مزید اجاگر کیا۔ اس کے باوجود جیسا کہ ڈاکٹر اقبال احمد نے نہایت عمدہ انداز میں واضح کیا ہے کہ اسلامی اور مغربی معاشروں کی ساخت بنیادی طور پر ایک جیسی تھی۔

''نہ صرف یہ کہ ہماری ثقافتیں روایتی' پرانی اور ازمنہ وسطی کی تھیں بلکہ ان کے درمیان ایک ساختیاتی مماثلت پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے دونوں کے مابین خیالات اور پیداواری اجناس و اشیاء کا تبادلہ برابری کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ فاتح اور مفتوح ایک ہی قسم کے ہتھیار بناتے اور استعمال کرتے تھے۔ تقریباً ایک ہی قسم کی اشیاء کا لین دین کرتے تھے اور ایک جیسے موضوعات زیر بحث لاتے تھے۔ طبقاتی مفادات میں ایک قسم کی مماثلت پائی جاتی تھی اور اشرافیہ' دستکاروں' تاجروں اور عالموں کے رویے مشترک تھے۔۔۔۔۔'' (1)

پھر یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا دور آیا اور جدید سائنس کی ابتدا ہوئی۔ سترھویں اور اٹھارویں

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

صدیاں اس خطے میں صنعتی انقلاب، سیاسی انقلاب اور روشن خیالی کا زمانہ تھیں۔ ڈیکارٹ، نیوٹن، والٹیئر، روسو، ڈیڈرو، کانٹ بے شمار ایسے مفکرین اور سائنس دان پیدا ہوئے جنھوں نے معاشرے کے افکار اور اقدار کا رخ بدل دیا۔ ایک نئی بحث شروع ہوئی جو فقط عقل کی حاکمیت قبول کرتی اور جس کے استدلال کی بنیادیں منقولاتی نہیں بلکہ تجرباتی تھیں۔ کسی مفروضے کو ثابت کرنے کے لئے کسی بڑے شخص کا سہارا نہیں لیا جاتا بلکہ اس کو تجربوں سے ثابت یا رد کیا جاتا۔ چنانچہ اس عمل میں تخلیقی قوتیں مسلسل کارفرما رہتی ہیں۔ اس سائنس نے ایک واضح عقلی طریق کار کے ذریعہ مادی کائنات کو سمجھنے کی کوشش کی۔ انسانی تاریخ میں پہلی بار پراسرار کائنات کی شناخت ایک ایسے باضابطہ اور باقاعدہ طریقہ کار کے تحت ہوئی جو عقل کی دسترس میں ہے۔ سائنسی طریق کار پر عبور رکھنے والوں کو وہ طاقت حاصل ہوئی جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اس طاقت کا کچھ حصہ قدرت کے قوانین کے سمجھنے اور بعد میں جدید مصنوعات کی ایجاد میں کام آیا۔ لیکن اسی طاقت کا کچھ حصہ دنیا کے کم ترقی یافتہ لوگوں پر غلبہ پانے اور ان پر نوآبادیاتی نظام مسلط کرنے کے لئے بھی استعمال ہوا۔

اٹھارہویں صدی کی سامراجی یلغار کے خلاف مسلمانوں کے روایتی معاشرے کے پاس کوئی ذریعہ دفاع نہیں تھا۔ مغربی افریقہ سے لے کر مشرقی ایشیا تک تقریباً تمام دنیائے اسلام تیزی کے ساتھ مغربی نوآبادیاتی نظام کے تسلط میں آ گئی۔ یہ ایک ایسی تہذیب کے لئے نہایت ذلت آمیز مقام تھا جو ابھی تک صرف فتوحات کی ہی عادی رہی تھی۔ دراصل جدید سامراجیت کی طاقت مسلح افراد کی تعداد پر نہیں بلکہ جدید سائنس کے تجزیاتی طریق کار (سائنٹیفک میتھڈ) پر مبنی تھی اور اتنی طاقتور کہ پہلی ہی ضرب نے مسلمانوں کو ایسا مفلوج کیا کہ انہیں اپنے آپ پر اعتماد نہیں رہا کیونکہ یہ برابر کا مقابلہ نہیں تھا۔ سامراجیت ایک پیچیدہ نظام تھا۔ یہ ایک سینکڑوں پرزوں پر مشتمل طاقتور مشین تھی، جس کا ہر پرزہ ٹھیک ٹھیک اور وقت پر حرکت کرتا تھا۔ اس کی طاقت کا سرچشمہ رائفلیں اور توپیں نہیں تھیں، جو 1757ء میں پلاسی کی جنگ میں استعمال کی گئیں بلکہ اس سامراجی عفریت کی اصل طاقت دخانی جہاز، ٹیلیگراف، ساز و سامان اور جدید تنظیمی طریقوں میں مضمر تھی۔ ان چیزوں سے مسلمانوں کی زرعی اور قدیم تہذیبیں نا آشنا تھیں۔ جدید فن حرب سے ناواقف فوجیں گو بہت بہادری سے لڑیں لیکن تعداد میں ان سے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہت کم برطانوی یا فرانسیسی فوجوں نے اپنے جدید ہتھیاروں اور بہتر فن حرب سے ان پر غلبہ پا لیا۔ یاد رہے کہ برصغیر میں انگریز فوج کی تعداد کبھی بھی پچاس ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ اب مغرب اور دنیائے اسلام کے درمیان وہ مماثلت ختم ہو چکی تھی، جو صدیوں سے ان کے تعلقات پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ جب کسی صنعتی اور سرمایہ دارانہ نظام کا مقابلہ ایک روایتی اور فرسودہ جاگیرداری نظام سے ہو تو نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ غلبہ حاصل کرنے کے بعد جدید سامراجیت نے نو آبادیات کے عوام کو ''مہذب'' بنانے کے کام کا آغاز کیا، جس کے نتیجہ میں دیسی لوگ شدید مصائب و آلام سے دوچار ہوئے اور ان کی روایتی ثقافت تباہ ہونے لگی سامراجیت نے جو زخم لگائے تھے، وہ ہنوز مندمل نہیں ہوئے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد نو آبادیاتی نظام ختم ہونے لگا۔ مغربی سامراج سے مقابلے کے نتیجہ میں دنیائے اسلام کے روایتی معاشی، عمرانی، ثقافتی اور سیاسی نظام درہم برہم ہو چکے تھے، اس لئے دوسری جنگ عظیم کے بعد کی دنیا میں مسلمان منتشر اور شکستہ ذہن لے کر داخل ہوئے۔ یہ وہ دنیا تھی جس کی تشکیل میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ کئی موجودہ مسلمان مملکتوں کی سرحدیں بھی مغربی آقاؤں نے اپنی ضروریات یا مرضی سے کھینچی تھیں۔ آزادی کے ساتھ توقعات اور خوش فہمیاں بھی پیدا ہوئیں۔ لیکن صیہونی یہودیوں کے ہاتھوں فلسطینی عرب اپنے وطن کے حق سے محروم ہوئے، اس کے بعد اسرائیل کے خلاف میدان جنگ میں عرب مملکتوں کی شکست ہوئی۔ پھر جمہوری اداروں کے قیام میں مسلمان معاشروں کی ناکامی نے تمام توقعات اور خوش فہمیاں بتدریج ختم کر دیں۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ دنیا میں قومی یا اشترا کی حکومتیں (مثلاً ایران میں مصدق، مصر میں ناصر، انڈونیشیا میں سوئیکارنو اور پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کی حکومتیں) ختم ہونے پر لوگ بہت زیادہ مایوسی اور بے دلی کا شکار ہو گئے، جس کی وجہ سے جدید بنیاد پرستی کی تحریکوں کے لئے راہ ہموار ہو گئی۔ مسلمان ملکوں میں فوج، افسر شاہی یا قبائلی اور جاگیردار اشرافیہ (جس کا خاص مقصد اپنے طبقاتی اور حکومتی مفادات کا تحفظ ہوتا ہے) کا غلبہ عام ہو گیا۔ ان استحصالی طبقوں کی اشرافیہ میں جدید دنیا کے ان گنت مسئلوں اور پیچیدگیوں کا سامنا کرنے کی نہ تو اہلیت ہے اور نہ خواہش۔ ان مسائل میں سائنس پر مبنی کلچر کو فروغ دینا یقیناً سب سے زیادہ اہم ہے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ کتاب مندرجہ بالا مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے کی ایک کوشش ہے۔ کتاب کا خاکہ مندرجہ ذیل ہے:

سائنس کی نوعیت اور مقصد کے متعلق حیرت انگیز طور پر ذہنی یا فکری انتشار پایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ امر منطقی معلوم ہوا کہ سب سے پہلے سائنس کی ٹھیک ٹھیک تعریف کرنے کی کوشش کی جائے۔ طریق کار کا تعین کیا جائے۔ دوسرے باب میں سائنس اور عیسائی دینیات (کرسچن تھیالوجی) کے درمیان تنازعے کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ازمنہ وسطی کے کچھ تنازعات بیسویں صدی میں بھی برقرار ہیں اور غالباً اکیسویں صدی میں بھی باقی رہیں گے۔

مندرجہ بالا ابتدائی ابواب کے بعد میں نے مسلم ممالک میں سائنس کے موجودہ حالات کا جائزہ لیا ہے۔ میرے لئے یہ ایک ناخوشگوار فرض تھا کیونکہ اسلامی دنیا میں سائنس کی حالت بہت خراب ہے۔ اگر وسائل اور ملتے جلتے تاریخی و ثقافتی سیاق وسباق رکھنے والے غیر مسلم ملکوں کا مقابلہ مسلم ممالک کے ساتھ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سائنس کے شعبے میں مسلمانوں کی کارکردگی مایوس کن ہے۔ یہ سائنسی پسماندگی اس بڑے بحران کا ایک جزو ہے' جو مسلم ممالک کی حکومتوں کی ہمہ گیر ناکامیوں سے پیدا ہوا ہے۔ یہ حکومتیں قومی اقتدار اعلیٰ اور قومی وسائل کا تحفظ کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ یہ عوام کی بنیادی ضروریات مہیا نہیں کر سکتیں اور عوامی نمائندہ حکومتوں کا قیام بھی ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ان ناکامیوں کے مسلمان عوام پر مختلف اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ایک ردعمل یہ ہے کہ زمانہ حال سے منہ موڑ لو اور محفوظ ماضی میں پناہ لے لو۔ دوسرا رویہ یہ ہے کہ جدیدیت کے بعض عناصر کو اسلامی عقائد اور رسم و رواج میں شامل کر لو اور تیسرا رویہ یہ ہے کہ خالص ''مغربیت'' اختیار کر لو۔ ان رویوں کا تاریخی مطالعہ اور سائنس کے لئے ان کی اہمیت یا ان کے اثرات ونتائج کی بحث پانچویں باب میں کی گئی ہے۔

بعض مسلم ممالک میں مذہبی کٹر پن اور جدید سائنس کی اصلاحات اور لوازمات کا عجیب و غریب ملغوبہ دیکھنے میں آتا ہے۔ ''وہ اسے اسلامی سائنس کہتے ہیں''۔ اس عنوان سے ایک باب میں اس نام نہاد سائنس پر تنقید کی گئی ہے جس کا رواج پاکستان میں جنرل ضیاء کے دور حکومت میں ہوا اور یہ بعض دیگر مسلم ممالک میں بھی مقبول ہے۔ یہ باب جب مضمون کے طور

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

پر ایک ماہنامہ میں شائع ہوا تو اسے نام نہاد جدید ''اسلامی سائنس'' کے پرچاریوں اور حمایتیوں نے کڑی تنقید اور دشنام طرازی کا نشانہ بنایا۔ اس کی اشاعت کے بعد تقریباً ایک سال تک گرما گرم بحث جاری رہی۔ مضمون کے نقطہ نظر کی حمایت کرنے والوں نے اسے ثبوت کے طور پر پیش کیا کہ اسلامی ملکوں کے حکمران اسلام کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔ جب ضیاء حکومت کے اسلامی کردار کو غلط ثابت کرنے کے لئے عدالت سے رجوع کیا گیا تو اس مضمون کو عدالتی ریکارڈ میں شامل کیا گیا۔ کتاب کا باب اصل مضمون سے زیادہ تفصیلی ہے۔

''اسلامی سائنس'' کے متعلق دیگر نظریات (جن کی اشاعت و وکالت موریس بوکائل حسین نصر اور ضیاء الدین سردار کرتے ہیں) پر تبصرہ بعد کے باب میں کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ آیا نظریاتی یا قومی سائنس کا وجود ممکن ہے۔ دلیلوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایسی کوئی سائنس نہیں ہو سکتی ہے۔

اسلامی تمدن کا ماضی سے اٹوٹ رشتہ ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اسلامی تہذیب و ثقافت میں سائنس کے آغاز اور پانچ صدیوں تک اس کے پھلنے پھولنے کے اسباب کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اس کوشش میں سب سے پہلے چند اہم اور مشکل سوالات سامنے آتے ہیں: کیا مسلمانوں کی سائنس خاص طور پر اسلامی نوعیت کی تھی؟ یہ کس حد تک عوامی ثقافت میں رچ بس گئی تھی؟ پھر وہ کیا سماجی عوامل ومحرکات تھے جنہوں نے اسے پروان چڑھایا؟ اس کے خلاف مذہبی مخالفت کس حد تک پائی جاتی تھی اور اس مخالفت کی نوعیت کیا تھی؟ گو ان سوالات کے لئے کتاب کے تین ابواب مختص کیے گئے ہیں، پھر بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ پورا انصاف نہیں کیا گیا ہے۔ دراصل یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس پر ایک درجن کے قریب پی۔ایچ۔ڈی کے تحقیقی مقالے لکھے جا سکتے ہیں۔

سائنسی انقلاب یورپ میں ہی کیوں آیا؟ دنیائے اسلام میں کیوں نہیں آیا؟ ان دلچسپ مگر مشکل سوالات پر دسویں باب میں بحث کی گئی ہے۔ ان سوالات کے جوابات غیر تسلی بخش ہو سکتے ہیں، کیونکہ کوئی ایسی کسوٹی موجود نہیں جس پر پرکھ کر ان کو صحیح یا غلط قرار دیا جا سکے۔ تاہم ان سوالوں کے جواب دینے کی کوشش میں جن مسائل کو چھیڑا گیا ہے، وہ میرے خیال میں دلچسپ اور مفید ہیں۔ ان اسباب کی نشاندہی کی گئی ہے، جو قرین عقل ہیں اور جن کے شواہد

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

تاریخ سے بھی ملتے ہیں۔ یہ کوشش ایسے موضوعات یا مضامین کی طرف بھی ہماری توجہ مبذول کراتی ہے، جو فلسفہ، قانون، اقتصادیات اور سیاسیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بات قابل افسوس سہی لیکن بے موقع نہیں ہے کہ بعض عوامل، جو ماضی میں مسلمان معاشروں میں سائنسی ارتقا کے لئے رکاوٹ ثابت ہوئے تھے، موجودہ زمانے میں بھی کارفرما ہیں۔

مسلم ممالک میں سائنس کی مایوس کن حالت اور مستقبل قریب میں بہتری کے آثار نہ ہونے کا خیال ہی نہایت تکلیف دہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض قاری حقیقت حال کے اظہار سے ناخوش ہوں۔ لیکن کتاب کا مقصد حقیقت سے روشناس کرانا ہے، نہ کہ قاری کو خوش کرنا۔ حقیقت سے واقفیت کے بغیر تعمیری تبدیلی ناممکن ہے۔ امت مسلمہ جو نوع انسان کا پانچواں حصہ ہے اس وقت تک قعر مذلت میں رہے گی، جب تک سائنس اور معاشرتی مسائل کو عقلی نقطہ نگاہ سے دیکھنے اور حل کرنے کو اسلامی افکار سے متصادم سمجھا جائے گا لیکن امید رکھنی چاہیے کہ اسلامی ملکوں میں سائنس کا مستقبل روشن ہوگا کیونکہ ایسے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جو سائنسی ترقی کے لئے دقیانوسی رویوں میں تبدیلی کی ضرورت کا احساس رکھتے ہیں۔

اس کتاب کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ دین اسلام کی سچائی کا تعین مسلم ممالک کی سائنسی پسماندگی سے کیا جائے۔ اس قسم کی دلیل مندرجہ ذیل دلائل کی روشنی میں قطعی طور پر غیر معقول ہوگی۔

اولاً مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت اس دعوے پر متفق ہے کہ موجودہ دور میں سچے اور صحیح اسلام پر دنیا میں کہیں بھی عمل نہیں کیا جا رہا ہے، اس لئے موجودہ حقائق اور خالص اسلامی تصورات کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔ ثانیاً دین کی کچھ ایسی تفسیریں موجود ہیں جو دنیاوی اور دینی معاملات کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے کی اجازت دیتی ہیں، چنانچہ مذہب اور سائنس کے درمیان تضاد ضروری نہیں ہے۔ ثالثاً کسی مذہب کے پیروکاروں کی مادی خوش حالی یا کامیابی اس مذہب کی اچھائی یا سچائی کی دلیل نہیں ہوسکتی۔

آخری نکتہ بہت اہم ہے۔ جب چھٹی صدی عیسوی میں گوتم بدھ کا مذہب جاپان پہنچا تو وہاں کی حکومت کو اس مذہب کی سچائی پر شبہ تھا۔ چنانچہ بادشاہ کے ایک درباری کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ تجربہ کی غرض سے نیا مذہب اختیار کر لے۔ اگر یہ مذہب اختیار کرنے کے بعد وہ معاشی اعتبار

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے دوسروں سے زیادہ خوش حال ہوا تو سارے جاپانی نیا مذہب اپنا لیں گے ورنہ یہ مذہب جہاں سے آیا تھا' وہاں لوٹا دیا جائے گا۔لیکن دنیاوی امور میں کامیابی کی یہ سادہ اور آسان کسوٹی مذہب کی سچائی پرکھنے کے لئے عام طور پر قبول نہیں کی گئی۔مثال کے طور پر' دنیاوی و مادی امور میں کامیابی کی مثالوں کے پیش نظر یہودیوں کا مذہب ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہونی چاہیے تھی' لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔اس لئے ہم دین اسلام کی صداقت کے لئے اس کے ماننے والوں کی دنیاوی کامیابیوں یا ناکامیوں کو معیار نہیں بنا سکتے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

باب دو

سائنس کیا ہے اور کیسے شروع ہوئی؟

یہ نظریہ ابھی تک عام نہیں کہ فطرت ضابطوں کی پابند ہے۔ہمیں بتایا جاتا ہے کہ پسماندہ اقوام ایک غیر یقینی دنیا میں رہتی ہیں۔اب بھی لوگ بارش کے لئے اجتماعی دعائیں مانگتے ہیں۔لیکن شاید وہ یہ دعا مانگنے میں پس وپیش کریں گے کہ سورج ایک مقام پر ساکت کھڑا ہو جائے۔ یہ شاید اس وجہ سے ہے کہ موسمیات کی بہ نسبت فلکیات زیادہ ترقی یافتہ سائنس ہے: جے۔ ڈبلیو۔این سلی ون۔

پاکستان میں ایک عام طالب علم سائنس کو نہایت خشک اور غیر دلچسپ مضمون سمجھتا ہے جس کا مطالعہ کسی سزا سے کم نہیں۔ ہماری درس گاہوں میں بڑی محنت و مشقت کے ساتھ فارمولے اور ڈائیا گرام دماغ میں ٹھونسے جاتے ہیں، لیکن جس طرح چھید والے برتن میں پانی ٹھہرتا نہیں اسی طرح یہ تمام رٹی رٹائی باتیں دماغ سے نکل جاتی ہیں۔ گویا کہ سائنس کو بے فائدہ اور بے مقصد سمجھا جاتا ہے۔ دراصل یہ ہمارے دقیانوسی اور غلط طریقہ تعلیم کا ثمر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سائنس ایک نہایت دلچسپ اور فائدہ بخش مضمون ہے۔ آج ہماری روزمرہ زندگی کا دارومدار مکمل طور پر سائنس پر ہے اور یہ سائنس ہی ہے جس کی وجہ سے جدید زمانہ ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے سے یکسر مختلف ہے اور بہتر بھی۔ بہتر کس لحاظ سے؟ تین سو سال پہلے یورپ میں سائنسی انقلاب برپا ہوا تھا۔ اس وقت ایک آدمی کی زندگی کی متوقع میعاد 40 سال سے بھی کم تھی۔ آج یورپ میں یہ میعاد 75 برس سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔ بے ہوشی کی دواؤں (اینستھیزیا) کی ایجاد سے قبل زخمی تکلیف کے مارے جاں بحق ہو جاتے تھے لیکن آج

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

فن جراحت اتنی ترقی پا چکی ہے کہ جسم کے خراب اعضاء نکال کر ان کی جگہ دوسرے لگائے جا سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ دل' گردے' جگر' آنکھیں وغیرہ ایک جسم سے دوسرے میں منتقل کئے جا سکتے ہیں۔طبی سائنس نے ہمارے لئے کیا کچھ کیا ہے اس کا اندازہ آپ کو اس وقت ہوتا ہے جب آپ کی اپنی یا کسی عزیز کی جان خطرے میں ہوتی ہے۔

سائنس نے اونٹوں اور گھوڑوں کا زمانہ ختم کر دیا اور اب انسان خلا کی وسعتوں اور سمندر کی گہرائیوں میں بھی بہ آسانی سفر کرتا ہے۔ دور دراز کے علاقوں کی خبریں جو پہلے مہینوں' سالوں میں پہنچتی تھیں' اب پلک جھپکتے ہی مل جاتی ہیں۔

اگرچہ سائنس کے یہ کمالات شاندار ہیں لیکن اس کا اصل کمال کچھ اور ہے۔ درحقیقت سائنس نے انسان کا شعور بیدار کیا اور اسے یہ احساس دلایا کہ وہ فطرت کی قوتوں کو قابو کر سکتا ہے۔ قدیم زمانوں میں انسان قدرتی طاقتوں کا ایک بے اختیار غلام ہوتا تھا۔ان کے سامنے وہ ایک ہلکے پھلکے تنکے کی مانند تھا۔ جسے ہوا کا جھونکا کبھی ادھر لے جائے یا ادھر' بجلی کڑکتی' وہ خوف سے کانپتا اور بارش نہ ہوتی تو وہ دیوتاؤں سے التجا کرتا' سیلاب' زلزلے' وبائیں' بیماریاں' یہ تمام آفتیں ان دیوتاؤں اور خداؤں کی ناراضگی کی نشانیاں سمجھی جاتی تھیں۔ چنانچہ ان آفتوں سے بچنے کے لئے ہزارہا قسم کے طلسمات اور توہمات وجود رکھتے تھے۔لیکن جب سائنس نے یہ ثابت کیا کہ تمام قدرتی مظاہر کے پیچھے وجوہات خالصتاً مادی ہیں' تو ان عقائد کا سحر ٹوٹنے لگا اور مظاہر کو سمجھنے کے لئے ماورائی طاقتوں کی ضرورت ختم ہونے لگی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سائنس کے سبب آج دنیا کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔آخر ماحول کی آلودگی اور نیوکلیائی ہتھیار اسی کی پیداوار ہی تو ہیں۔ چنانچہ اس نکتے پر بہت بحث ہوئی' آیا کہ یہ خرابیاں سائنس کے غلط استعمال کے باعث ہیں یا ان کا سبب سائنس کی فطرت میں ہی پوشیدہ ہے۔اصل تنازعہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب سائنس کے مخالفین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سائنسی علم کی ماہیت اور تحقیق کا طریقہ کار بنیادی طور پر ناقص ہے اور ان سے فقط بگاڑ ہی پیدا ہوگا۔اس لئے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ انسانی روح کو محبوس کرنے والے نظریہ سائنس کو زنجیروں سے نجات دلا کر ایسا نعم البدل تلاش کیا جائے جس کے بارے میں ہنوز سوچا نہیں گیا۔لیکن نعم البدل پر بحث کرنے سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ سائنس کی حقیقت کیا ہے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سائنس کیا ہے؟

اس سوال کا جواب سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جدید سائنسی غور وفکر کی تہہ میں کارفرما مندرجہ ذیل تصورات اور اصطلاحات کے مطلب سمجھ لئے جائیں۔

حقائق (Facts)

سائنس کا آغاز اس مفروضے سے ہوتا ہے کہ معروضی حقائق کا وجود ہے۔ مثال کے طور پر ایک سائنس دان اپنے حواس خمسہ (ناک، کان، زبان، آنکھ وغیرہ) آلات اور پیمانوں (مثلاً تھرمامیٹر یا حرارت پیما) سے حاصل کردہ معلومات کو بطور حقائق تسلیم کرتا ہے۔ یہ حقائق صحیح مانے جاتے ہیں، بشرطیکہ دوسرے مشاہدہ کرنے والے بھی ان کی صحت سے اتفاق کریں یا مختلف اوقات اور مقامات پر بار بار مشاہدہ کرنے کے بعد ایک جیسے نتائج برآمد ہوں۔ اس طریق کار کی بدولت افراد کے ذاتی عقائد وآراء سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مثال کے طور پر اگر طاقتور دوربینوں کے ذریعہ مشاہدہ کرنے والوں کی ایک تعداد مشتری سیارے کے چاندوں کی اشکال، جسامت اور دائرے میں حرکت کرنے پر اتفاق رائے کرے تو یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ ان کے مشاہدات صحیح حقائق ہیں۔ یہ بات موضوع سے خارج ہے کہ ان مشاہدہ کرنے والوں میں سے کچھ یا سبھی برے کردار کے حامل ہیں۔ شرابی ہیں یا اپنی بیویوں کو مارتے ہیں۔ البتہ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کہیں انہوں نے باہمی گٹھ جوڑ تو نہیں کیا ہے، نیز یہ کہ وہ اپنے طور پر اور ایک دوسرے سے علیحدہ مشاہدہ کر کے یکساں نتائج پر پہنچے ہیں۔ اس کے برعکس ہم ایک پارسا اور پرہیزگار شخص کی باتوں کو سائنسی حقائق نہیں مان سکتے کیونکہ یہ مندرجہ بالا طریق کار پر پورا نہیں اترتے۔

قوانین (Laws)

سائنسی قوانین مشاہدات پر مبنی ہیں۔ یہ مشاہدات طبعی خاصیتوں کے ہوتے ہیں مثلاً وزن، فاصلہ، وقت، درجہ حرارت، تعداد وغیرہ۔ ایک سائنسی قانون ان جیسے خواص کے مابین ایک رشتہ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

وضع کرتا ہے۔ مثال کے طور پر:

1- چارلس کے قانون کے مطابق اگر کسی گیس کو گرم کیا جائے تو اس کا حجم بڑھ جاتا ہے بشرطیکہ اس کا دباؤ مستقل رکھا جائے۔

2- مینڈل کے قانون کے مطابق والدین سے اولاد کو جو خصوصیات ملتی ہیں وہ ایسے ہی والدین میں موجود ہوتی ہیں اور ان خصوصیات کا انحصار ان وحدتوں کے سنگم پر ہوتا ہے کہ جن کے ذریعے یہ خصوصیات منتقل ہوتی ہیں۔

مفروضات (Hypothesis)

ہر سائنسی تحقیق کا آغاز کسی مفروضے سے ہوتا ہے اس سے آگے کا قدم مشاہدے یا تجربے کی کسوٹی پر مفروضے کو پرکھنا ہوتا ہے۔

دو عدد مفروضے مندرجہ ذیل ہیں:

''پھیپھڑوں کے سرطان کا امکان اسی تناسب سے بڑھ جاتا ہے جس تناسب سے روزانہ پی جانے والی سگریٹوں کی تعداد بڑھتی ہے''۔

''اگر زیادہ لوگ بارش کی دعائیں مانگیں تو بارش کی مقدار بڑھ جاتی ہے''۔

مندرجہ بالا مفروضات میں سے ہر ایک کو ثابت کرنے کے لئے کافی تعداد میں حقائق مہیا کرنے چاہئیں تا کہ کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مذکورہ بالا دونوں مفروضوں سے عجیب وغریب نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں' مثلاً یہ نتیجہ بھی نکالا جاسکتا ہے کہ زیادہ سگریٹیں پینے سے عمر بڑھتی ہے یا زیادہ لوگ بارش کی دعائیں مانگیں تو کم بارش ہوتی ہے۔

نظریہ (Theory)

نظریہ دراصل عظیم تصوراتی اسکیم کا نام ہے جو سوچ کا محور ہوتا ہے اور اپنے دائرہ کار میں ایک مکمل تصویر فراہم کرتا ہے لیکن ایک سائنسی نظریے کو اس کے علاوہ بھی بعض معیاروں پر پورا اترنا چاہیے مثلاً

☆ اسے تمام معلوم تجرباتی یا مشاہداتی حقائق کے مطابق ہونا چاہیے۔

☆ اسے کوئی نئی بات ثابت کرنی چاہیے' یعنی ایسے حقائق کی پیش گوئی کرنی چاہیے جو تا حال نامعلوم تھے اور جن کو جانچ پرکھ کر ثابت کیا جاتا ہے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆ بقول کال پوپر یہ صحیح یا غلط ثابت کرنے کے قابل ہو۔ یعنی یہ ایسی صورت حال کے تعین کا اہل ہو جس میں اس سوال کا درست جواب دیا جا سکے کہ آیا یہ نظریہ صحیح ہے یا غلط۔

نظریہ محض ایک مفروضہ نہیں ہوتا جس میں صرف چند مشاہدات کی توجیہ کرنے کی صلاحیت ہو بلکہ ایک ایسا فکری نظام ہے جو اپنے دائرہ کار میں ہمہ گیر ہوتا ہے۔ ایک کامیاب نظریے کی امتیازی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ مظاہر قدرت کے بہت وسیع حلقے پر حاوی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نیوٹن کا نظریہ کشش سورج کے گرد زمین کی حرکت اور دیگر ستاروں سے سورج کے تعلق پر یکساں منطبق ہوتا ہے۔ اس ہمہ گیریت کے باعث یہ ضروری نہیں کہ ہر نئی حقیقت کے سامنے آنے پر کوئی نیا نظریہ بنانا پڑے۔

استنباط و استقراء (DeductionandInduction)

حقائق کی مسلسل یکسانیت کے پیش نظر استقرائی طریقے (Induction) سے معلومات جمع کر کے سادہ کلیہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ہر روز سورج کو مشرق سے طلوع اور مغرب میں غروب ہوتے دیکھ کر ہم استقرائی طور پر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آئندہ کل بھی سورج کا یہی عمل ہوگا۔ استنباطی طریقہ (Deduction) اس سے مختلف ہے۔ اس میں ہم کچھ عام کلیوں یا مقدمات کو لے کر منطقی دلائل کے ذریعہ مخصوص نتائج اخذ کرتے ہیں۔

سائنسی طریقہ (The Scientific Method)

مندرجہ بالا تصورات کی تعریف کے بعد اب یہ دیکھا جائے کہ سائنسی طریقہ کار کیا ہے۔ دراصل یہ طریقہ کار مندرجہ ذیل مراحل پر مشتمل ہے:

☆ مسئلہ کی نشاندہی: یہ مسئلہ کوئی ایسی چیز ہو سکتا ہے جو اپنی فطرت، ساخت، اثرات، دوسری چیزوں سے باہمی ردعمل وغیرہ کے اعتبار سے نامعلوم ہو۔ یا یہ اشیاء، واقعات یا علامات وغیرہ کے درمیان ایک یا ایک سے زیادہ غیر واضح یا مبہم رشتے ہو سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ ایسا ہو جس کی توجیہ مروجہ قوانین یا نظریات نہ کر سکتے ہوں۔

☆ اس مرحلہ پر وہ معلومات اور تحریریں جو اس مسئلہ سے متعلق ہوں جمع کی جائیں اور ان کی روشنی میں اس بات کا تعین کیا جائے کہ آیا اسے اب تک حاصل کردہ علم کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے کہ نہیں؟

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆ یہ سائنسی مسئلہ کسی نئی چیز کی نشاندہی کر رہا ہے جو بظاہر ناقابل فہم ہے تو ایسے مشاہدات یا تجربات ترتیب دیئے جائیں جن کے ذریعے نئے اور بامعنی نشانات مل سکیں۔

☆ جب کافی نشانات ملنے کے بعد ان کی بنیاد پر چند منطقی مفروضے بنا لئے جائیں تو وہ مفروضہ منتخب کیا جائے جو سب سے زیادہ سادہ، جمالیاتی اور مطمئن کرنے والا ہو۔

☆ منتخب کردہ مفروضے سے مختلف نتائج اخذ کئے جائیں اور اس کی صحت کو پرکھنے کے لئے مشاہدات یا تجربات ترتیب دیئے جائیں۔

☆ حقائق جاننے کے بعد بھی اگر ایک یا ایک سے زیادہ باتیں وضاحت طلب ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ منتخب کردہ مفروضہ مشکوک ہے اور دوسرے مفروضوں کو آزمانے کی ضرورت ہے۔

☆ اگر مفروضہ ہر لحاظ سے کامیاب ہے اور کوئی بات وضاحت طلب نہیں ہے تو ایسے مفروضہ کو ''قانون'' کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

☆ یہ قانون اس وقت تک صحیح مانا جائے گا جب تک کہ اس کی مدد سے کچھ نئے مشاہدات یا تجربات کی وضاحت مطلوب نہ ہو۔ ایسی صورت میں یہ قانون کا درجہ برقرار نہیں رکھ سکے گا۔ نئے مفروضے تلاش کرنے ہوں گے اور ان مفروضوں کو پرکھنے کے لئے دوبارہ اسی طریق کار کا اعادہ کرنا ہوگا۔

ہوسکتا ہے کہ منطقی طور پر متوازن طریقوں سے حقیقی سائنسی ترقی نہ ہو۔ کبھی کبھی اتفاق اور تخلیقی صلاحیت کے عناصر سیدھے سادے مروجہ طریقوں کو بیکار کر دیتے ہیں لیکن کسی نظریے تک پہنچنے کے طریق کار سے قطع نظر، حقیقت یا سچائی کے اثبات کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ آیا یہ نظریہ تجربے اور مشاہدے کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ نظریے کی افادیت اس بات میں مضمر ہوتی ہے کہ وہ کتنے معلوم حقائق کی تشریح کرتا ہے، نیز کتنی نئی باتیں ہم کو بتاتا ہے۔

سائنس ایک ایسی عمارت کی طرح ہے جو ہمیشہ زیر استعمال اور زیر مرمت رہتی ہے، مسلسل بلند ہوتی رہتی ہے، اس میں نئی وسعتوں اور جدید شعبوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ اپنے اصولوں کی بنیاد پر اپنا احتساب اور تنقید خود کرتی ہے۔ اگرچہ سائنس ابتدا میں ایک سادہ چیز تھی مگر اب یہ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک پیچیدہ نظام بن گیا ہے۔ انفرادی حیثیت میں ایک سائنس دان ایک چیونٹی کی طرح محض ایک معمولی کارندہ ہوتا ہے جو انسانی علم کے وسیع خزانے کو بھرنے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ وہ جمع شدہ علمی خزانے سے استفادہ کر کے اس میں اپنے حصے کا اضافہ کرتا ہے۔ جلد ہی اس کا انفرادی حصہ وسیع خزانے میں مدغم ہو جاتا ہے۔ بڑے سائنس دانوں کے کارنامے (ان کی دریافتیں اور ایجادیں) موجودہ سائنس میں اس طرح شامل ہو جاتے ہیں کہ طالب علم کو اصلی کتابوں یا ماخذ کے مطالعے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ مثلاً گریجوایٹ سطح پر طبعیات کا طالب علم اپنے علم وفہم کو خطرے میں ڈال کر ہی مناظریات (روشنی کی سائنس) کا مطالعہ ابن الہشیم کی کتاب ''المناظر'' سے اور میکانیات کا مطالعہ نیوٹن کی ''پرنسپیا'' (Principia) سے کرے گا۔ اس کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ وہ ایسی جدید کتاب کا مطالعہ کرے جس میں ہزاروں سائنس دانوں کی مجموعی تحقیقات شامل ہوں جنھوں نے زیر مطالعہ شعبے یا موضوع کو ترقی دینے، وسیع کرنے اور عام وسادہ بنانے کے لیے کام کیا ہے۔

سائنس کی ارتقا پذیر اور لامتناہی فطرت اسے دیگر انسانی افکار اور علوم سے ممتاز کرتی ہے۔ مذہب ابدی اور غیر متغیر صداقتوں پر مبنی ہوتا ہے۔ ان صداقتوں میں آئندہ نسلیں نہ تو کوئی اضافہ کرتی ہیں اور نہ ہی ان کو مسترد کرتی ہیں۔ مذہبی نقطہ نظر کے مطابق علم کو ساکت و جامد تصور کیا جاتا ہے، جس میں کوئی کمی و بیشی کی گنجائش نہیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ بنیادی طور پر سائنس اور مذہب ایک دوسرے کے ساتھ نہیں چل سکتے۔ بلکہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سائنس اور مذہب دو ایسے علیحدہ شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کو آپس میں گڈمڈ نہیں کیا جا سکتا۔

سائنسی اور غیر سائنسی نظریات میں فرق

سائنسی اور غیر سائنسی سوچ میں فرق واضح کرنے کے لئے وینڈل جانسن نے ایک دلچسپ حکایت لکھی:

''کسی زمانے کی بات ہے کہ ایک ملک میں دو پراسرار معمے تھے جن کا بھید ملک کے بڑے بڑے دانشور سالہا سال سر کھپانے کے باوجود نہیں پا سکے تھے۔۔۔۔۔۔ جب کبھی کوئی سکے کی پنسل تلاش کرتا تھا تو اسے نہیں ملتی تھی اور جب بھی کوئی سکے کی پنسل تراشنا چاہتا تو پنسل تراش

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہمیشہ ریزوں سے بھرا ہوا پایا جاتا تھا۔ یہ بہت پریشان کن صورت حال تھی۔ اس کے خلاف عوامی مظاہروں کے بعد دقیق تحقیقات اور ہنگامہ خیز صورت حال کے اسباب کی وضاحت کے لئے حکومت نے ممتاز فلسفیوں کی ایک کمیٹی مقرر کی۔ اس کمیٹی نے نہایت مشکل حالات میں تحقیقات کر کے کچھ نتائج اخذ کئے۔ لوگ پریشان تھے اور کمیٹی کے غور وفکر سے حاصل کردہ نتائج اور سفارشات کو جلد از جلد جاننا چاہتے تھے۔ آخر کار کافی وقت گزرنے کے بعد کمیٹی کے ارکان ہر دو سربستہ رازوں کی وضاحت کے لئے سربراہ مملکت کے سامنے پیش ہوئے۔ بات بالکل سادہ تھی۔ کمیٹی کے پیش کردہ نظریے کے مطابق زمین کے اندر چھوٹے چھوٹے بونوں کی بڑی تعداد رہتی ہے۔ یہ بونے بالشتیئے (چھوٹے) کہلاتے ہیں۔ رات کو جب سب لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں، یہ گھروں میں آتے ہیں۔ وہ ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں اور ساری سکے دار پنسلیں جمع کر کے انہیں پنسل تراش سے ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں اور پھر زمین کے اندر واپس چلے جاتے ہیں۔ یہ وضاحت سن کر قومی اضطراب اور بے اطمینانی کی کیفیت ختم ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک نہایت ہی دانش مندانہ نظریہ تھا۔ بیک جنبش قلم اس نے دونوں معموں کو حل کر دیا تھا''۔

سوال یہ ہے کہ بالشتیوں کا یہ نظریہ سائنسی کیوں نہیں؟ اس کا سادہ اور واضح جواب یہ ہے کہ یہ نظریہ حقائق کے ایک تنگ چوکھٹے میں فٹ ہونے کے لئے وضع کیا گیا تھا اور یہ کسی نئی بات کی پیش گوئی نہیں کرتا۔ بالشتیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نظر نہیں آتے۔ وہ رات کو اس وقت آتے ہیں جب کوئی ان کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ بالشتیوں کی دیگر عادتوں کے متعلق کسی کو کوئی علم نہیں۔ اس لئے ہم نہیں جانتے کہ ان سے اور کس کام یا واردات کی توقع کرنی چاہیے۔ لیکن، کیا ہم بالشتیوں کے متعلق نظریے کو غلط یا باطل ثابت کر سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب ہے کہ اس کو ہم غلط ثابت نہیں کر سکتے۔

اس نظریے کو جھوٹا یا سچا ثابت کرنے کے لئے کوئی کسوٹی نہیں ہے۔ لوگ بالشتیوں کے وجود کو بطور عقیدہ مان سکتے ہیں کیونکہ اس عقیدے کو جھٹلانے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اس لیے کال پوپر کے وضع کردہ معیار کے مطابق یہ نظریہ سائنسی نہیں ہو سکتا۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سائنسی طریقہ کار کی ابتدا کیسے ہوئی؟

اس طریقہ کار کی جھلک قدیم یونان اور قرون وسطیٰ کے اسلامی دور میں نظر آتی ہے۔لیکن سولہویں صدی میں یورپ کے صنعتی انقلاب کے بعد اس کی موجودہ شکل سامنے آئی۔ اس انقلاب کے نتیجے میں کائنات کا تصور بدلنے لگا۔ سائنسی دور سے قبل کائنات کو نہایت پراسرار اور ناقابل فہم سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ لوگ اس پر یقین رکھتے تھے کہ تمام مظاہر کے پیچھے کسی نہ کسی ماورائی طاقت کا ہاتھ ہوتا ہے۔لیکن سائنس کے آنے سے یہ ثابت ہونے لگا کہ کائنات میکانکی ہے اور یہ طبیعیات کے قوانین کے تابع ہے۔ لہٰذا یہ ایک عظیم مشین تصور کی جانے لگی جس کا ہر پرزہ سائنسی اصولوں کے تحت چلتا ہے۔

کوپرنیکس کی تحقیقات کے نتیجے میں یہ تسلیم کرلیا گیا کہ زمین کائنات کا مرکز نہیں بلکہ کئی سیاروں میں سے محض ایک سیارہ ہے جو کہکشاں کے کنارے پر واقع ایک ستارے (سورج) کے گرد گھوم رہا ہے۔ انسان جو اپنے آپ کو تخلیق کا مرکزی نقطہ سمجھتا تھا' اب اس حقیقت سے واقف ہوا کہ وہ کائنات میں ایک معمولی سی چیز ہے۔لیکن عقلیت پسندی کے عہد میں اسے علم کی کائنات کے مرکزی تخت پر متمکن کر دیا گیا۔ اب اس کی قوت فکر ازمنہ وسطیٰ کی عیسائی مذہبیت کے زنداں سے آزاد ہو کر خلا کی وسعتوں اور وقت کی گہرائیوں میں پہنچ گئی ہے۔ ہر شے چاہے وہ چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی کیوں نہ ہو انسانی فہم کی دسترس سے باہر نہیں ہے اور کوئی بھی چیز زمان و مکاں میں اتنے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے کہ انسان اس کا پتہ نہ لگا سکے۔

نیا شعور زیادہ تر سائنسی انقلاب کے داعی فلسفیوں نے پیدا کیا ہے۔ ان میں رینے ڈیکارٹ شاید سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کی اعلیٰ ترین دریافت' سوچ کا ایک مخصوص طریقہ تھا۔۔۔۔۔۔ جواب ''کارٹیزی طریقہ'' کہلاتا ہے۔ اس کے مطابق قدرت کا قطعی یا یقینی علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ علم تجزیاتی ہے۔ اس کے تحت پیچیدہ خیالات یا مسائل کو ان کے بنیادی ٹکڑوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ڈیکارٹ نے کہا تھا کہ قدرت کو نہ صرف سمجھا جا سکتا ہے بلکہ اس کے سربستہ رازوں کو ریاضی کی زبان میں لکھا بھی جا سکتا ہے اور ان کی سچائی کو تجربات کے ذریعہ پرکھا بھی جا سکتا ہے۔ سائنس کا مقصد یہ تھا کہ قدرت کے قوانین دریافت کئے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

جائیں۔ اس مرکزی خیال کی تشریح بعد میں میکانکی سائنس کے ذریعہ کی گئی۔ تین صدیاں گزرنے کے بعد بھی، حالانکہ سائنس کے ہر شعبے میں بے پناہ ترقی ہوئی ہے، لیکن بیسویں صدی کی سائنس اب بھی کارٹیزی نظریے پر مبنی ہے۔ اس کے بغیر پینی سلین، ٹیلی ویژن اور بجلی کی ایجاد اور انسان کا چاند پر پہنچنا سبھی ناممکن ہوتا۔

کارٹیزی نظریے کے ساتھ حیوانی مشین کا تصور یعنی حیوان بھی مشین کی مانند ہوتے ہیں پیدا ہوا۔ ڈیکارٹ کے زمانے میں گھڑی خودکار مشین کا ایک اچھا نمونہ تھی۔ چنانچہ ڈیکارٹ حیوانی مشین کا تقابل گھڑی سے کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ حیوان گھڑی کی طرح ہے جو پہیوں اور کمانیوں پر مشتمل ہے۔ بعد میں وہ اس تقابل میں انسانی جسم کو بھی شامل کر لیتا ہے۔

''میں انسانی جسم کو ایک مشین کی طرح سمجھتا ہوں۔ میرے خیال میں جیسے ایک بیمار آدمی ایک ناقص گھڑی کی طرح ہے، اسی طرح تندرست آدمی ایک اچھی گھڑی کی مانند ہے''۔

ڈیکارٹ کے بقول تمام حیات دراصل کیمیا ہے اور تمام کیمیا آخر کار طبعیات ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں سالماتی حیاتیات اور نسلی انجینئرنگ (GeneticEngineering) کارٹیزی نظریے کا اظہار بن گئے ہیں۔

غالباً کارٹیزیت کا سب سے زیادہ انقلابی عنصر یہ تھا کہ تمام بیماریاں حیاتیاتی مشین کی خرابی کا اظہار ہوتی ہیں یا یہ نامیاتی جسم کی اس خرابی کا نتیجہ ہوتی ہیں جو مخصوص اسباب مثلاً گندگی، خراب غذا، جراثیم، کیڑے مکوڑوں وغیرہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ دریافت عیسائی کلیسا کے پادریوں اور رہنماؤں کی توہماتی اور غیر سائنسی تعلیمات کے سراسر خلاف تھی۔ ہم اس مسئلہ پر آئندہ باب میں مزید روشنی ڈالیں گے۔

سائنسی انقلاب نے ازمنہ وسطیٰ کے فرسودہ نظام کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ دنیاوی امور میں کلیسا کے اختیار کو نیست و نابود کر دیا۔ عجیب بات ہے کہ یہ بنیادی تبدیلی زیادہ تر جدید سائنس اور سائنسی طریق کار کے وہ بانی لائے جو خود پکے مذہبی تھے۔ ان میں سے چند مذہب کے دشمن بھی تھے۔ اٹھارہویں صدی میں فرانس کے مشہور ریاضی دان، لاپ لاس نے خدا کی فطرت کے بارے میں نپولین کو یہ جواب دیا تھا: ''ہمیں اس مفروضے کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ لیکن ڈیکارٹ، گلیلیو اور نیوٹن کے نزدیک خدا کا وجود ایسے فلسفہ کے لئے ضروری تھا جو

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ذہن اور مادہ دونوں کوتسلیم کرتا ہو۔ دراصل کائنات کا یہ تصور کہ وہ ایک خودکار عظیم نظام ہے' خالق کے بغیر نامکمل رہتا ہے۔ لیکن یہ خالق عیسائی مذہب کا خدا نہیں تھا۔ ازمنہ وسطیٰ کے مداخلتی خدا کے برعکس' میکانکی کائنات میں خدا کا رول یہ ہے کہ وہ کائنات کو وجود میں لا کر اسے ابدی قوانین کا پابند بنا دیتا ہے اور اس کے بعد یہ قوانین ہی کائنات کی تقدیر کا تعین کرتے ہیں۔ بقول والٹیر ''خدا نے کائنات کو اسی طرح پیدا کیا جس طرح ایک گھڑی ساز گھڑی کے پرزے جوڑ کر گھڑی بناتا ہے۔ بنانے کے بعد خدا کائنات سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ طبیعیات کے قوانین کائنات کو اس طریقے سے چلاتے رہتے ہیں' جو مقدس منصوبے میں متعین کیا گیا ہے''۔

عقلیت پسند حکماء' مستقل مزاجی اور یقین کامل کے ساتھ خدا کی ارادتاً مداخلت کے منکر رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے معجزات کے وقوع پذیر ہونے سے بھی انکار کیا ہے۔ یہ پرانا تنازعہ ہی کائنات کے متعلق سائنسی زاویہ نگاہ اور روایتی نقطہ نظر کے درمیان مخالفت کا سبب ہے۔ کچھ فلسفیوں نے اس تنازعہ کی شدت کو کم کرنے کی غرض سے معجزے کی تعریف میں تبدیلی پیدا کی ہے۔ وہ معجزے کو کوئی حیرت انگیز چیز قرار دیتے ہیں۔ ان معنوں میں تو ہر چیز معجزہ ہے۔ اپنے مدار پر ہر سیارے کی ٹھیک ٹھیک گردش' کائنات کی وسعت' زمین کا نزاکت کے ساتھ متوازن ماحولیاتی نظام اور انسانی دماغ کی بے پناہ پیچیدگی۔۔۔۔۔۔ یہ سب مستقل معجزات ہی تو ہیں اور غالباً سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ کائنات میں ہر شے چھوٹے سے چھوٹے ذرے سے لے کر بڑے سے بڑے ستاروں تک بلکہ بجائے خود کائنات تک بلا استثنا ایک ہی طرح کے ابدی اور بے لچک طبیعیات قوانین کے پابند ہیں۔ سائنس کے پاس ان قوانین کی کوئی توضیح یا توجیہ نہیں ہے اور وہ اس دعوے کی تردید نہیں کر سکتی کہ کائنات کو ایک مقدس خالق نے پیدا کیا ہے۔

اس سائنسی نظریے کا مقابلہ ''معجزہ'' کی اصطلاح کے روایتی استعمال سے کیجئے۔ روایتی طور پر معجزے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز ابدی اور لازمی طبیعیاتی قوانین کے خلاف یا ان کے عارضی تعطل سے واقع ہو جائے۔ بقول والٹیر' اگر چودھویں چاند کی رات کو سورج گرہن ہو' اگر مردہ آدمی اپنے سر کو بغل میں دبا کر دو میل چلے' تو ہم اسے معجزہ کہیں گے''۔ معجزات کی توضیح

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں والٹیر نے واضح رویہ اختیار کیا تھا۔ اس کا استدلال یہ تھا کہ خدا نے جو قانون رائج کیا ہے' وہ خود اسے معطل نہیں کر سکتا۔ ''کیا یہ تصور کرنا نہایت بے ہودہ حماقت نہیں ہے کہ اس مٹی کے چھوٹے سے تودے کی تین یا چار سو چیونٹیوں کے لئے وہ لامحدود ہستی اس عظیم انجن کی چرخیوں کو الٹا گھمانا شروع کر دے جو ساری کائنات کو حرکت میں رکھے ہوئے ہے''۔

جدید سائنس کا نقطہ نظر معجزات کے بارے میں وہی ہے جو والٹیر کا تھا۔ یہ یقیناً ایک سچے اور سنجیدہ عالم طبیعیات کو اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ کائنات کی تخلیق و تدوین کرنے والے خدا پر ایمان لائے لیکن یہ ایسے خدا کے تصور کی اجازت نہیں دیتی جو خواہ مخواہ یا کسی اصول کے بغیر مداخلت کر کے کسی سیارے کا مدار بدل دے' گرہن کو ملتوی کر دے' طبعی قاعدوں کے خلاف موسموں کو تبدیل کر دے یا کائناتی کھیل کے قواعد میں تغیر پیدا کر دے۔ اگر وہ ایسا کرے تو اس سے صرف یہ ثابت ہوگا کہ وہ اپنی من مانی کی قوت رکھتا ہے۔ مداخلت کرنے والا دیوتا سائنس دان کو ایسے مخمصے سے دوچار کرتا ہے' جسے وہ حل نہیں کر سکتا کیونکہ اس صورت میں سائنسی تحقیق ناممکن ہو جاتی ہے۔ اگر سائنس دان بظاہر ایک ناقابل توجیہ مظہر سے دوچار ہو تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ فرض کیجئے کہ اسے ایک لاعلاج مرض مثلاً ایڈز یا سیارے کے مدار کی عجیب وغریب تبدیلی یا نہایت غیر متوقع ضمنی جوہری ذرے کی دریافت کا سامنا ہے۔ کیا اسے ایک خاص نقطے تک پہنچنے کے بعد طبعی اسباب کی تلاش بند کر دینی چاہیے اور اس توقع پر اکتفا یا یقین کر لینا چاہیے کہ یہ سب کچھ ایک مقدس ارادے کے تحت یا مشیت ایزدی کی وجہ سے ہوا ہے؟ اگر وہ ایسا کرے گا تو اس بات کے مواقع بڑھ جائیں گے کہ آئندہ اس کا ہی کوئی ساتھی صحیح طبعی اسباب دریافت کر لے اور سرخرو ٹھہرے۔ سائنس نے انسان کو فطرت کی بے رحم قوتوں سے نجات دلائی اور اسے یقین اور اعتماد کے تحفے دیئے۔ یہی سائنسی انقلاب کا حاصل ہے۔ لیکن کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حالیہ سائنسی ارتقا ہمیں بتائے کہ سائنس کا دیا ہوا یقین محض ایک فریب ہے؟

کیا کوانٹم فزکس (QuantumPhysics) نے سائنس کو تباہ کر دیا ہے؟

حالیہ برسوں میں کچھ لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ سائنس کو اگر طبی اعتبار سے نہیں تو فلسفیانہ اعتبار سے مردہ قرار دیا جائے اور کہا یہ جاتا ہے کہ موت کا سبب خودکشی ہے اور خودکشی کا آلہ یا ہتھیار

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

خود سائنس کی ایک ایجاد ہے، جسے کوانٹم فزکس کہتے ہیں۔ اس دعوے کے حق میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ جدید سائنس عقل سلیم اور فطرت کے مشاہدات پر مبنی ہے۔ اس کے مفروضات کچھ اس قسم کے تھے کہ ایک تجربہ میں ایک جیسے ابتدائی حالات ہمیشہ ایک جیسے نتائج پیدا کریں گے۔ نیز یہ کہ درحقیقت مشاہدہ کرنے والے کی کوئی اہمیت نہیں اور مادی دنیا کی اپنی ایک ٹھوس حقیقت ہے، لیکن مشاہدہ، قیاس، استنباط (Deduction) اور نظریہ سازی کے طریق کار نے آخر کار کوانٹم فزکس کو جنم دیا۔ سائنس پر اعتراض کرنے والوں کے بقول سائنس کی یہ نئی شاخ کہتی ہے کہ عقل سلیم پر مزید اعتماد نہیں کرنا چاہیے اور یہ کہ اپنی بنیادی سطح پر فطرت بالکل وہ نہیں ہے جس کا مشاہدہ اور تجربہ ہم روزمرہ زندگی میں کرتے ہیں۔ اس طرح یہ انکشافات حقیقت کے اس تصور کو ختم کر دیتے ہیں، جو مادی سائنس کے ارتقا میں کارفرما تھا اور خصوصاً اس مفروضے کی نفی کرتے ہیں کہ کل اپنے انفرادی حصوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں وہ وقت قریب آ گیا ہے جب جدید سائنس کے ڈوبتے ہوئے جہاز کو چھوڑنا ہوگا اور وہ نعم البدل تلاش کرنا ہوگا جو مشرقی یا دیگر فلسفوں نے فراہم کیا ہے اور ویدی (ہندو) سائنس تیسری دنیا کی سائنس یا اسلامی سائنس جیسی سائنسی وحدتیں تخلیق کرنی ہوں گی۔

لیکن جدید سائنس درحقیقت بستر مرگ پر نہیں ہے۔ افسوس کہ یہ سائنس کے دشمنوں کا محض ایک خواب ہے۔ یہ خواب ان لوگوں کے لئے تو باعث اطمینان ہے جو جدید سائنس کو تمام برائیوں کی جڑ سمجھتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جدید سائنس ٹمٹماتی شمع نہیں بلکہ اتنی زیادہ طاقتور، وسعت پذیر اور دائرہ کار کے اعتبار سے محفوظ ہے جتنی کہ آج سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ کوانٹم فزکس کی بدولت ایٹم کو اس کی بے شمار تفصیلات کے ساتھ اتنی اچھی طرح سمجھا جاتا ہے کہ اب اس کی صداقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اب تو ایسی مشینیں بنائی گئی ہیں جو ایٹم کے لاکھوں گنا چھوٹے ذروں کو دیکھ سکتی ہیں۔ دوسری طرف ہماری یہ معلومات بھی اب کافی غیر مشتبہ ہیں کہ کائنات کی ابتدا پندرہ ارب سال پہلے کس طرح ہوئی اور اس کے چند ثانئے بعد ہی کیا کلیدی واقعات رونما ہوئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کائناتی ارتقا کے تمام پہلوؤں کی تفہیم کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جوں جوں بصری، ریڈیائی، ایکس شعائی، کائناتی شعائی مشاہدات کئے جا رہے ہیں، توں توں معلوم شدہ طبیعیاتی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اصولوں کی صحت پر اعتبار بڑھتا جا رہا ہے۔

تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کوانٹم میکانیات نے کچھ ایسے پریشان کن جدید تصورات کو جنم دیا ہے جن میں سے بعض عقل سلیم کی بظاہر نفی معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ سوال پوچھنا چاہیے کہ سائنسی علمیات کے سامنے اس نے جو چیلنج پیش کیا ہے' ان کی فطرت کیا ہے؟ اور کیا اس کا یہ تقاضا ہے کہ سائنسی تحقیق کے وہ طریقے' جو اب تک سائنس کی بنیاد رہے ہیں' فرسودہ ہو گئے ہیں اور ہمیں ان کو ترک کر دینا چاہیے؟

کوانٹم نظریے نے جو فلسفیانہ مسائل چھیڑے ہیں' وہ بہت اہم ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی بہت تیکنیکی اور مشکل بھی ہیں۔ یہاں انھیں بیان کرنے کی انتہائی مختصر کوشش' چاہے یہ غیر اطمینان بخش ہی کیوں نہ ہو' پیش خدمت ہے۔

کوانٹم فزکس نے بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں جنم لیا۔ موجودہ دور میں اس طبیعیات کا جدید مادی سائنس پر غلبہ ہے۔ اس کا آغاز ایٹم اور تابکاری سے متعلق کئی ایسے حقائق کو واضح کرنے کی کوشش سے ہوا' جو تجربات کے دوران مشاہدے میں آئے۔ یہ ایسے حقائق تھے جن کی نیوٹن کی طبیعیات کے ذریعہ تشریح کرنا غیر ممکن تھا۔ ان حقائق کی تشریح میں کامیابی کا لازمی نتیجہ مادی دنیا کے متعلق ہمارے تصور میں انقلابی تبدیلی کی شکل میں رونما ہوا۔ مثال کے طور پر کوانٹم فزکس کے مطابق ایٹمی جسامت ذروں یا لہروں کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ ان صورتوں میں سے کون سی صورت نظر آتی ہے' اس کا انحصار مشاہدے کے طریقے پر ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہائزنبرگ (Heisenberg) کے مشہور ''اصول غیر یقینی'' کے مطابق کسی بھی ایسی چیز کی ٹھیک ٹھیک حالت اور رفتار کا تعین بیک وقت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات کافی پریشان کن ہے۔ کوانٹم فزکس سے پہلے دنیا کو بالکل پیش گوئی سمجھا جاتا تھا۔ ماضی کے واقعات حال کا تعین کرتے تھے اور مستقبل کا تعین حال کرتا تھا۔ اس تیقن کی نفی اتنی پریشان کن تھی کہ آئن سٹائن کو کہنا پڑا: ''خدا کائنات کے ساتھ پانسے کا کھیل نہیں کھیلتا''۔ اور اس نے کوانٹم میکانیات کی مخالفت کی۔ لیکن گو آئن سٹائن اپنے دور کا صف اول کا عالم طبیعیات تھا' اس مسئلہ پر اس کے معاصرین نے (بجا طور پر) اس کے اختلاف کی چنداں پرواہ نہیں کی۔ اس نے جبریت کے تیقن کو بحال کرنے کے لئے ''مخفی متغیرہ'' کا جو نظریہ متبادل کے طور پر پیش کیا' اس کے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

خلاف اتنی شہادتیں تھیں کہ اسے تسلیم کرنا محال تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کوانٹم طبیعیات نے ہمیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ حقیقت کے بارے میں ہمارا موجودہ تصور نہایت ہی سادہ ہے۔ مثال کے طور پر کوانٹم میکانیت کے اس بنیادی اصول کی معنویت پر غور کیجئے کہ کسی ذرے کا مشاہدہ کرنے کے عمل سے ہی اس کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے۔ اگر محولہ نظام برقیہ (الیکٹران) یا ایٹم ہو تو یہ حقیقت بلا چون و چرا تسلیم کر لی جاتی ہے۔ مشاہدے کے اختتام پذیر ہونے تک برقیہ ممکن حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ہو سکتا ہے۔ پیمائش کے بعد ہی حتمی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ درحقیقت وہ کس حالت میں تھا۔ لیکن برقیہ کا مشاہدہ کرنے کی کوشش میں ہم برقیہ کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ مختلف متبادل حالتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے اور اس طرح ہماری کوشش مشاہدہ اس کی حالت کو تبدیل کر دیتی ہے۔

اب ''برقیہ'' کی جگہ ''مادی کائنات'' کو رکھ کر دیکھئے' یہاں ہمیں ایک مخمصہ درپیش ہوتا ہے۔ آفرینش کے بعد کائنات کوانٹم حالتوں کا آمیزہ تھی۔ بے شمار امکانات میں سے صرف ایک شمہ ہی حقیقت پذیر ہو سکا۔ کیا یہ اس وجہ سے ہوا کہ مشاہدے کے عمل نے بعض امکانات کو حقیقت بننے پر مجبور کر دیا اور دیگر امکانات کو حقیقت کے زمرے سے خارج کر دیا؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشاہدہ کس کے ذریعہ یا کس کا؟ نوبیل انعام یافتہ عالم طبیعیات یوجین۔ پی۔ وگنر کے مطابق یہ سوال ناگزیر طور پر انسانی شعور کو کائنات کی موجودہ حالت کا تعین کرنے والے عامل کی حیثیت سے سامنے لاتا ہے۔ گو طبیعیات کی یہ تفسیر متنازعہ ہے' تاہم اس سے وجود اور حقیقت کے مسائل پر موجودہ سوچ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس موضوع میں دلچسپی رکھنے والے قاری

"Is the moon there when nobody looks-reality and Quantum Theory"

کے عنوان سے شائع شدہ مختلف مضامین پڑھ سکتا ہے۔

انوکھی' پرکشش' عجیب و غریب۔ یقیناً کوانٹم طبیعیات کائنات کے اس رخ کی طرف کھڑکی کھولتی ہے جو ہماری عام قوت مشاہدہ کی پہنچ سے باہر ہے۔ ان لوگوں کے لئے یہ پریشان کن اور ناقابل فہم ہے جو اس کی ریاضیات سے نامانوس ہیں اور اس کی صحیح تفسیر کے متعلق تنازعات

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ان لوگوں کے کانوں کے لئے اچھی موسیقی ہیں جو سائنس سے ہی چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن ایسے تنازعات کے باوجود ہمیں سائنس کی رسی تھامے رکھنی چاہیے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے قدم مشترک تجربات کی زمین پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔ آج طبعیات دانوں کی بڑی اکثریت کوانٹم میکانیات کو روزمرہ کے طور پر اور کامل اعتماد کے ساتھ استعمال کر رہی ہے۔ لاکھوں تجربات و مشاہدات کئے گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس نے اس طبعیات کو غلط ثابت کیا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تنازعات کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ کوئی نظریہ یا سائنس ختم ہونے والی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اختلافات سائنس کے عام اور صحت مند عمل کا حصہ ہوتے ہیں۔ اگر کبھی کوانٹم میکانیات کی جگہ کوئی اور ایسی سائنس لے لے جو زیادہ صحیح ہو جس کی تشریح زیادہ ٹھیک ہو سکے اور جو کم اختلافات کی حامل ہو تو بھی مادی دنیا کے متعلق ہمارے موجودہ علم کی نفی نہیں ہوگی۔ ہمارے پاس اس کی تاریخی نظیریں موجود ہیں۔ آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت نے نیوٹن کی میکانیات کی نفی نہیں کی بلکہ اس کو وسعت دی اور اسے نفاست بخشی۔

سچ تو یہ ہے کہ تشریح کا مسئلہ حل شدہ مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ مسائل کی تفہیم غلط ہوتی ہے اور ان کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً گو کہ کوانٹم میکانیات کو جبریت کی نفی قرار دیا جاتا ہے، تاہم یہ ایٹم سے متعلق صرف چھوٹے پیمانے کے طریقہ ہائے کار کے لئے تو اہم ہے ورنہ بالکل غیر متعلق یا بے محل ہے۔ پھر یہ مسئلہ بھی کہ آیا زیر مطالعہ چیز مشاہدے کے عمل سے اثر پذیر ہوتی ہے کہ نہیں، محدود پیمانے پر جائز ہے۔ یہاں بھی کوانٹم طبعیات کی ''کوپن ہاگن'' تشریح کام آ سکتی ہے۔ اس تشریح کا بنیادی دعویٰ یہ ہے کہ کوانٹم میکانیات ان تمام صورتوں سے نپٹ سکتی ہے جو چند حقیقی یا فرضی تجربات کے تصورات سے متعلق ہوں۔ اس لئے ایسے سوالات نہیں کرنے چاہئیں کہ ''حقیقت کیا ہے؟'' یا ''فلاں فلاں نظام کی حالت کیا ہے؟'' ایسے سوالات کے بجائے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ ''اگر میں فلاں فلاں تجربہ فلاں فلاں حالات میں کروں، تو میں کیا دیکھوں گا؟''

جب حقیقت کے متعلق دلائل بہت زیادہ گہرے ہو جائیں تو بہتر یہ ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

جگہ روک کر محسوس کیا جائے کہ کیا یہ ''حقیقی'' ہے؟ مابعد الطبیعیات کی فضاؤں میں تصور کی اڑان اپنی جگہ درست، لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ''کوانٹم طبیعیات'' لاکھوں تجربات کی ٹھوس زمین پر قدم جمائے ہوئے ہے۔ سائنسی طریقہ اپنی قوت اور کلیت کے لحاظ سے اب بھی اتنا ہی معتبر ہے جتنا کہ پہلے تھا اور کوانٹم طبیعیات بھی اسی طریقے کی پیداوار ہے۔ اگر کبھی کوانٹم طبیعیات کی جگہ کوئی بہتر چیز لیتی ہے تو کونین (Kuhnian) قسم کی انقلابی تبدیلی کے ذریعہ ہی ایسا ہوگا۔ سائنس وقتاً فوقتاً اپنی اصلاح اور صفائی کرتی رہتی ہے اور کوئی متبادل نظریہ اس کی جگہ نہیں لے سکا۔ یہ متبادلات یا تو اعتقادات کے محدود نظام میں بند ہوتے ہیں یا اتنے زیادہ مبہم ہوتے ہیں کہ ان کے بانیوں اور حامیوں کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ انہیں کس طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

سائنس صرف ایک ہے۔ لیکن کیا یہ مغرب کی ایجاد اور ملکیت ہے؟

کیا جدید سائنس مغربی سائنس ہے؟

حال ہی میں شائع شدہ ایک کتاب میں دو نامور مغربی سائنس دانوں مائیکل مور او چک اور جان زائمن نے تیسری دنیا کے ملکوں میں سائنس کے پھیلاؤ پر بحث کرتے ہوئے یہ کہا ہے:

''یورپی صنعتی تہذیب کے ساتھ ہی یورپی سائنس نے جنم لیا ہے۔ یہ سوال خالص کتابی ہو گیا ہے کہ آیا اس طرح ثقافت کی اپنی کوئی سائنس تھی یا نہیں؟ اقتصادی اور معاشی ترقی کا انحصار مکمل طور پر اس سائنسی سوچ پر ہے جس نے نشاۃ ثانیہ کے دوران یورپ میں جنم لیا۔ لہٰذا ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کریں گے کہ یورپی سائنس کو ایک عالمگیر قوت بنایا جائے''۔

کتاب کی مندرجہ بالا عبارت پڑھ کر دوسرے لوگوں نے کیا محسوس کیا؟ خصوصاً ایسے لوگوں نے جن کے ملکوں نے نوآبادیاتی غلامی کا دور دیکھا ہے، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اسے پڑھ کر مجھے یقیناً برا محسوس ہوا۔ میری طبعیت مکدر ہوئی اور عزت نفس مجروح ہوئی۔ صاف الفاظ میں دو مغربی سائنس دانوں نے اپنی برتری کا اظہار کیا ہے۔ وہ اپنی ثقافتی اقدار کو اتنا اچھا سمجھتے ہیں کہ انہیں دوسروں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سائنس دان ایک لحاظ سے پرانے زمانے کے عیسائی مبلغوں کی طرح ہیں جو عیسائی مذہب کو مغفرت کا واحد ذریعہ سمجھتے تھے۔ جدید دور کے ان مغربی مبلغوں کا نصب العین یہ ہے کہ ''تمام دنیا میں یورپی سائنس غالب ثقافتی قوت ہو

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

جائے''۔ چنانچہ' اس نصب العین کی روشنی میں مغلوب تہذیبوں کی ثقافتی اور سائنسی تاریخ کچرے کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہے۔

کئی لوگ جدید سائنس کے فلسفے اور تکنیک سے وفاداری کا اظہار کرتے ہیں اور شکر ادا کرتے ہیں کہ یورپ میں سائنس کو زرخیز زمین میسر آئی۔ میں بھی ایسے لوگوں میں شامل ہوں۔ لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں کہ چینی' اسلامی اور ہندو تہذیبوں نے جو سائنسی ورثہ چھوڑا ہے' کیا اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ اگر ان عظیم تہذیبوں نے بنیاد نہ رکھی ہوتی تو کیا سائنسی ترقی ممکن تھی؟ اور جہاں تک مغرب کی نام نہاد اخلاقی برتری کا تعلق ہے' تو اس سوال کا کیا جواب ہے کہ کیا ہٹلر کا دور اور ہیروشیما یورپ کے اس کلچر کا نتیجہ نہیں تھے' جس کو عقلی اور سائنسی قرار دیا جاتا ہے؟ ہم اس تہذیب کو کیا کہیں جس نے دنیا کو ایٹمی تباہی کے دہانے تک پہنچا دیا ہے۔

اس حقیقت پر کوئی اعتراض نہیں کہ جدید سائنس کا آغاز یورپ میں تمدنی ہلچل' نشاۃ ثانیہ اور سائنسی انقلاب سے ہوا۔ یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ وسعت اور فطرت کے اعتبار سے زمانہ ماضی میں ان تبدیلیوں کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ سچ ہے کہ اس سے قبل سائنسی ترقی مختلف علاقوں میں ہوئی لیکن صنعتی انقلاب کے بعد ہی سائنس تہذیب وتمدن کا اہم جزو بن سکی۔ تاہم' یہ بات واضح ہے کہ ایشیا یا افریقہ کے بجائے یورپ میں جدید سائنس کا آغاز محض ایک اتفاقی امر ہے۔

اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے میں عہد حاضر کے اہم ترین سوال کا حوالہ دوں گا جو برٹرینڈ رسل نے اٹھایا۔ یہ سوال ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ''یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان' جس کا دنیا سے واسطہ مختصراً ذاتی اور محدود ہوتا ہے' اتنا کچھ جاننے کی اہلیت رکھتا ہے جتنا کہ وہ جانتا ہے؟'' رسل کا مطلب یہ تھا کہ اس حقیقت کے باوجود کہ انسان کی زندگی اوسطاً ساٹھ یا ستر سال سے زیادہ نہیں ہوتی' ہر شخص بہت زیادہ معلومات کا حامل ہوتا ہے۔ رسل کے اس سوال کی پوری معنویت صرف ایسے شخص کی سمجھ میں آ سکتی ہے جس نے کمپیوٹر میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہو۔

جدید ماہرین لسانیات رسل کے سوال کا جواب دے سکتے ہیں۔ مشہور ماہر لسانیات اور فلسفی' نوم چومسکی کے بقول' ''ہم جتنا کچھ جانتے ہیں' وہ اس لئے جانتے ہیں کہ ہم جاننے کے لئے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہی پیدا ہوئے ہیں''۔ وہ کافی ثبوت کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ انسان قوت ناطقہ کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ حیاتیاتی ارتقاء کے نتیجے میں ناطق یا عاقل انسان وجود میں آیا ہے۔ اس مخلوق کے دماغ کی ساخت ایسی ہے کہ وہ غور وفکر کرسکتا ہے۔ گویا وہ ایک پیچیدہ بغیر تار کا کمپیوٹر ہے۔ جسے شناختی اور تخلیقی عمل کے لئے صرف خارجی محرکات کی ضرورت ہوتی ہے۔قوت ناطقہ انسان کے دماغ کی صلاحیت اور ادراک کا آئینہ ہے۔ چومسکی نے جو آفاقی انسانی گرامر دریافت کی ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی فکر اور اسالیب آفاقی ہیں۔ اس طرح ترقی کے جغرافیائی اور نسلی نظریات باطل ثابت ہو گئے ہیں اور نوع انسانی کی وحدت ثابت کی گئی ہے۔ انسانی دماغ کی استدلال اور تجزیاتی صلاحیتوں کا مطلب ہی یہ تھا کہ جلد یا بدیر سائنس وجود میں آئے گی۔

ان گنت ایسے دور گزرے ہیں جبکہ علم نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں بھی ایسے ہی کئی زمانے گزرنے والے ہوں۔ اگر کائناتی پیمانے سے ناپا جائے تو علم اور سائنس صرف چند ہی روز پرانے ہیں۔ یہ محض ایک اتفاق ہے کہ سائنس کی ابتدا گزشتہ چند ہزار سال پہلے ہوئی تھی اور یہ یورپ کے خطے میں جدید سائنس نے چار سو سال پہلے جنم لیا۔ لہٰذا کسی ایک ثقافت کو سائنس کا مسکن اور منبع کہنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سائنس تمام بنی نوع انسان کی ذہنی ملکیت ہے اور یہ عالمی ثقافت کا ایک حصہ ہے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

باب تین

کلیسا اور سائنس کا ٹکراؤ

نشاۃ ثانیہ سے ایک ہزار سال پہلے تک عیسائی کلیسا کی یورپ پر مطلق حکمرانی تھی۔ عدم رواداری' تعصب اور توہم پرستی نے حصول علم اور سائنسی مطالعے کو ناممکن بنا دیا تھا۔ آزاد سوچ کی ہر کوشش سے بدگمان کلیسا نے ایسی ہر تعلیم کو ناجائز قرار دے دیا تھا جو براہ راست عیسائی تعلیمات کے مطابق نہیں تھی۔ مذہبی عدالتوں نے ہزاروں لاکھوں افراد کو جادو یا کفر کے الزام میں اذیتیں دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ سزا یافتہ مجرموں کی ٹانگیں دو گھوڑوں سے باندھ کر زندہ چیر دیا جاتا تھا' ان کی آنتیں باہر نکال دی جاتی تھیں' ستون پر لٹکا کر پھانسی دی جاتی تھی یا زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ مرے ہوؤں کو بھی معاف نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک اعلیٰ درجہ کا پادری (آرچ بشپ) اشر' انجیل مقدس کا مطالعہ کر کے اس نتیجے پر پہنچا کہ دنیا نے اتوار 23 اکتوبر 4004 قبل مسیح کو صبح 9 بجے جنم لیا تھا' لیکن مدتوں پہلے مرے ہوئے سائنس دان وائی کلف نے فوسل اور ارضیات کا مطالعہ کر کے یہ کہا تھا کہ زمین چند کروڑ سال پرانی ہے۔ کلیسا نے مردہ وائی کلف کی یہ گستاخی معاف نہ کی۔ اس کی ہڈیاں قبر سے نکال کر ریزہ ریزہ کی گئیں اور سمندر میں پھینک دی گئیں تاکہ اختلاف اور شک کے جراثیم زمین کو آلودہ نہ کر سکیں۔

آخر کلیسا بیکن' وائی کلف' برونو' گلیلیو اور دیگر ہزارہا کمتر جدید خیالات کے حامل مفکروں کے اتنا خلاف کیوں تھا؟ میرے خیال میں اس سخت مخالفت کے مندرجہ ذیل اسباب تھے:

1- معاشرے کا سارا نظام کلیسا کے نافذ کردہ قواعد و احکام کی من و عن پابندی پر مبنی تھا۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

عبادت کے طریقے، کھانے پینے، شادی اور جنسی مباشرت، غرضیکہ ہر چیز کے لئے ایک قاعدہ یا ایک قانون تھا۔ ازمنہ وسطیٰ کا عیسائی مذہب ایک مکمل ضابطہ حیات تھا۔

2- یہ قاعدے اور انہیں نافذ کرنے کے کلیسائی اختیارات کا انحصار کلیسا کے احکامات کی مکمل قبولیت اور بے چون و چراں تابعداری پر تھا۔

3- ان عقائد اور احکام میں سے کسی ایک کا بھی انکار یا خلاف ورزی، خواہ اس کا کرنے والا کوئی سائنس دان ہو یا عام آدمی کو درگزر کرنا ناممکن تھا، کیونکہ یہ رعایت تمام معاشرتی عمارت کی تباہی پر منتج ہو سکتی تھی۔

4- اس لئے سائنس اور ہر قسم کی آزاد خیالی ایک خطرہ تھی۔ جسے ممنوع قرار دینا ضروری تھا۔

گلیلیو پر نازل کئے جانے والے عتاب کو مندرجہ ذیل سیاق وسباق میں دیکھا جانا چاہیے۔ کلیسا نے گلیلیو کو جو سزا دی، گو وہ بہت سخت تھی، تاہم خصوصی معنویت کی حامل تھی، اس ضمن میں برنارڈ شا کا تجزیہ ملاحظہ ہو

''گلیلیو ہمارے سائنس دانوں کا مقبول موضوع ہے، لیکن اصل نکتہ خطا ہو جاتا ہے جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ''متنازعہ معاملہ یہ تھا کہ آیا زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے یا یہ ایک ساکن مرکز ہے جس کے گرد سورج گھومتا ہے۔ دراصل معاملہ یہ نہیں تھا۔ بجائے خود یہ اخلاقی معنویت سے عاری محض ایک مادی حقیقت تھی۔ اس لئے کلیسا کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ تھی لیکن کلیسائی ارباب اختیار کو جو فکر لاحق ہوئی، وہ یہ تھی کہ آیا عیسائی مذہب اس دریافت کے صدمے کی تاب لا سکے گا۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ نہ صرف عیسائی تہذیب بلکہ ساری دنیا کی تہذیب کا انحصار عیسائی مذہب پر ہے اور دوسری طرف وہ ان قصوں کو سچ سمجھتے تھے، جن میں جنگ گیان میں جوشوا کی جنگی حکمت عملی سے لے کر حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا تذکرہ تھا۔ چنانچہ انہیں ڈر تھا کہ کہیں یہ پتہ نہ چل جائے کہ ان صحیفوں اور قصوں کا خالق ایک ایسی ہستی ہے جسے مادی کائنات کی حقیقت کا علم نہیں''۔

ازمنہ وسطیٰ کے کلیسا نے چونکہ سائنسی سوچ کو دبایا تھا، اس لئے یہ عہد تاریخ کا تاریک ترین دور سمجھا جاتا ہے۔ کئی عالموں اور تاریخی تحقیق کرنے والوں نے اس عہد کا مطالعہ نہایت احتیاط اور باریک بینی سے کیا ہے۔ اس ضمن میں اینڈریوڈکسن وائٹ کی 1896ء میں طبع شدہ دو

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

جلدی کتاب:

"A History of the Warfare of Science with Theology"

قابل ذکر ہے۔ وائٹ بعد میں کورنیل یونیورسٹی کا صدر مقرر ہوا۔ اس کی جامع کتاب میں کئی دلچسپ واقعات درج ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں

☆ عیسائی علماء نے زمین کی گولائی اور نقاط متقابل کے نظریات پر سخت اعتراضات کئے۔ انہوں نے پوچھا: ''کیا کوئی اتنا بھی بے عقل ہوسکتا ہے جو اس بات پر یقین لے آئے کہ درخت اور فصلوں کے پودے نیچے کی طرف بڑھتے ہیں؟۔۔۔۔۔۔ یا بارش اور برف اوپر کی طرف گرتی ہیں؟'' سینٹ آگسٹائن جیسے مذہبی رہنما نے کلیسا کو کرہ زمین کے دونوں طرف متقابل نقاط کے نظریے کا سخت مخالف بنا دیا تھا اور ایک ہزار سال تک اس بات کو عقیدے کی حیثیت حاصل رہی کہ اگر زمین کی متقابل طرفین ہوں تو پھر بھی اس کی دوسری طرف انسان کا وجود نہیں ہوسکتا۔ چھٹی صدی عیسوی میں غزہ کے پروکوپیس نے اس مسئلہ پر مذہب کا تمام زور صرف کر کے یہ اعلان کیا کہ زمین کی متقابل طرف ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عیسیٰ مسیح دوسری طرف بھی جاتے اور دوبارہ انسانیت کے لئے مصائب برداشت کرتے۔ اس کے علاوہ بہشت، آدم، سانپ اور طوفان نوح دو دو ہوتے، لیکن چونکہ یہ صریحا" غلط ہے اس لئے زمین کی متقابل طرفین نہیں ہوسکتی ہیں۔

☆ سینٹ پال نے کہا کہ بیماریاں شیطان کے قبیح اعمال ہیں۔ کلیسا کے با اختیار فرد اوریگن نے کہا: ''یہ عفریت ہیں جو قحط، بنجر پن، ہوا کی کثافت، وبائی بیماریاں پیدا کرتے ہیں۔ وہ نچلی فضا کے بادلوں میں چھپے رہتے ہیں اور کفار جب ان کو دیوتا جان کر خون اور خوشبو پیش کرتے ہیں تو وہ کشش محسوس کرتے ہیں''۔ اور کلیسا کے ابتدائی ارباب اختیار میں سب سے زیادہ با اثر سینٹ آگسٹائن نے لکھا کہ ''عیسائیوں کی تمام بیماریوں کا ذمہ دار ان عفریتوں کو قرار دینا چاہیئے، وہ خصوصاً نئے بننے والے عیسائیوں کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ ہاں، معصوم نوزائیدہ بچوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ پوپ پائیس پنجم کے احکام کے مطابق تمام اطبا پر لازم تھا کہ وہ ''روح کے طبیب کو بھی بلائیں''۔ کیونکہ ''جسمانی بیماری اکثر گناہ کا نتیجہ ہوتی ہے''۔ چونکہ شیاطین اور بدروحیں بیماری کا سبب ہوتی ہیں اس لئے علاج مقدس تبرکات کے ذریعہ آسیب اتار کر کرنا

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

چاہیے۔ ایسے گرجاؤں اور خانقاہوں کو علاج سے بہت آمدنی ہوتی تھی، جو مقدس تبرکات کے لئے مشہور تھے۔ کلیسا نہ صرف روح کا محافظ بلکہ جسمانی صحت کا بھی امین تھا کیونکہ کلیسا کے نزدیک بیماریاں، مثلاً چیچک، ہیضہ وغیرہ، خدا کی طرف سے نازل ہونے والے قہر تھے۔ اس لئے کٹر مذہبی عیسائی ان بیماریوں سے محفوظ کرنے کے ٹیکوں وغیرہ کے شدید مخالف تھے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ چیچک ''لوگوں کے گناہوں کے پاداش میں خدا کا فیصلہ ہے''۔ اس لئے اس کا علاج ''خدا کو مزید ناراض کرنے کے مترادف ہے''۔ اس شخص کے گھر میں ایک جلتا ہوا گولہ پھینکا گیا جس نے چیچک کے ٹیکے کے موجد ڈاکٹر بوائلسٹن کو پناہ دی تھی۔ گرجاؤں سے چیچک کے ٹیکے کے حامیوں کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ لیکن حقائق (باطل کے حملہ آوروں سے زیادہ) مضبوط تھے۔ ٹیکہ لگوا کر لوگ زندہ رہتے تھے اور ٹیکہ لگوائے بغیر مر جاتے تھے۔ اس طرح آخرکار کلیسا نے مجبوراً ٹیکے کو قبول کر لیا، گو اس کی مخالفت کبھی کلی طور پر ختم نہیں ہوئی۔

☆ سائنسی طب کی ترقی میں ایک بڑی رکاوٹ چیڑ پھاڑ کر کے مردہ جسموں کے معائنے کی مخالفت تھی۔ سینٹ آگسٹائن جسم کے تشریح کاروں کو قصائی کہتا تھا اور اس کام کی شدید مذمت کرتا تھا۔ عام طور پر دلوں میں یہ خوف جاگزیں تھا کہ مردہ جسم کی چیر پھاڑ کے نتیجہ میں قیامت کے روز (جبکہ مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے) کوئی ناقابل تصور عذاب نازل ہوگا۔ اس دلیل پر کلیسا نے یہ اضافہ کیا کہ ''کلیسا خون بہانے سے نفرت کرتا ہے''۔ یہ واقعی بہت عجیب دلیل تھی۔ جب مقدس مفاد میں ہزاروں مشتبہ کافروں، منافقوں اور جادوگرنیوں کو زندہ نذر آتش کیا تو اس وقت کلیسا کو خون بہانے سے کوئی نفرت محسوس نہیں ہوئی۔

☆ **1770**ء کے لگ بھگ مختلف حصوں میں ایک عجیب بات دیکھنے میں آئی۔ سائنس کی شاہی اکیڈمی کو تفصیلی بیانات ارسال کئے گئے۔ جس میں یہ کہا گیا کہ پانی تبدیل ہو کر خون بن گیا۔ اس کو مذہبی علماء اور پادریوں نے فوراً خدائی قہر کی علامت قرار دیا۔ جب اس قسم کے معجزہ کو سویڈن میں دیکھا گیا، تو ایک نامور نیچری لنائیس نے اس مظہر کا سائنسی مطالعہ کر کے یہ دریافت کیا کہ پانی چھوٹے چھوٹے سرخ جراثیم کی وجہ سے سرخ دکھائی دیتا ہے۔ جب اس دریافت کی خبر بشپ کو پہنچی تو اس نے اسے سخت الفاظ میں ''شیطانی غار'' کہہ کر مذمت کی اور اعلان کیا کہ ''پانی کا سرخ ہونا قدرتی نہیں ہے''۔ بے چارہ لنائیس بہادر آدمی نہیں تھا، اسے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

گلیلیو کا حشر اچھی طرح معلوم تھا۔ اس لئے اس نے پسپائی اختیار کی اور یہ اعلان کیا کہ اس معاملے کی حقیقت اس کی فہم سے بالا ہے۔

☆ ازمنہ وسطیٰ کے کلیسا سے تعلق رکھنے والے مذہبی علماء اور پادریوں نے شدت کے ساتھ اس نظریے کا پرچار کیا تھا کہ شہاب ثاقب آگ کے گولے ہوتے ہیں جو ناراض خدا بدکردار دنیا کی طرف پھینکتا ہے۔ اہل کلیسا شہاب ثاقب کی اخلاقی نوعیت اس طرح بیان کرتے تھے: یہ شہاب ثاقب خدا کی طرف سے اس تلوار کی طرح ہے جو منصف عدالت میں اپنے اور ملزم کے درمیان رکھتا ہے۔ ان لوگوں کی بھی مذمت کی جاتی تھی جو ایسی خدائی تنبیہ کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو ان بچھڑوں سے تشبیہ دی جاتی تھی جو اناج بھرے کوٹھے کے دروازے کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ سترھویں صدی کے اختتام تک بھی حلف لینے کی وجہ سے فلکیات کے پروفیسر صاحبان یہ نہیں پڑھا سکتے تھے کہ شہاب ثاقب طبعی قوانین کے تابع اجرام فلکی ہوتے ہیں۔ لیکن سائنسی معلومات کو زیادہ عرصے تک دبائے رکھنا ناممکن تھا۔ ھیلی نے نیوٹن اور کیپلر کے قوانین کی بنیاد پر ایک خاص ''خطرناک'' دم دار ستارے کا مدار دریافت کیا اور یہ پیش گوئی کی کہ یہ ٹھیک 76 سال میں گردش پوری کرے گا اور اس مقام پر دوبارہ نظر آئے گا جہاں ہم نے اسے دیکھا ہے۔ اس نے منٹ تک کا حساب لگا کر یہ بتایا کہ وہ دوبارہ کب آسمان کے ایک خاص نقطہ پر نظر آئے گا۔ یہ پیش گوئی ناقابل یقین تھی لیکن 76 سال بعد جبکہ ھیلی اور نیوٹن دونوں بہت عرصہ پہلے مر چکے تھے، ھیلی کا دم دار ستارا ٹھیک اس وقت اور اس مقام پر دیکھا گیا جس کی پیش گوئی کی گئی تھی۔

☆ کٹر مذہبی عیسائیوں کے نزدیک علم ارضیات ایک شیطانی علم تھا۔ ارضیات کے شواہد نہ صرف زمین کی عمر کے بارے میں بشپ اشر کے دعوے کو جھٹلاتے تھے بلکہ یہ بھی بتاتے تھے کہ چھ دن میں اس کی تخلیق ناممکن تھی۔ کٹر مذہب پرستوں نے ارضیات کے متعلق اعلان کیا کہ یہ ''قانون کی رو سے جائز تحقیق نہیں ہے''۔ اس کو ''تاریک فن'' اور ''جہنمی توپ خانے'' کے نام دیئے اور اس شعبہ علم کے محققوں کو ''کافر'' اور ''مقدس تاریخ کو جھٹلانے والے'' قرار دیا۔ پوپ پارسانہم بلاشبہ اس مکتب خیال کا حمایتی تھا۔ ورنہ وہ 1850ء میں اٹلی کے شہر بولونیا میں منعقد ہونے والی سائنسی کانگریس کو ممنوع قرار نہ دیتا۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ازمنہ وسطیٰ میں یہ عقیدہ عام تھا کہ طوفان شیطان لاتا ہے۔ اس عقیدے کو سینٹ آگسٹائن جیسے مقدس شخص کی حمایت حاصل تھی۔ یہ نظریہ تسلیم کر لیا گیا کہ طوفان لانا عفریتوں کا کام ہے۔ ہوا کی اس مافوق الفطرت طاقت کے خلاف جھاڑ پھونک کے مختلف طریقے استعمال کئے جاتے تھے۔ ان طریقوں میں سب سے زیادہ عام تیرہویں پوپ گریگوری کا طریقہ تھا۔ پندرہویں صدی عیسوی میں یہ الم انگیز عقیدہ عام ہوگیا کہ بعض عورتیں بگولوں' آندھیوں' طوفانوں' سیلابوں وغیرہ کے ذریعہ جہنمی طاقتوں کی مدد حاصل کرتی ہیں جبکہ اس سے پہلے مختلف دعائیں' منتر وغیرہ پڑھ کر اور گرجا کی گھنٹیاں بجا کر طوفان کو ٹالا جاتا رہا تھا۔ سات دسمبر 1784 کو آٹھویں پوپ انوسینٹ نے انجیل کے حکم ''تم جادوگرنیوں کو زندہ نہیں چھوڑو گے'' سے متاثر ہو کر ایک فرمان جاری کیا جس میں جرمنی کے پادریوں کو تاکید کی گئی کہ وہ ایسے جادوگروں اور جادوگرنیوں کا سراغ لگائیں جو موسم کو خراب کر کے انگور کے کھیتوں' باغوں' چراگاہوں اور فصلوں کو تباہ کرتے ہیں۔ اس فرمان کے نتیجے میں ہزاروں عورتیں قید کی گئیں' انہیں اذیت پہنچائی گئی' ان کے قریبی عزیز بھی ان سے خوف کھانے لگے یا یہ چاہنے لگے کہ موت کے ذریعہ ان کو اذیت سے نجات مل جائے۔

☆ کلیسائی عقیدے کے مطابق مندرجہ ذیل پانچ گناہوں کی پاداش میں بجلی گرتی ہے۔ گناہوں سے توبہ نہ کرنا' مذہب پر یقین نہ کرنا' گرجاؤں کی مرمت میں لاپرواہی برتنا' پادری کو عشر دینے میں فریب دہی' ماتحتوں پر ظلم۔ ایک کے بعد دوسرے پوپ نے عقوبت کے اس مقدس فرمان پر زور دیا اور اسے ''مشیت ایزدی'' قرار دیا۔ پھر یہ ہوا کہ 1752 عیسوی میں بینجمن فرینکلن نے طوفان برق و باراں کے دوران اپنی مشہور پتنگ اڑائی اور اس خطرناک تجربے کے ذریعہ یہ دریافت کیا کہ بجلی کا گرنا دراصل برقی طاقت ہے۔ اس کے فوراً بعد برقی چھڑی ایجاد ہوئی جو خوفناک ترین برقی طوفان سے محفوظ رکھ سکتی تھی۔ پہلے تو کلیسا نے اس کا وجود تسلیم نہیں کیا' لیکن جب اس کی کامیابی کو وسیع پیمانے پر مان لیا گیا اور برق سے حفاظت کی چھڑیاں زیادہ نصب کی جانے لگیں' تو کٹر مذہبی پادریوں نے اس کی مخالفت شروع کر دی۔ ان لوگوں نے میساچوسٹس میں 1755ء کے زلزلے کا سبب بوسٹن کی ان چھتریوں کو قرار دیا اور واعظ ان لوگوں کے خلاف انتہائی غصے میں بولنے لگے جو آسمانی یا خدائی توپ خانے کو تسخیر

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان چھتریوں کی کلیسائی مخالفت زیادہ عرصے تک جاری رہتی' اگر بجلی گرنے سے وہ گرجے منہدم نہ ہوتے جن پر یہ چھڑیاں نصب نہیں کی گئی تھیں۔ جرمنی میں1750ء سے1783ء کے درمیان بجلی گرنے سے تقریباً چار سو گرجاؤں کو نقصان پہنچا اور ایک سو بیس (گرجا کی) گھنٹی بجانے والے ہلاک ہوئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شہر کے وہ قحبہ خانے جن پر چھڑیاں نصب تھیں' محفوظ رہے اور دوسری طرف ایسے گرجا گھر جو ان محافظ چھڑیوں سے محروم تھے' برباد ہو گئے۔ اس کے برعکس ان گرجاؤں کو کوئی گزند نہیں پہنچا جن پر چھڑیاں نصب کی گئی تھیں۔ چنانچہ مجبوراً کلیسا نے اٹھارہویں صدی کے آخر میں ایک مقدس فرمان کے ذریعہ برقی تحفظ کی چھڑیوں کو قبول کر لیا۔

☆ جب امینوئل کانٹ نے یہ نظریہ پیش کیا کہ خلاء میں صرف ستارے ہی نہیں بلکہ گیسوں کے بادل ہوتے ہیں تو ساری مذہبی دنیا نے اس ''کفر'' کے خلاف شور مچا دیا۔ عیسائیوں نے کہا کہ یہ نظریہ مذہبی صحیفوں میں نہیں پایا جاتا' اس لئے ایسے بادلوں کا وجود نہیں ہونا چاہیے۔ اس نظریے کے مخالفین اس وقت بہت خوش ہوئے جب نئی دوربینوں کی ایجاد سے یہ معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض بادل دراصل ستاروں کے جمگھٹے ہیں لیکن یہ خوشی صرف چند روزہ تھی کیونکہ بادل سے نکلنے والی روشنی سے سائنس دانوں کو یقین ہو گیا کہ کچھ روشنی ایسے ایٹموں سے بھی خارج ہوتی ہے جو ستاروں میں نہیں بلکہ گیس کی حالت میں موجود ہوتے ہیں۔

ازمنہ وسطیٰ کی عیسائیت نے انسان کی روح اور سائنسی تحقیق کو کچلنے کے لئے جو ذرائع اختیار کئے' ان کی فہرست بہت طویل ہے' جس میں سے کچھ نمونے نقل کئے گئے ہیں۔

1859ء میں ڈارون کی ''Origin of Species'' چھپنے کے بعد سائنس اور کٹر مذہب پرستوں کے درمیان جو عظیم جنگ ہوئی۔ میں نے اس پر بحث کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے۔ یہ معرکہ اس سے پہلے کے تمام معرکوں پر چھا گیا۔ یہ گلیلیو کے معرکے سے بھی زیادہ ہنگامہ خیز تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نوع انسان کے لئے گرتی ہوئی چٹانوں یا فلکی اجرام کے متعلق سائنسی ہونا اتنا مشکل نہ تھا جتنا کہ خود اپنی زندگی کے بارے میں سائنسی رویہ اختیار کرنا مشکل ثابت ہوا۔

قوت نمو اور جان داروں کی بے ساختہ حرکات گہرے اوہام کا شکار رہی ہیں اور آج بھی ہیں۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس مخصوص مسئلہ پر سائنس اور کٹر عیسائیت کے درمیان تنازعہ آج بھی امریکہ میں ''آفرینش'' کی تحریک سے عیاں ہے جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں1980ء کی دہائی میں رونالڈ ریگن کے دور صدارت میں شروع ہوئی اور کئی امریکی ریاستوں میں خاصی طاقت کی حامل ہے۔ اس کا کلیدی اعتقاد یہ ہے کہ چھ ہزار سال پہلے ٹھیک سات دن کے اندر کائنات میں زندگی عدم سے وجود میں آئی اور بالکل اس طرح وجود میں آئی جس طرح کہ ''کتاب آفرینش'' کے ابتدائی ابواب میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر عظیم طوفان نوح کو ایک تاریخی حقیقت تسلیم کیا جاتا ہے' اسے محض' تمثیل نہیں سمجھا جاتا۔ تحریک آفرینش' فلکیات اور ارضیات پر اس بنا پر نکتہ چیں ہے کہ یہ علوم زمین کی عمر کی حد دس ہزار سال متعین نہیں کرتے۔ تعین کے ریڈیائی طریقے کو یہ تحریک مسترد کرتی ہے۔ ڈارون کے نظریہ ارتقا پر تحریک آفرینش کو سب سے زیادہ اعتراض ہے۔ حال ہی میں ریاست جارجیا کے جج براسیول ڈین نے لکھا ہے کہ ڈارون کی بندر کہانی اباحت' آزاد جنسی تعلقات' ضبط تولید کی گولیوں' حفظ ماتقدم کی تدابیر' غیر فطری افعال' حمل' اسقاط حمل' فحاشی' آلودگی اور توسیع جرائم کو جنم دیتی ہے۔

عقل دشمنی کے اس احیا کے باوجود خردمندی کے لئے جدوجہد کرنے والے ہارے نہیں ہیں۔ یہ دیکھ کر حوصلہ بڑھتا ہے کہ عیسائی بنیاد پرستوں کو کئی شکستیں ہوئی ہیں اور وہ مغرب میں سائنس کے نظام کو نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ وہ تعلیمی اداروں سے اپنا یہ مطالبہ نہیں تسلیم کرا سکے کہ آفرینش کے متعلق سائنس کے نظریہ اور انجیل کے نظریہ کو مساوی وقت دیا جائے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ریگن کے کرسی صدارت چھوڑنے کے بعد تحریک آفرینش کے حامیوں کے بھی برے دن آ گئے ہیں۔

اس کے علاوہ جدید دنیا نے رومن کیتھولک کلیسا کے وہ مظالم نہیں بھلائے ہیں جو اس نے سائنس دانوں پر کئے تھے۔ خصوصاً گلیلیو پر کیا گیا ظلم ایک علامت بن گیا ہے کیونکہ اسے اپنے سائنسی نظریات کی مذمت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ 9 مئی 1983ء کو ویٹی کن کی ایک خصوصی تقریب میں پوپ پال دوم نے ایک بیان جاری کیا جسے گویا گلیلیو کے واقعہ کا سرکاری معافی نامہ سمجھنا چاہیے۔

''گلیلیو کے واقعے کے دوران اور اس کے بعد کلیسا کے تجربہ نے زیادہ پختہ رویے کی طرف

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

رہنمائی کی ہے۔۔۔۔۔۔ عاجزی اور استقلال کے ساتھ کئے گئے مطالعے کے ذریعہ ہی کلیسا نے ایمان کے ضروری اجزاء کو ایک مخصوص عہد کے سائنسی نظریات سے علیحدہ کرنا سیکھا ہے''۔

اس معافی یا پشیمانی کا اظہار تین سو ستر سال بعد کیا گیا۔

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

اور اس میں بھی اعتراف کم اور اخفا زیادہ ہے۔ تاہم مقدس پوپ کے اس اعلان پر ہم احساس تشکر کے ساتھ ''آمین'' ہی کہہ سکتے ہیں۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

باب چار

اسلامی ملکوں میں سائنس کی موجودہ حالت

''اس میں کوئی شک نہیں کہ کرہ ارض پر تمام ممالک میں سے اسلامی ممالک سائنس کے میدان میں سب سے زیادہ پسماندہ ہیں۔ اس کمزوری کے خطرات کو واضح کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ آج کل کے زمانے میں کسی معاشرے کی بقاء کا انحصار اس میں موجود سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی و ترویج پر ہے''۔

(عبدالسلام)

ہوائی جہاز سے سفر کرنے والے کے لئے کراچی سے تہران اور دبئ سے ریاض تک شہروں کے نظارے میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔ یہ مماثلت اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان شہروں کے باشندوں کا مذہب ایک ہے۔ اصل وجہ مغربی ٹیکنالوجی ہے۔ جس نے ان شہروں کو فولاد اور شیشے کی کئی منزلہ عمارتیں' جدید ہوائی اڈے اور ان پر کھڑے چمکنے اور چمکدار ہوائی جہاز' کاروں سے بھری شاہراہیں اور ہر مکان پر نصب ٹیلی ویژن انٹینا دیئے ہیں۔ وہ ٹیکنالوجی بھی جو ان معاشروں کو بنیادی معاش فراہم کرتی ہے' باہر سے درآمد کی گئی ہے۔ تیل کی تلاش' کنوئیں کھودنا' تیل نکالنا' صاف کرنا اور پھر اس کی ترسیل خصوصاً اہم مثالیں ہیں۔ ان کی وجہ سے سعودی عرب اور ایران جیسے ملک اپنی قدرتی دولت کے بدلے جدید جنگی طیارے سے لے کر رائفل کی گولیاں اور تیل صاف کرنے کے کارخانے سے لے کر ڈبہ کھولنے کے اوزار تک حاصل کرتے ہیں۔ آئندہ چند دہائیوں تک زمین کی تہہ سے حاصل ہونے والا تیل ان ملکوں کا

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

بنیادی ذریعہ معاش رہے گا' ان کی جنگوں کے اخراجات کا کفیل ہوگا' نئے معاشرتی ڈھانچوں کی تشکیل کے تجربوں کی اجازت دے گا اور عارضی طور پر۔۔۔۔۔۔صرف تاریخ کے اس بے رحم قانون کی زد سے مستثنیٰ رکھے گا جو غیر پیداواری معاشروں کو تباہی کے غار میں دھکیل دیتا ہے یا انہیں بربادی کے کنارے پر رکھتا ہے۔

اب یہ معمول ہو چکا ہے کہ تیل اور مغربی ٹیکنالوجی پر انحصار کا ماتم کیا جائے اور ترقی یافتہ ملکوں سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ ترقی پذیر ملکوں کو ٹیکنالوجی منتقل کریں۔ مسلمانوں کے خلاف شیطانی سازشوں کے نظریات ان کی سائنسی پستی کی وضاحت کرنے کے لئے پیش کئے جاتے ہیں لیکن اس قسم کے دلائل سے کسی کو قائل نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی دلیلیں اجتماعی عزت نفس کے زخموں پر مرہم کا کام نہیں کر سکتیں۔ مفکرین پسماندگی کے صحیح اسباب معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ بہرحال ترقی تو ہوئی ہے۔ مسلم ملکوں کے تعلیمی اداروں میں سائنس کے مضامین پڑھائے جا رہے ہیں۔ زیادہ تر یونیورسٹیوں میں سائنس کے شعبے ہیں' ہر ملک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی وزارتیں ہیں اور سرکاری حکام وعمال اپنی تقریروں میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ بیشتر مسلمان ملکوں میں سائنس اور سائنسی طریق کار کو شک وشبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

یہ بات کویت میں منعقدہ 1983ء کی اعلیٰ سطحی کانفرنس میں سعودی وفد کے نمائندوں کی تقریروں سے واضح ہوتی ہے۔ سترہ عرب یونیورسٹیوں کے سربراہوں کی کانفرنس کا مقصد یہ تھا کہ دنیائے عرب میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی میں حائل رکاوٹوں کی نشاندہی کی جائے۔ لیکن کانفرنس کی کارروائی پر صرف ایک سوال چھایا رہا اور وہ یہ تھا کہ کیا سائنس اسلامی ہے؟ سعودی مندوبین کا موقف یہ تھا کہ ''خالص سائنس معتزلہ رجحانات پیدا کرتی ہے''۔ اس لئے ایمان و ایقان کے لئے نقصان دہ ہے۔ سائنس ناپاک ہے کیونکہ یہ دنیاوی ہے' اس لئے یہ اسلامی عقائد کے خلاف ہے۔ چنانچہ سعودیوں نے یہ سفارش کی کہ ٹیکنالوجی کو ترقی دے کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے لیکن خالص سائنس کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مسلم ممالک کہاں کھڑے ہیں؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ہمیں کوئی معیار متعین کرنا ہوگا۔ جس کے تحت سائنس کی پیمائش کی جا سکے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سائنس کی پیمائش

سائنس کی پیمائش کیسے کی جائے؟ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ طے کیا جائے کہ ''سائنس'' کا مطلب کیا ہے۔ دراصل سائنس کی تعریف اتنی آسان نہیں ہے جتنی کہ سمجھی جاتی ہے کیونکہ سائنس کئی مختلف طریقوں سے ہماری روزمرہ کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس نے ہماری زندگی کی ہئیت میں بڑی تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ تاہم' قاری کی تفہیم کے لئے یہ بات مفید ہوگی اگر مندرجہ ذیل پانچ کلیدی صورتوں کی نشاندہی کی جائے' جو واضح کرتی ہیں کہ سائنس عصری دنیا اور دور حاضر میں کہاں اور کیسے پائی جاتی ہے۔

1- صنعتی پیداواری عمل کی بنیاد کے طور پر۔

2- ایسے سائنس دانوں کی اجتماعی اور منظّم حیثیت کی صورت میں' جو سائنس کو کل وقتی پیشے کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں۔

3- بطور ایک فکری نظام کے۔ جو کائنات کے متعلق انسان کے روایتی عقیدوں اور رویوں میں تبدیلی پیدا کر دے یا اسے دنیا کے متعلق سائنسی نظریے کا قائل کر دے۔

4- ایک باقاعدہ طریق کار کی صورت میں۔ وہ طریق کار جو مشاہدہ' تجربہ' درجہ بندی اور پیمائش و میزان کو مختلف کلیوں' مفروضوں اور نظریات کی پرکھ یا جانچ کے لئے استعمال کرتا ہے۔

5- ہر لحہ بڑھتے ہوئے علم اور معلومات کی صورت میں' کیونکہ علم کی تعمیر میں اضافہ گزشتہ سائنس دانوں' عالموں اور کارکنوں کے تجربات اور دریافتوں کی بنیادوں پر ہوتا ہے۔

سائنس کی یہ تشریح وہ نظریاتی فریم ورک یا ڈھانچہ ہے جس کے اندر رہ کر ہم مسلم ممالک میں سائنس کی صورت حال کو زیر بحث لائیں گے۔

پیداواری عمل میں سائنس کا استعمال

ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ جدید دنیا میں سائنس کو اس لئے اہمیت حاصل ہوئی کہ یہ معیشت کی ضرورت بن چکی ہے۔ خصوصاً مارکسی نظریے کے حامل اس بات پر زور دیتے ہیں کہ سائنس معاشی محرکات کے نتیجے میں پیدا ہوئی نہ کہ بعض ایسے داخلی ذہنی دباؤ کی وجہ سے جو فرد کو اپنے ماحول کی تحقیق کے لئے مجبور کرتا ہے۔1894ء میں فریڈرک اینگلز نے اسٹارکن برگ کو اپنے خط میں اس بات کو مندرجہ ذیل سطور میں واضح کیا:

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اگر معاشرے کو کوئی تکنیکی ضرورت درپیش ہو تو وہ سائنس کی ترقی میں دس یونیورسٹیوں سے زیادہ مددگار ثابت ہوتی ہے۔ سولہویں اور سترہویں صدیوں میں اٹلی کی پہاری ندیوں کو قابو میں لانے کی ضرورت سے مائع کے بہاؤ کے علم (جوٹوری چیلی نے دریافت کیا) کو بروئے کار لایا گیا۔۔۔۔۔لیکن بدقسمتی سے جرمنی میں سائنسی علوم کی تاریخ اس عقیدے کے تحت لکھنے کا رواج ہو گیا ہے کہ گویا وہ آسمان سے نازل ہوتے ہیں''۔

اس نظریے سے کلی اتفاق چنداں ضروری نہیں۔ مثال کے طور پر یہ نظریہ اطمینان بخش طریقے سے اس بات کی تشریح نہیں کرتا کہ وہ کیا چیز تھی جس نے نیوٹن کو حرکت کے قانون یا آئن سٹائن کو نظریہ اضافیت کی دریافت پر مائل کیا۔ ہم ابھی تک اس سلسلہ میں کافی معلومات نہیں رکھتے کہ وہ کیا چیز تھی جس نے غیر معمولی ذہانت کے افراد کو ایسی بنیادی دریافتیں کرنے پر اکسایا جو اس وقت انسانی معاشرے کے لئے اہم معلوم نہیں ہوتی تھیں۔ تاہم یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ سائنس کی نشوونما اس وقت زیادہ ہوتی ہے جب معاشرے کو پیداواری قوتوں کو ترقی دینے کی ضرورت ہوتی ہے اور سائنسی دریافتوں یا ایجادات سے معاشی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ IBM اور Bell Labs جیسے ادارے اور تجربہ گاہیں کارخیر کے لئے نہیں چلائی جاتی ہیں' اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج مسلم ممالک میں سائنس کی تکنیکی ضرورت کس حد تک ہے؟ اس سوال کا جواب مندرجہ ذیل حقائق کی روشنی میں تلاش کرنا چاہیے۔

کسی ملک کی سائنسی اور تکنیکی ترقی کا ایک اہم نشان یہ حقیقت ہوتا ہے کہ صنعت اور مصنوعات کا حصہ اس ملک کی معیشت میں کیا ہے۔ اس کا اندازہ ''صناعی کی اضافی قدر'' سے کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک ملک کچے لوہے اور کوئلے کو درآمد کر کے ان سے فولاد بنا کر کچے مال سے زیادہ اضافی قدر پیدا کر سکتا ہے۔ علم الاقتصاد میں صنعت میں مشین' وسائل نقل و حمل' کیمیاوی اجزاء' کپڑے' زراعت وغیرہ شامل ہیں۔ ورلڈ بنک کے شائع شدہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ آبادی والے مسلم ممالک صنعتی میدان میں ترقی یافتہ صنعتی ملکوں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

1992ء میں مشین سازی میں اضافی قدر کا موازنہ

ملک	آبادی (ملین میں)	فی کس اضافی قدر (امریکی ڈالر میں)
بنگلہ دیش	115.2	18.78
الجیریا	26.7	150.18
پاکستان	122.8	61.38
انڈونیشیا	187.2	148.79
مصر	56.4	101.89
ترکی	59.6	460.82
بھارت	898.2	46.26
جاپان	124.5	8217.25
برطانیہ	57.9	3486.3

(ماخوذ ورلڈ بینک رپورٹ)

تجارتی سامان کی برآمد کا نظام کسی ملک کے صنعتی ہونے کی ایک اور علامت ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل فہرست میں چند منتخب ممالک کی صنعتی پیداوار اور سامان نقل وحمل کی برآمدات کی شرح فیصد بمقابلہ کل برآمدات پیش کی جاتی ہے۔(3)

مشین اور سامان نقل وحمل کا کل برآمدات سے تناسب

ملک	فیصد
بنگلہ دیش	صفر
پاکستان	3
مصر	17

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ترکی	7
ملائیشیا	27
بھارت	32
امریکہ	47
جاپان	65

(ماخوذ ورلڈ بینک رپورٹ)

چھیالیس مسلم ممالک میں سے صرف 24 سیمنٹ' 11 شکر' 5 وزنی انجینئری مصنوعات' 6 کپڑا اور 5 ہلکا اسلحہ پیدا کرتے ہیں۔

زیادہ تر مسلم ممالک کچا مال پیدا کرتے ہیں' جس میں تیل سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہ ملک دنیا کے تیل کا 56 فیصد' قدرتی گیس کا 37 فیصد' جیوٹ کا 80 فیصد' ربڑ کا 70 فیصد' پام آئل کا 75 فیصد' اناج کا 25 فیصد' روئی کا 13 فیصد اور گنے کا 10 فیصد پیدا کرتے ہیں۔

مجموعی غیر ملکی تجارت کی 94 فیصد تجارت غیر مسلم ملکوں سے ہوتی ہے۔ مسلم ممالک کے درمیان باہمی تجارت صرف 6 فیصد ہوتی ہے۔

مندرجہ ذیل فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم ممالک تیسری دنیا کے غیر مسلم ممالک کی بہ نسبت زیادہ متمول ہیں۔ متمول ترین مسلم ملک متحدہ عرب امارات ہے' جس میں فی کس قومی آمدنی 15,830 ڈالر ہے جو جاپان کی 15,760 ڈالر فی کس آمدنی سے زیادہ ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ تیسری دنیا کے دیگر ملکوں کی بہ نسبت مسلم ممالک میں زیادہ لوگ شہری علاقوں میں رہتے ہیں' 1986ء میں مسلم ممالک کی آبادی میں شرح ولادت مقابلتاً زیادہ تھی

	تیسری دنیا	مسلم دنیا
فی کس جی۔این۔پی	300 ڈالر	856 ڈالر
شہری آبادی	34 فیصد	40 فیصد
شرح ولادت	3.1 فیصد	4.1 فیصد

ان اعداد و شمار کا مطلب واضح ہے۔ اہم مسلم ممالک' خصوصاً تیل پیدا کرنے والے ملکوں میں'

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

معیشت کی نیچر ''کھودنے اور نکالنے کے عمل'' کی ہے۔ نسبتاً ترقی یافتہ ملک' جو تیل برآمد نہیں کرتے مثلاً مصر اور پاکستان کی معیشت بھی یہ ظاہر کرتی ہے کہ ان میں صنعتی اضافی قدر کا حصہ بہت کم ہے۔ اس لئے پیداوار میں سائنس کی اہمیت برائے نام ہے اور اس کی ترقی کے لئے ترغیبات بہت کم ہیں۔

سائنس اور سائنس دان

''سائنس دان'' کی اصطلاح ویویل نے 1840ء میں ایجاد کی۔ اس سے پہلے یہ لفظ لغت میں نہیں تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سائنس کا مطالعہ کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی کہ ان سے منسوب انگریزی زبان میں ایک نئے لفظ کا اضافہ کیا جاتا۔ لیکن بیسویں صدی میں سائنس ایک ایسی تحریک بن گئی ہے' جس میں لاکھوں افراد حصہ لے رہے ہیں اور روزگار کماتے ہیں۔ تمام دنیا' بشمول ترقی پذیر ممالک کے سائنس دانوں کی ایک نئی آفاقی برادری تیزی سے وجود میں آ رہی ہے۔ لیکن اس ترقی کی رفتار مسلم ملکوں میں نسبتاً سست ہے۔ ان ملکوں میں سائنس دانوں کی برادری بقیہ دنیا کے ملکوں کے مقابلے میں نہ صرف چھوٹی ہے بلکہ ان کی سائنسی پیداوار بھی کم ہے۔ اس میدان میں مسلم ممالک تیسری دنیا کے دیگر ملکوں سے بھی پچھڑے ہوئے ہیں۔ کچھ اعداد و شمار مندرجہ ذیل ہیں۔

1976ء میں سائنسی تصنیفات کی تعداد

تمام دنیا میں	352,000
تیسری دنیا میں	19,000
مسلم ممالک میں	3,300
اسرائیل میں	6,100 (تقریباً)

مسلم ممالک میں سب سے زیادہ سائنسی مقالاجات لکھنے والوں کی تعداد مصر' ایران' پاکستان' نائجیریا' ترکی' ملائشیا اور لبنان میں ہے۔ ایک اور گوشوارہ' جس میں سائنسی ادب میں چند ممالک کا حصہ بتایا گیا ہے' مندرجہ ذیل ہے:

مصر	0.21 فیصد
ایران	0.043 فیصد

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

عراق	0.022فیصد
لیبیا	0.002فیصد
پاکستان	0.055فیصد
سعودی عرب	0.008فیصد
شام	0.001فیصد
بھارت	2.260فیصد

1976(ء میں سائنسی تصنیف کی شرح فیصد بمقابلہ کل دنیا)

اگر ہم ہر اس مصنف کو مسلمان سمجھ لیں، جس کا نام مسلمانوں جیسا ہو تو دور حاضر میں مختلف سائنسی شعبوں میں کام کرنے والے مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ راقم نے 1989ء میں شائع ہونے والے سائنسی ادب کا چھوٹے پیمانے پر جائزہ لیا جس کے نتائج مندرجہ ذیل ہیں:

شعبہ	جائزے میں شامل کل مصنفین	مسلمان مصنفین
طبیعیات	4188	46
ریاضی	5050	53
کیمیا	5375	128

اگر اس بات کی گنجائش رکھی جائے کہ کچھ مسلمان مصنفین کے نام عربی، فارسی، ترکی نہیں ہوں گے تو مسلم مصنفوں کی تعداد میں بیس سے تیس فیصد تک کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود یہ نتیجہ اخذ کرنا جائز ہوگا کہ مسلمان مصنفوں کی تعداد مایوس کن حد تک کم ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ تقریباً نصف مسلمان مصنفوں کے پتے مغربی ممالک میں اداروں کی معرفت دیئے گئے ہیں۔

ہر سال سائنسی حوالہ جات کی ایک عالمی فہرست شائع کی جاتی ہے جس کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کسی سائنسی کام کی کتنی وقعت ہے اس سے حاصل کردہ کچھ اعداد و شمار جو

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

1988ء سے متعلق ہیں درج ذیل ہیں:

ملک	آبادی (کروڑوں میں)	تصانیف کی تعداد
ارجنٹائن	3.1	25
بنگلہ دیش	10.4	1.8
برازیل	14.1	33
مصر	4.9	17
بھارت	70.0	90
انڈونیشیا	15.0	2.5
ایران	5.0	2
عراق	1.7	4
اسرائیل	0.45	72
ملائیشیا	1.65	4
پاکستان	10.2	4
ترکی	5.1	10.5

مندرجہ بالا نتائج دیگر اندازوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ عربوں اور اسرائیلیوں کی فی کس سائنسی پیداوار کا تقابل کرنے کے بعد اے۔ پی۔ ڈھلان اس نتیجہ پر پہنچا کہ عرب ممالک کی پیداوار اسرائیل کا صرف ایک فیصد ہے۔ یہ تو واضح ہے کہ عربوں کے لئے مادی وسائل کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ گو عرب ملکوں کی کل قومی پیداوار 1967ء کے 25 بلین ڈالر سے بڑھ کر 1976ء میں140 بلین ڈالر ہوگئی' لیکن سائنسی تحصیل میں برائے نام ہی اضافہ ہوا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ 1967ء کی جنگ میں عربوں کی شکست کا خاص سبب سائنس اور ٹیکنالوجی میں ان کی پسماندگی کو قرار دیا گیا تھا' اس لئے خیال یہ تھا کہ عربوں میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے حصول کی شدید خواہش پیدا ہوگی۔ لیکن اعداد وشمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خیال غلط تھا۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب میں پاکستان کے تعلق سے سائنس کے تنظیمی پہلو سے مختصر بحث کروں گا۔ پاکستان میں کاغذ پر سائنس اور ٹیکنالوجی کے 133 ادارے ہیں۔ ان میں تحقیق و ترقی سے متعلق بڑے بڑے اداروں PAEC (جوہری توانائی) PCSIR (صنعتی تحقیق) اور SUPARCO (خلائی تحقیق) سے لے کر چھوٹے چھوٹے ادارے (جن کے دفاتر چند کمروں پر مشتمل ہیں) شامل ہیں۔ ساز و سامان کافی ہے۔ بھارت کی بہ نسبت تنخواہیں 30 سے 50 فیصد تک زیادہ ہیں اور غیر ضروری نمود و نمائش مثلاً بیرونی سفر وغیرہ عام ہیں۔ یہ ادارے تعلقات عامہ کے شعبے رکھتے ہیں۔ انہیں حکومت کے وسائل ابلاغ کی سہولت حاصل ہے' اپنے ملازمین کو تعلیم و تربیت کے لئے بیرون ملک بھیج سکتے ہیں اور کانفرنسیں منعقد کرتے رہتے ہیں۔ اسلام آباد کی شاہراہ آئین پر سائنس کے نام پر تعمیر کی گئی بلند و بالا عمارات نظر آتی ہیں جن پر اربوں روپے خرچ ہوئے ہیں۔ بظاہر تو یہ سب کچھ مصروف' پیداواری اور موثر عمل کی علامت ہے لیکن کراچی میں ایک بہت کامیاب تحقیقی ادارہ کیمیا کے سوا' دیگر سائنسی اداروں کی کارکردگی معقول معیار کے مطابق مایوس کن ہے اور ٹیکنالوجی کی ترقی نیز قومی معیشت پر اس کا اثر دکھائی نہیں دیتا۔ پاکستان کے نیوکلیائی پروگرام کو (جو دیگر مسلم ممالک کے مقابلے میں بہت زیادہ ترقی یافتہ ہے) قوم کی تکنیکی طاقت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اب تک اس کی واحد کامیابی جس کا اعلان کیا گیا ہے' یہ ہے کہ اس کے تحت کینیڈا کے بنائے ہوئے کراچی کے ری ایکٹر KANUPP کو چلایا جاتا ہے اور اس کے لئے ایندھن بنایا جاتا ہے۔ بھارت کے برعکس پاکستان اپنے طور پر پاور ری ایکٹر ڈیزائن کر کے بنانے کی توقع مستقبل قریب میں نہیں کر سکتا۔

پاکستان میں تحقیق و ترقی کی تنظیموں کے غیر موثر ہونے کے کئی اسباب بتائے جاتے ہیں۔ ان میں سے خاص سبب یہ ہے کہ امداد دینے والے بیرونی ادارے کھلی درآمدی پالیسی اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں دیسی ٹیکنالوجی ترقی نہیں کر سکتی۔ اس کے علاوہ تنظیمی نا اہلیت اور اعلیٰ مہارت رکھنے والے سائنس دانوں اور انجینئروں کی کمی ایک بڑا سبب ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سائنس اور انجینئرنگ کے مضامین میں Ph-D ڈگری یافتہ اشخاص کی کل تعداد کل پاکستان میں ایک ہزار کے لگ بھگ ہے جبکہ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھارت میں ان کی تعداد ستر سے اسی ہزار تک ہے۔

اس صورت کے پیش نظر کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان فی کس آمدنی میں چنداں فرق نہیں ہے۔ سائنس کے شعبے میں کارکردگی کے اعتبار سے اتنے زیادہ فرق کیوں ہے؟ اس کا جواب تعلیمی نظام میں مضمر ہے۔

تعلیمی نظام میں سائنس کا مقام

سائنس کے شعبہ میں تحقیق و ترقی یا تنزلی کا تعلق لازمی طور پر تعلیمی نظام سے ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی معاشرے کے فلسفہ حیات کا اظہار اس طریقے سے ہوتا ہے جو وہ اپنے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے اختیار کرتا ہے۔ نظام تعلیم وضع کرتے وقت اس سوال کا دوٹوک جواب دینا ہوتا ہے کہ آیا ہم تعلیم کو معاشرے کے بدلنے اور جدید بنانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں یا اسے پرانی روایات اور طور طریقے برقرار رکھنے کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ تعلیم کے مقاصد، نوعیت، طریقوں وغیرہ پر ہم بعد میں بحث کریں گے، اس وقت ہم مسلم ممالک میں تعلیم کی موجودہ وسعت کا سرسری جائزہ لیں گے۔ کچھ متعلقہ اعداد و شمار درج ذیل ہیں:

	ابتدائی		ثانوی		اعلیٰ
	مرد	عورت	مرد	عورت	کل
بنگلہ دیش	69%	50%	24%	11%	5%
سوڈان	59%	41%	21%	17%	2%
پاکستان	55%	32%	25%	10%	5%
انڈونیشیا	121%	116%	45%	34%	7%
مصر	96%	77%	77%	54%	21%
مراکش	96%	62%	39%	27%	9%
ترکی	121%	113%	56%	33%	10%
تیسری دنیا	113%	92%	42%	27%	3%

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ امیر ممالک میں شرح تعلیم زیادہ ہوگی لیکن ایسا ضروری

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ شرح تعلیم سے تعلیم کے مقاصد' نوعیت اور معیار کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

تمام مسلمان ملکوں کی تعلیمی صورت حال کے بارے میں ہمارے پاس تفصیلی معلومات نہیں ہیں' اس لئے میں اپنی بات کو پاکستان تک ہی محدود رکھوں گا۔

ورلڈ بینک کی ایک حالیہ رپورٹ میں پاکستان کی تعلیمی حالت کا ایک صحیح مگر افسوس ناک نقشہ پیش کیا گیا ہے:

''پاکستان کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی خصوصاً عورتوں کی آبادی کی حصول تعلیم میں غیر معمولی پستی' ملک کی دوررس ترقی میں سنگین رکاوٹ ثابت ہوگی۔۔۔۔۔۔انسانی وسائل کی وہ کمزور بنیاد' جس پر ترقی کی عمارت تعمیر کی جا رہی ہے' اس کی نشوونما کے مستقبل کو آخرکار خطرے میں ڈال دے گی اور اس ترقی کے فوائد کی تقسیم پر منفی اثرات مرتب کرے گی''۔

ساڑھے سات کروڑ پاکستانی نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ لکھ سکتے ہیں۔ پاکستان کی حکومت اوسط خواندگی کی شرح 34 فیصد بتاتی ہے' جبکہ خواتین کی شرح خواندگی صرف 18 فیصد بتائی جاتی ہے۔ یہ شرح خواندگی تیسری دنیا کے معیار سے بھی پست ہے' حقیقی صورت حال اس سے بھی بدتر ہے۔ آزاد ذرائع کا اندازہ ہے کہ صحیح شرح سرکاری شرح کا ساٹھ یا ستر فیصد ہے۔ پاکستان کے ایشیائی ہمسایہ ملکوں میں تعلیمی اداروں میں داخلوں کا اوسط ستر سے نوے فیصد تک ہے۔ لیکن پاکستان میں ابتدائی درجوں میں شرکت کا درجہ صرف 55 فیصد ہے' جس میں سے پانچویں جماعت تک صرف 50 فیصد پہنچ پاتے ہیں۔ ثانوی جماعت تک یہ گھٹ کر 15 فیصد رہ جاتا ہے۔ پاکستان اپنے GNP (مجموعی قومی پیداوار) کا 1.9 فیصد (ایک اعشاریہ نو فیصد) تعلیم پر خرچ کرتا ہے جبکہ نیپال 2.4 فیصد' بھارت 2.6 فیصد اور انڈونیشیا 6.7 فیصد خرچ کرتے ہیں۔

بجٹ کا 6 فیصد پاکستان' 9 فیصد نیپال' 11.2 فیصد بھارت اور 26 فیصد ملائیشیا تعلیم پر خرچ کرتے ہیں۔ پاکستان کی حکومت نے کتابوں کے پڑھنے کی عادت اور کتابوں کی اشاعت کے متعلق ایک سروے کرایا تھا۔ اس مطالعہ کے نتیجے میں یہ معلوم ہوا کہ دونوں لحاظ سے پاکستان جنوبی ایشیا میں سب سے پیچھے ہے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاکستان کی کسی بھی حکومت نے خواہ وہ فوجی ہو یا جمہوری، تعلیم کو کبھی بھی بہتر ترجیح نہیں دی۔ اس معاملہ میں جنرل ضیاء کی حکومت کا ریکارڈ سب سے خراب ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ایک تحقیقی ادارے نے، جس کو 1986ء میں حکومت نے تعلیمی حالت کے تجزیہ کا کام سپرد کیا تھا، جنرل ضیاء کی حکومت کے خلاف یہ فیصلہ صادر کیا ہے:

''سب سے زیادہ ڈرامائی فرق، پانچویں پنج سالہ پلان کے منصوبوں اور حقیقی کارکردگی کے درمیان تھا۔ اس عرصہ (83-1978) میں کارکردگی منصوبے میں دیئے گئے ہدف سے پچاس فیصد کم رہی جو اس آزاد قوم کی تاریخ میں تعلیم کے لئے قومی کوشش کے کم ترین درجہ کا مظہر تھی''۔

اس سے قبل پاکستانی تاریخ کے ادوار میں تعلیم کے حصول کی پستی کو خاموش شرمندگی کے ساتھ تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں تعلیم کے مقاصد غیر شعوری طور پر آفاقی اور جدید تھے۔ لیکن 1977ء میں جنرل ضیاء الحق نے جمہوری حکومت کا تختہ الٹ کر فوجی حکومت قائم کرنے کے بعد بنیاد پرست جماعتوں سے اتحاد کیا اور آمرانہ حکومت کے اس ارادے کا اعلان کیا کہ اب اسلامی معاشرہ کا قیام ہوگا اور صرف مذہب کی بنیاد پر پاکستان کی قومی شناخت کی جائے گی۔ اس مقصد کے حصول کا اہم ذریعہ نظام تعلیم تھا۔ چنانچہ سرکاری طور پر مندرجہ ذیل اقدامات کا حکم دیا گیا:

☆ علیمی اداروں میں خواتین کے لئے چادر کا لازمی استعمال۔
☆ تعلیمی اوقات کے دوران نماز ظہر کی ادائیگی۔
☆ چھٹی جماعت سے عربی کی ثانوی زبان کی حیثیت سے لازمی تعلیم۔
☆ میٹرک کے لئے ناظرہ قرآن کی تعلیم۔
☆ خواندگی کی تعریف میں یہ تبدیلی کہ مذہبی معلومات رکھنے والے کو خواندہ سمجھا جائے۔
☆ مکتب اور مدرسوں کو باقاعدہ سکولوں کا درجہ دیا جائے۔
☆ مکتب کی سند کو ایم۔اے کے برابر سمجھا جائے۔
☆ انجینئرنگ یونیورسٹیوں میں داخلے کے ایسے امیدواروں کو بیس مزید نمبر دیئے جائیں گے جنہوں نے قرآن حفظ کیا ہو۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆ اسلام آباد میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کا قیام۔

☆ معاشرے کو اسلامی بنانے کے مختلف پہلوؤں پر کئی بین الاقوامی اور قومی کانفرنسوں کا انعقاد۔

☆ سائنس اور دیگر مضامین کے لئے اساتذہ کا انتخاب اس معیار پر کرنا کہ وہ مذہبی معلومات رکھتے ہیں یا نہیں۔

☆ روایتی درسی مضامین کے نصاب پر اس مقصد سے نظر ثانی کہ نصابی کتب میں اسلامی اقدار پر زور دیا جائے۔

جنرل ضیاء الحق اور اس کے مقلدوں نے اسلامی تعلیم کے تصور کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ مندرجہ بالا احکام کی کچھ حد تک تعمیل کی گئی، لیکن جب طاقتور مفادات پر زد پڑنے کا سوال پیدا ہوا تو مذہبی جوش پر مصلحت کا ٹھنڈا پانی پڑنے لگا۔ مثال کے طور پر حکومت نے انگریزی ذریعہ تعلیم کے نجی اور مہنگے اسکولوں اور اداروں کو اسلامی تعلیم کے دائرے سے باہر رکھا کیونکہ ان میں فوجی افسروں، اعلیٰ نوکر شاہوں، بڑے بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں کے بچے تعلیم پاتے ہیں۔ کراچی گرامر اسکول، ایچیسن کالج، برن ہال، کیڈٹ کالج اور کئی دیگر تعلیمی ادارے اس بات پر فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان کا مغربی تعلیمی معیار مغرب کے کسی بھی تعلیمی ادارے سے کم نہیں ہے۔

یہ تعلیمی ادارے (ان مدارس کے برعکس جن میں اردو زبان ذریعہ تعلیم ہے اور جو عوام کے لئے ہیں) آبادی کے تقریباً ایک فیصد کو جدید اور سیکولر (دنیاوی) تعلیم دیتے ہیں۔ تھوڑی بہت اور غیر اہم تبدیلیوں سے قطع نظر یہ تعلیمی ادارے ضیاء کے عہد میں اپنے پرانے نظام کے تحت حسب سابق کام کرتے رہے۔

جنرل ضیاء کی اسلامی تعلیم (جس سے اعلیٰ طبقہ کے تعلیمی ادارے محفوظ رہے) کے عمومی اثرات بہت وسیع اور گہرے ہیں۔ جدید دنیاوی تعلیم کی جگہ روایتی مذہبی تعلیم کے نفاذ نے ایسی تبدیلیاں پیدا کی ہیں، جن کا اثر نسلوں تک رہے گا۔ نو آبادیاتی عہد کے آغاز سے یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ جدید تعلیم سماجی ترقی کے لئے ضروری ہے نیز یہ کہ سماجی ترقی اچھی چیز ہے۔ لیکن 1977ء میں اس کی کھل کر مذمت کی گئی اور ماضی کی اسلامی شان و شوکت کے حصول کو مقصد

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

قرار دیا گیا۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے تمام جدید عمرانی مضامین اور قدرتی سائنسوں کو اسلامی بنانے کی پالیسی اختیار کی گئی۔¶اس مسئلہ پر بعد میں بحث کی جائے گی۔

اب ہم پاکستان میں سائنس کی تعلیم کے معیار اور نوعیت پر بحث کریں گے۔ یہ تعلیم عمومی طور پر سائنس کی روح کے مطابق نہیں ہے۔ مشہور کیمیا دان جے۔بی۔ایس' ہیلڈ ین ایک واقعہ بیان کرتا ہے' جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں عام طور پر سائنس کس طریقے سے پڑھائی اور سیکھی جاتی ہے

''ایک اتوار کی سہ پہر میں اپنے مکان کے قریب چہل قدمی کر رہا تھا کہ میں نے ایک مردانہ آواز یکساں سروں میں کچھ پڑھتے ہوئے سنی۔ میں نے سوچا کہ یہ شاید منتر پڑھنے کی آواز ہے۔ میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ یہ کیا پڑھا جا رہا ہے۔لیکن میرے ساتھی نے بتایا کہ جس زبان میں پڑھا جا رہا ہے' وہ انگریزی ہے اور اس کا مضمون نامیاتی کیمیا ہے۔ ہم لوٹے' میرے ساتھی کا خیال صحیح تھا۔ پڑھنے کا مضمون مختلف احتیاطوں کے حوالہ سے Aliphatic Amines کی تیاری تھا''۔

ہاورڈ کی وائڈنر لائبریری کے دستاویز خانہ میں پی۔ایچ۔ڈی کا ایک تحقیقی مقالہ ہے جو ولی محمد ذکی نامی ایک پاکستانی طالب علم نے 1964ء میں پیش کیا تھا۔ اس مقالے کا عنوان ہے۔ ''مذہب اور سائنس کی طرف سائنس کے پاکستانی اساتذہ کے رویے''۔ گو اس اہم شعبہ میں یہ غالباً واحد سنجیدہ کام ہے' تاہم جہاں تک مجھے علم ہے' گزشتہ پچیس سال میں نہ تو اس مقالے کا حوالہ دیا گیا اور نہ ہی اس کے نتائج شائع کئے گئے۔ اپنے مقالے میں ذکی نے ایک سوالنامے کے ذریعے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ مغربی پاکستان میں ثانوی مدارس کے اساتذہ کس حد تک سائنسی کام کی نوعیت کو سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد وہ یہ طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ آیا ان کی سائنس کی تعلیم اور مذہب کی طرف ان کے رویہ کے درمیان کوئی تعلق ہے؟

ذکی کی تحقیق کے نتائج مندرجہ ذیل ہیں:

1- امریکہ میں ہائی اسکول کے طلباء و طالبات کی سائنسی سوجھ بوجھ۔مغربی پاکستان کے ہائی اسکول کے اساتذہ سے خاصی بہتر تھی۔

2- جن اساتذہ کی تعلیم و تربیت پاکستان بننے کے بعد ہوئی' ان کا جھکاؤ مذہب کی طرف زیادہ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور سائنس کی طرف کم تھا۔

3- سنی مسلمانوں کی بہ نسبت احمدیوں اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا سائنس کی طرف زیادہ مثبت رویہ تھا۔

4- سندھ کے اساتذہ کا سائنس کی طرف رویہ زیادہ مناسب تھا۔

5- طبعی سائنسوں کے اساتذہ کی بہ نسبت سائنسی کام کی نوعیت ایسے اساتذہ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، جنھوں نے حیاتیات سے متعلق سائنس کی تعلیم حاصل کی ہے۔

مندرجہ بالا مطالعے میں کئی نقائص ہیں۔ مثلاً یہ اہم اعتراضات کئے جا سکتے ہیں کہ جواب دینے والے انگریزی زبان میں اپنا مافی الضمیر اچھی طرح بیان نہیں کر سکتے تھے۔ ذکی کا تیار کردہ سوال نامہ بہتر طور پر تیار ہوسکتا تھا۔ لیکن کیا ان نقائص کی وجہ سے ہی ذکی کا مقالہ ناقابل توجہ رہا؟

1983ء میں نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سائیکالوجی (NIP) نے چھٹی جماعت کے طلباء و طالبات کے سائنس اور ریاضی میں امتحانات لئے تا کہ پاکستانی طالب علموں کی لیاقت کا مقابلہ بیرونی طالب علموں کی لیاقت سے کیا جا سکے۔ جب NIP کے کارکنوں نے اس امتحان کو مقامی حالات سے ہم آہنگ کر لیا تو انہوں نے راولپنڈی کے تقریباً 420 طالب علموں کا امتحان لیا۔ چھٹی جماعت کے نتائج کا تقابل چونکہ اطمینان بخش نہیں تھا، اس لئے ساتویں، آٹھویں، نویں، دسویں اور گیارہویں (ایف۔ایس۔سی سال اول) جماعتوں کے امتحانات لئے گئے۔ چند نتائج مندرجہ ذیل گوشواروں میں ملاحظہ فرمائیے:

خاکہ نمبر 1: ریاضی اور سائنس میں چھٹی جماعت کے پاکستانی بچوں کا سمندر پار بچوں سے تقابل:

ریاضی کا امتحان

پاکستان	15.65
ریاست ہائے متحدہ امریکہ	25.3
سویٹزرلینڈ	31.8

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

فرانس	33.2
کینیڈا	35.8
انگلینڈ	37.8
آسٹریلیا	37.9
سویڈن	37.7
جاپان	50.2

سائنس کا امتحان

پاکستان	30.0
سویٹزرلینڈ	41.3
فرانس	42.1
ریاست ہائے متحدہ امریکہ	34.7
جاپان	45.2
کینیڈا	49۔2
آسٹریلیا	49.2
انگلینڈ	54.5
سویڈن	55.5

NIP کے محققوں نے جو خاص خاص نتائج اخذ کئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1- سمندر پار ملکوں کی چھٹی کلاس کے جس طالب علم نے سب سے کم نمبر حاصل کئے وہ بھی پاکستان کی چھٹی، ساتویں، آٹھویں اورنویں کلاس کے اعلیٰ ترین نمبروں سے زیادہ تھے۔ ریاضی میں جاپان کی چھٹی کلاس کے طالب علموں کے سب سے زیادہ نمبر (50.2) پاکستان کی گیارہویں جماعت کے طالب علموں کے سب سے زیادہ نمبروں (38.80) سے زیادہ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھے۔ رپورٹ یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ ہماری گیارہویں جماعت کے طالب علم بھی سائنس اور ریاضی میں دیگر ملکوں کی چھٹی جماعت کے طالب علموں سے کمتر ہیں۔

2- ایک سے دوسری کلاس میں ترقی پانے والے طالب علموں کی استدلالی اہلیت کی شرح ارتقا بہت آہستہ ہے۔ رپورٹ کے مطابق ''نہایت معنی خیز چیز یہ ہے کہ سیکھنے (اکتساب علم) کی رفتار بہت زیادہ سست ہے۔ متوسط دور کی تدریس کے تین سالوں میں (یعنی چھٹی جماعت سے آٹھویں جماعت تک) سائنس اور ریاضی کی معلومات میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہوتا''۔

3- یہ خیال عام ہے کہ انگریزی میڈیم سکول اردو میڈیم سکول سے بہتر ہوتے ہیں۔ لیکن NIP کی رپورٹ کے مطابق سائنس اور ریاضی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں بلکہ اردو میڈیم سکولوں کے نتائج اس امتحان میں کسی حد تک بہتر تھے۔

29 جنوری 1986ء کو اسلام آباد کے Center of Basic Sciences (بنیادی سائنسوں کے مرکز) نے نوبیل انعام یافتہ عالم طبعیات سموئیل ٹنگ کا ترتیب دیا ہوا امتحان لیا۔ اس امتحان میں تمام پاکستان سے بلائے گئے تقریباً 120 امیدواروں نے شرکت کی۔ ان کی تعلیمی لیاقت ایم۔ایس۔سی' ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی تک تھی۔ انہیں اپنے ساتھ نوٹس اور کتابیں تک لانے اور امتحان کے دوران ان سے حوالے لینے کی اجازت تھی۔ امتحان کا دورانیہ پانچ گھنٹے تھا۔ پرچہ میں طبعیات کے مختلف موضوعات پر دوسو کثیر الانتخاب سوالات تھے' کیونکہ ہر سوال کے تین جوابات تھے۔ قیاس آرائی کے ذریعہ جواب دینے سے بھی 67 نمبروں کا اوسط حاصل ہوسکتا تھا۔ جو امیدوار پاس ہونے کے لئے ضروری 160 نمبر حاصل کرتے' انہیں MIT میں داخلہ مل سکتا تھا۔

لیکن ایک بھی امیدوار پاس نہیں ہوا۔ کسی نے پاس ہونے کے لئے ضروری نمبروں کے قریب تر بھی نمبر حاصل نہیں کئے۔ سب سے زیادہ نمبر 113 تھے' حاصل کئے گئے نمبروں کا اوسط 70 تھا۔ یہ صرف تین نمبر اس اوسط سے زیادہ تھا جو کوئی بھی اندازے سے نشان لگا کر حاصل کرسکتا تھا۔ ارباب اختیار نے امتحان کے نتائج کو چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن آخرکار راز افشا ہوگیا۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سائنس کی تعلیم کے معیار کا اندازہ ان سوالوں کی نوعیت اور ان کے جوابات سے لگایا جا سکتا ہے۔ گذشتہ تین سالوں میں فیڈرل بورڈ آف ایجوکیشن کے انٹر سائنس اور بی۔ایس۔سی کے امتحانی پرچوں کو دیکھ کر مندرجہ ذیل خاص خاص باتیں قابل ذکر پائی گئیں:

1- سائنس کے تمام مضامین میں سوالات بہت زیادہ دہرائے جاتے گزشتہ تین سال میں چالیس سے ستر فیصد تک ٹھیک وہی سوالات دہرائے گئے۔ ایسی مثالیں بھی ہیں کہ گزشتہ سال کا پورا کا پورا امتحانی پرچہ کسی تبدیلی کے بغیر دہرا دیا گیا۔

2- ساٹھ سے اسی فیصد تک نمبر سائنسی مضامین میں بھی اس قسم کے سوالات کے لئے مختص ہوتے ہیں۔ (مثلاً ''مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھو۔۔۔۔۔۔'' یا ''بحث کرو۔۔۔۔۔۔'') جن سے تفہیم کا نہیں بلکہ حافظہ کا امتحان ہوتا ہے۔

3- اگر کسی سوال میں حساب لگانا ضروری ہوتا ہے' تو وہ ایسا حساب ہوتا ہے جو نصاب کی کتاب میں دی گئی مثال کے مماثل یا اس سے بہت کم فرق والا ہوتا ہے۔

4- کئی امتحانات میں امیدواروں کو امتحانی پرچے میں دیئے گئے سوالوں کی صرف نصف تعداد حل کرنی ہوتی ہے۔ اس لئے طالب علم نصاب کا تقریباً نصف حصہ نظر انداز کر کے بھی امتحان میں کامیاب ہوسکتا ہے۔

طبیعیات کے اساتذہ کے ایک گروہ کو 1984ء میں قائداعظم یونیورسٹی کے تربیتی کورس میں داخلہ دیا گیا۔ یہ سارے اساتذہ ایم۔ایس۔سی تھے اور چند سالوں سے پاکستان کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھا رہے تھے۔ ایک دن ان اساتذہ کا اچانک امتحان لیا گیا۔ امتحانی پرچہ میں تمام سوالات میٹرک اور ایف۔ایس۔سی درجے کے تھے۔ گو یہ اساتذہ بی۔ایس۔سی اور ایم۔ایس۔سی درجوں کو پڑھا رہے تھے' تاہم دس فیصد سے کم ہی امتحانی پرچے کے سوالات کے جوابات دے سکے۔ ایسا ہی ایک امتحان 1988ء میں ان طلباء کا لیا گیا جو ایم۔ایس۔سی میں فرسٹ ڈویژن حاصل کر چکے تھے اور پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں تکنیکی عہدوں کے امیدوار تھے۔ تقریباً اسی وقت پاکستان کے اعلیٰ تعلیمی ادارے قائداعظم یونیورسٹی میں داخلہ لینے والے طلبا کا بھی امتحان لیا گیا۔ نتائج تھوڑے بہتر تھے' گو بنیادی طور پر بہتر نہیں تھے۔ یہ اس بات کی ناقابل تردید شہادت ہے کہ پاکستانی اساتذہ اور طلبا کی بڑی اکثریت

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہت ہی ابتدائی مواد کو بھی اپنی داخلی' ذہنی مشین کا حصہ نہیں بناتی۔1985ء سے پاکستان وزارت برائے سائنس وٹیکنالوجی پی۔ایچ۔ڈی کے لئے کئی سو طالب علموں کو امریکہ اور برطانیہ بھیجتی ہے۔ چنے جانے والے افراد کہنے کوتو اس ملک کے بہترین طلباء میں سے ہوتے ہیں اور ہر ایسے طالب علم پر تیس سے پینتیس ہزار امریکی ڈالر کا خرچہ ہوتا ہے۔لیکن اس منصوبہ سے کوئی خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ کیونکہ طالب علموں کی اکثریت پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل نہیں کرسکی۔ مثال کے طور پر 86-1985 کے دوران 187 طالب علموں کو پی۔ایچ۔ڈی کے لئے امریکہ بھیجا گیا تھا۔لیکن ان میں سے بالآخر فقط 21 افراد ڈگری مکمل کرنے میں کامیاب ہوئے۔51 کو ایم۔ایس۔سی کی ڈگریاں ملیں۔

برطانیہ سے پی۔ایچ۔ڈی حاصل کرنے والوں کی شرح بہتر ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کا معیار تعلیم امریکہ کی نسبت کم ہے۔

امتحانی پرچوں میں دیئے جانے والے سوالات کے لگے بندھے نمونوں کو باعث یہ ہوا ہے کہ بے شمار ''کوچنگ سینٹر'' کھل چکے ہیں' جو طالب علم سے ایک ٹھیکہ داری معاہدہ کرتے ہیں' جس کے تحت یہ ضمانت دی جاتی ہے کہ ایک خاص رقم کے عوض اور ایک خاص عرصہ تک مرکز میں پڑھائی کے بعد طالب علم امتحان میں مخصوص درجہ تک کے نمبر حاصل کر سکے گا۔ پاکستانی اخبارات وقتاً فوقتاً ڈگریوں' سٹیفکیٹ اور مارکس شیٹ کی فروخت نیز امتحانات میں نقل وغیرہ کے متعلق انکشافات کرتے رہتے ہیں۔اس قسم کی بے ایمانیوں اور دھاندلیوں کے اعداد وشمار دستیاب نہیں ہیں۔تاہم' چونکہ ان کے متعلق سبھی جانتے ہیں۔ نیز محنتی اور ایماندار طالب علموں کی ان باتوں سے حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور وہ بھی امتحانات میں امتیاز حاصل کرنے کے لئے بامعنی محنت نہیں کرتے۔

تعلیمی ترجیحات میں بنیادی تبدیلیوں کا ایک نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دنیاوی علوم کی اہمیت کم ہوگئی ہے اور ان کے حصول میں کارکردگی کا معیار بھی پست ہو گیا ہے۔ مذہبی اور قومی نظریہ پرستی پر زور کی وجہ سے ادب پاروں کی جگہ اخلاقی مضامین اور کلاسیکی شاعری کی بجائے مذہبی شاعری پڑھائی جانے لگی ہے۔تاریخ وجغرافیہ کی پڑھائی مسلمانوں کے تاریخی ادوار اور مسلم علاقوں تک محدود ہے۔ دنیا کی آفاقی تہذیب کے تصور سے لوگ ناآشنا ہیں۔سب سے اہم بات یہ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے کہ علم کے حصول میں عقل اور تخلیقی صلاحیت کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ تعلیم میں نظریات کی بے انتہا دخل اندازی کی پالیسی کو احتجاج یا اختلاف کے ذریعہ چیلنج نہیں کیا گیا۔ اس کے بجائے ایسے والدین، جو اضافی اخراجات برداشت کر سکتے ہیں، اپنے بچوں کو انگریزی ذریعہ تعلیم کے اسکولوں میں داخل کرا دیتے ہیں۔ ان اسکولوں میں دنیاوی علوم زیادہ پڑھائے جاتے ہیں اور یہ بیرون ممالک کی چھپی ہوئی نصابی کتب پڑھاتے ہیں۔ دانستہ یا نادانستہ طور پر تعلیم کو اسلامیانے کی پالیسی کے باعث نجی تعلیمی اداروں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ ان اداروں نے جنرل ضیاء کے پاکستان میں نظریہ پرستی سے فرار چاہنے والوں کو پناہ فراہم کی۔ جنرل ضیاء کے بعد جو حکومتیں آئی ہیں۔ وہ اتنی کمزور ثابت ہوئی ہیں کہ تعلیمی نظام میں کوئی معنی خیز تبدیلی نہیں کر سکیں۔

جنرل ضیاء کے عہد حکومت میں پاکستانی یونیورسٹیوں میں علم و دانش کی کارکردگی بہت کم ہوگئی۔ عام لیکچروں، مباحثوں، ڈراموں، موسیقی کی محفلوں اور مشاعروں تک سے دانش گاہوں کے احاطے محروم ہو گئے۔ یہ کچھ تو اس سبب سے ہوا کہ یونیورسٹی کے ارباب اختیار نے اپنے اعصاب پر بدامنی کے خوف کا ہوا سوار کر رکھا تھا اور کچھ اس وجہ سے کہ طالب علموں کے مذہبی گروہ، ڈرامے اور موسیقی کو غیر اسلامی سمجھتے تھے اور دھمکیاں دیتے رہتے تھے۔ یہ دوسرا عنصر ضیاء کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہوا۔

جنوبی ایشیا میں پاکستانی یونیورسٹیوں کا شمار گھٹیا تعلیمی اداروں میں ہوتا ہے کیونکہ ان میں بہت کم نئی تحقیق ہوتی ہے اور یہاں کوئی نئی سوچ یا فکر جنم نہیں لے پاتی ہے۔

بھارتی یونیورسٹیوں کا تقابل پاکستانی یونیورسٹیوں سے کیجئے۔ یہ تقابل اس لئے جائز ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان واضح تاریخی اور ثقافتی مماثلت ہے۔

بھارت میں طبیعیاتی سائنسوں اور انجینئرنگ کے ایک درجن سے زیادہ ادارے موجود ہیں۔ ان میں پانچ ٹیکنالوجی کے ادارے، بھابھا اٹامک انرجی سینٹر، ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف فنڈامینٹل ریسرچ، ساہا انسٹی ٹیوٹ، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے ایک کانپور کے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کا تعلیمی اور تحقیقی ماحصل ہی پاکستان کے تمام اداروں کے مجموعی ماحصل سے زیادہ ہے۔ 1982ء سے 1985ء کے دوران پی۔ ایچ۔ ڈی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی کل 7 ڈگریاں، جن میں سے زیادہ تر حیاتیات کے مضامین میں تھیں۔ پاکستان یونیورسٹیوں سے دی گئیں۔ انجینئرنگ میں ایک بھی پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری نہیں دی گئی۔ اس عرصہ میں کانپور کے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی نے سائنس اور انجینئرنگ میں 302 پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں دیں۔ 1980ء میں بھارت میں سائنس کے مضامین میں پی۔ایچ۔ڈی کی کل 2000 سے زیادہ ڈگریاں دی گئیں۔

پاکستان میں دانشوری کے فقدان کی وجہ سے ذہین و فطین نوجوان، جن کی بیرونی ملکوں میں اپنے اپنے شعبہ ہائے علم میں بڑی شہرت ہے، پاکستانی یونیورسٹیوں میں کام کرنے سے کتراتے ہیں۔ تاہم کبھی کوئی جواں دانشور قائل ہو کر پاکستانی دانش کدوں میں داخل ہونے کا خطرہ مول لے لے تو زیادہ تر امکان یہ ہے کہ یونیورسٹی کے ارباب اختیار اور سلیکشن بورڈ سے اس کا نباہ نہیں ہوگا۔

ارباب اقتدار نے ناپسندیدہ تبدیلی سے یونیورسٹی کو محفوظ رکھنے کے مقصد سے ایک خاص نظام قائم کیا ہے۔ اساتذہ کے انتخاب کا معیار یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ دانشوری اور پیشہ وارانہ اہلیت کے جراثیم سے پاک ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یونیورسٹی سلیکشن بورڈوں کو جو سب سے اہم کام تفویض کیا گیا ہے، وہ دانشوری کی ''گندگی'' سے یونیورسٹی کو محفوظ رکھنا ہے۔۔۔۔۔ اس کام کو سرانجام دینے کے لئے جو ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں، ان میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی شامل ہے کہ امیدوار سے اس کے مضمون سے باہر ایسے سوالات کئے جائیں، جن کا اس کی پیشہ وارانہ قابلیت اور اہلیت سے دور کا بھی تعلق نہ ہو۔ اس دعوے کی تصدیق اور تشریح ملک کے بہترین تعلیمی ادارے ''قائداعظم یونیورسٹی'' کے سلیکشن بورڈ کی 1987ء اور 1988ء کی رپورٹوں سے ہوتی ہے۔ جو امیدوار بورڈ کے سامنے پیش ہوئے، ان میں کچھ ایسے بھی تھے، جن کے پاس سائنس کے مضامین میں بہترین پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں تھیں اور جو ہر طرح سے اہل تھے۔ لیکن مضمون سے متعلق سوالات کے بجائے مندرجہ ذیل سوالات تمام امیدواروں سے پوچھے گئے:

☆ حضور اکرم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواج مطہرات کے نام بتائیے؟

☆ دعائے قنوت سنائیے؟

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆ قرارداد پاکستان کب پیش کی گئی؟
☆ مختلف اذانوں میں کیا فرق ہے؟
☆ آپ کے (امیدوار کے) نام کا کیا مطلب ہے؟
☆ اللہ تعالٰی کے مختلف اسماءالحسنی بتایئے؟

صدر ضیاء کے عہد میں امیدواروں سے اسلام اور پاکستان کے متعلق سوالات کرنا سرکاری پالیسی کا حصہ تھا۔ ایسے سوالات کے جواب دینے سے انکار کرنے والے امیدواروں کو عموماً مسترد کر دیا جاتا تھا۔ چاہے وہ اپنے مضمون میں کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو۔

یہ مسئلہ کہ یونیورسٹی کے اساتذہ سے کیا توقع کرنی چاہیئے' دراصل معاشرے میں یونیورسٹی کے دیئے گئے فرائض سے منسلک ہے۔ فعال اور ترقی پسند معاشروں میں یونیورسٹیاں وہ مقناطیس ہوتی ہیں' جن کی طرف بہترین تخلیقی دماغ کھنچے چلے آتے ہیں۔ وہ نہ صرف آئندہ نسلوں کو علم دیتے ہیں بلکہ علم کو وسعت بھی فراہم کرتے ہیں اور معاشرے کو وہ ذہنی تحریک دیتے ہیں جو علم کی نشوونما کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ جدید معاشرہ یونیورسٹیوں کی طاقت اور قوت پر خصوصاً انحصار کرتا ہے۔ ان کے بغیر سوسائٹی غیر متحرک اور سست روی کا شکار ہو جاتی ہے۔

پاکستانی معاشرے نے اپنی یونیورسٹیوں میں صرف اطاعت پسندی کو پروان چڑھایا ہے۔ یونیورسٹیوں کے احاطوں میں کلاشنکوفوں اور خودکار اسلحہ کا استعمال عام ہوتا جا رہا ہے۔ تابع داری کے باعث طلباء میں آزادانہ سوچ کی صلاحیت سلب ہوگئی ہے۔ ان میں تجزیہ وتخلیق کی اہلیت نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پاکستانی یونیورسٹی ایک ایسا مرکز بن گئی ہے جس پر معاشرے کے کم قابلیت والے ارکان۔۔۔۔۔ یعنی وہ اساتذہ اور طلبا جو دوسرے شعبوں میں کام کے اہل نہیں ہیں۔۔۔۔۔ جمع ہونے کا رجحان رکھتے ہیں۔ اس جگہ تشدد ایک قدرتی اور ناگزیر عمل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جہاں اظہار خیال کی ممانعت ہو اور مطلق حق یا مطلق باطل کے تصورات کا راج ہو۔

سائنس کا مطمح نظر

جب ٹیکنالوجی کی سرحدوں کی چھان پھٹک کی جائے تو سائنس اور ٹیکنالوجی کے درمیان فرق دھندلا ہوتا جاتا ہے۔ جنیٹک انجینئرنگ' روبوٹ اور مصنوعی ذہانت کا نظام' کمپیوٹر' نیوکلیائی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

توانائی، خلائی سفر وغیرہ اعلیٰ سائنس کے ذریعے وجود میں آئے اور ان کی مزید ترقی کا انحصار خالص سائنس پر ہی ہے۔ تاہم سائنس اور ٹیکنالوجی کو مترادف سمجھنا یا متبادل خیال کرنا غلط ہوگا۔ ان کے مقاصد مختلف ہیں اور فلسفیانہ، نیز نظریاتی سطحوں پر ان کے تقاضے بھی مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر، تیل صاف کرنے کے کارخانے یا موٹر بنانے کے کارخانے کا خاکہ (ڈیزائن) بنانے اور تعمیر کرنے میں اقدار یا عقائد پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ سائنس کے نظریات کا عقائد پر اثر پڑ سکتا ہے۔ سائنس کے لئے تحقیق و تفتیش لازمی ہے، اس لئے روایتی اندازِ فکر سے اس کا ٹکراؤ بھی ناگزیر ہے۔

ہم نے سائنس سے سعودی حکام کی گھبراہٹ کا تذکرہ کیا ہے۔ سائنس کے نظریہ کائنات اور ایمان کے تقاضوں کے درمیان ٹکراؤ سے ان کی گھبراہٹ نئی نہیں ہے۔ اس کا اظہار بہت پہلے تمام مذاہب کے راسخ العقیدہ لوگ کر چکے ہیں۔ میں اس باب کے بقیہ حصے میں یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ موجودہ عہد کے کئی مسلم ملکوں میں آزادیٔ فکر اور سائنس کے لئے آب و ہوا کیوں سازگار نہیں ہے۔

کہیں اور معجزات پر سائنسی سوچ اور روایتی فکر کے درمیان تنازعہ اتنا واضح نہیں ہے جتنا کہ مسلم ممالک میں ہے۔ معجزات کے وجود اور ان کے اثر پر اعتقاد کی اہمیت جتانے کے لئے ہی ''قرآن وسنت کے سائنسی معجزات'' کے زیرِ عنوان ایک کانفرنس اکتوبر 1987ء میں اسلام آباد میں بڑے پیمانے پر منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس کا افتتاح پاکستان کے سابق صدر ضیاء الحق نے کیا۔ یہ کانفرنس بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اور مکہ کی ''سائنسی معجزات کی تنظیم'' نے مشترکہ طور پر بلائی تھی اور اس میں کئی مسلم ملکوں کے سینکڑوں مذہبی علماء اور سائنس دانوں نے شرکت کی تھی۔ ''سائنسی معجزات'' کی کانفرنس کا انعقاد اس لئے قابلِ ذکر ہے کہ یہ ایسی کئی کانفرنسوں میں سے ایک تھی، جن کو حکومت پاکستان نے ماضی قریب میں منعقد کرایا تھا۔ ان کانفرنسوں سے پاکستان میں اس وقت کے اربابِ اختیار کی سوچ اور ارادوں کا پتہ لگتا ہے۔

سائنسی معجزات کی کانفرنس کا زور مندرجہ ذیل نکات پر تھا:

1- سائنسی معجزات کے وجود کا اثبات۔

2- یہ ثابت کرنا کہ تمام معلوم سائنسی حقائق قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

3- طبعی طریقہ ہائے عمل کے متعلق مقدس صحیفوں کے متن پر مبنی نئی قیاس آرائیاں۔
4- دنیاوی، مغربی سائنس کی مذمت۔

اس کتاب کے ایک باب میں ان چند مقالوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا جو اس کانفرنس میں پیش کئے گئے تھے۔

رمضان کا نیا چاند ایک ایسا موضوع ہے جس پر علماء اور سائنسی رجحان رکھنے والوں کے درمیان نیز خود علماء کے مابین تلخ بحثیں ہوتی رہی ہیں۔ سائنسدان اس بات کی سچائی پر اصرار کرتے ہیں کہ جدید علم فلکیات کے تحت نئے چاند کے مقام اور وقت کا ٹھیک ٹھیک تعین ممکن ہے، اس لئے ان کی رائے میں مختلف دیکھنے والوں کے درمیان اختلافات سائنسی مشاہدے کے ذریعہ دور کئے جا سکتے ہیں اور عید کی تاریخ کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن زیادہ تر علماء سائنس دانوں کی اس رائے کی شدت سے مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنکھ سے دیکھ کر ہی یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ نیا چاند ہو گیا ہے۔ اس نازک مسئلہ پر پھوٹ اور فساد کے امکان کو رد کرنے کے لئے پاکستان کی حکومت نے رویت ہلال کمیٹی مقرر کی ہے۔ اس کمیٹی کے ارکان وقت آنے پر چاند دیکھنے کے لئے ہوائی جہاز میں اوپر جاتے ہیں۔ اس طریق کار پر بھی علماء میں اتفاق نہیں ہے۔

ایک اور مسئلہ موسمی پیش گوئی کا ہے، جس پر کٹر علماء اور جدید نظریات کے حامل لوگوں میں اختلاف ہے۔ زیادہ تر مسلم ممالک کی حکومتیں جدید شعبہ موسمیات رکھتی ہیں۔ جو موسمی مصنوعی سیاروں کے فراہم کردہ حقائق اور دقیق طبیعیات حساب کی رو سے موسمی تبدیلیوں اور بارش کی پیش گوئی کرتا ہے۔ موسمی پیش گوئیاں سرکاری ذرائع ابلاغ سے نشر کی جاتی ہیں۔ لیکن کٹر مذہبی علماء ناخوش ہیں کیونکہ ان کے نزدیک بارش کی پیش گوئی انسان کے علم کی جائز حدود سے باہر ہے، اس لئے مشیت ایزدی کے دائرہ اختیار میں دخل اندازی کے مترادف ہے۔ چنانچہ 1983ء اور 1984ء کے درمیان موسمی پیش گوئیوں کے اعلانات خاموشی سے معطل کر دیئے گئے لیکن بعد میں پھر جاری کر دیئے گئے۔ تاہم سرکاری سطح پر یہ یقین قائم رہا کہ موسموں کی تبدیلی میں مافوق الفطرت طاقت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اس لئے جب بھی خشک سالی پڑتی ہے، سعودی عرب کی حکومت بارش کے لئے خصوصی نمازوں کا اہتمام کرتی ہے اور 1981ء کے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

بعد پاکستان میں جنرل ضیاء کی حکومت نے بھی ایسی خصوصی نمازیں پڑھوائیں اور ان نمازوں میں مسلمان کثیر تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔ ایسی نماز کو نماز استسقاء کہتے ہیں۔

موجودہ دور میں بھی مسلم یونیورسٹیوں کے روایتی نصاب تعلیم میں بطلیموسی فلکیات شامل ہے جو زمین کی مرکزیت پر مبنی ہے۔ جدید فلکیات کو بھی نصاب میں شامل کیا گیا ہے لیکن اسے صرف ایک ''مفروضے'' کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ شیخ عبدالعزیز بن باز' جو مدینہ یونیورسٹی کے صدر ہیں اور جن کو 1982ء میں ''خدمت اسلام'' کا شاہ فیصل عالمی انعام بھی دیا گیا ہے' بطلیموسی نظام فلکیت پر یقین رکھتے ہیں۔ 1982ء میں شیخ عبدالعزیز ابن باز نے ''جریان الشمس والقمر والسکون الارض'' کے عنوان سے عربی میں ایک کتاب تصنیف کی۔ اردو میں اس کتاب کا ترجمہ یہ ہے: ''شمس وقمر کی حرکت اور زمین کا سکون''۔ بزرگ شیخ کہتے ہیں کہ زمین کائنات کا محور ہے اور سورج اس کے گرد گھومتا ہے۔ اس سے پہلے کی لکھی ہوئی ایک کتاب میں شیخ نے دھمکی دی تھی کہ اس نظریے پر اعتقاد نہ رکھنے والوں کے خلاف تکفیر کا فتویٰ جاری کیا جائے گا لیکن زیر بحث کتاب میں یہ دھمکی نہیں دہرائی ہے۔ شیخ باز سعودی عرب کی ایک اہم شخصیت ہیں۔ ان کے نظریات کو سعودی عرب میں بہت وقعت حاصل ہے۔ اس لئے بعض قاری یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اس ملک میں سائنسی ترقی کو خوبی نہیں سمجھا جاتا' لیکن سعودی عرب پہلا اور اب تک واحد مسلم ملک ہے' جس نے اپنے ایک خلانورد کو خلا میں بھیجا ہے۔ ناسا (NASA) کی خلائی گاڑی میں سفر کرنے والا خلا باز اگر نماز کے لئے قبلے کا تعین کرنے میں مصروف نہ ہوتا تو یقیناً شیخ باز کے نظریہ نجوم پر کوئی تبصرہ کرتا۔

روایتی مسلم علماء جدید نیوکلیائی نظریے سے ہنوز بے خبر ہیں اور اس نظریے پر سختی سے قائم ہیں کہ خاک' آتش' آب اور باد ہی مادے کے عناصر ہیں۔ یہ نظریہ ہی ان کی عمومی فلسفیانہ موشگافیوں کی بنیاد ہوتا ہے اور اکثر جمعہ کی نماز کے خطبوں میں سنا جا سکتا ہے۔ یہ عالمانہ تقریروں اور مباحثوں کا موضوع بھی ہوتا ہے۔ اس موضوع پر کئی شائع شدہ کتابوں میں سے ہم مولانا قاری محمد طیب کی کتاب کا حوالہ دیں گے۔ اس جید عالم نے اپنی کتاب میں مندرجہ ذیل مسائل سے بحث کی ہے۔

1- طاقت آتش بمقابلہ قوت آہن۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

2- زمین کے مقابلہ میں پانی کی پاکیزگی یا صفائی۔

3- ہوا کی فضیلت۔

مندرجہ بالا موضوعات پر بحث سے شاید زمانہ قدیمہ کے یونانی مرعوب ہو جاتے لیکن چار ہزار سال بعد مولانا کے خیالات سائنس دانوں کے لئے بے وقت کی راگنی ہیں۔

گو یہ کہا جاتا ہے کہ سائنس نے اوہام پرستی پر فتح حاصل کر لی ہے' لیکن مسلم ملکوں میں سائنس کو اب تک مکمل فتح حاصل نہیں ہوئی ہے اور کبھی کبھی اس کے بہت المناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کراچی میں فروری 1983ء کے مشہور ہاکس بے واقعے کو ہی لیجئے۔ موسم سرما کی ایک صبح ضلع چکوال کے سینکڑوں دیہاتی گاؤں کی ایک دوشیزہ کے خواب سے متاثر ہو کر بحر عرب میں کود پڑے۔ انہیں امید تھی کہ وہ سمندر پار کر بلائے مقدس پہنچ جائیں گے اور انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ سمندر ان کو حفاظت سے منزل مقصود تک پہنچا دے گا۔ تیس سے زائد لاشوں کو سمندر سے نکالا گیا۔ پولیس کو معلوم نہیں تھا کہ اس عجیب وغریب معاملے سے کیونکر نپٹا جائے۔ چنانچہ اس نے خالص افسر شاہی انداز اختیار کیا۔ جو لوگ مرنے سے بچ گئے تھے' ان کو اس الزام کے تحت حراست میں لے لیا گیا کہ وہ پاسپورٹ کے بغیر ملک چھوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن انہیں جلد ہی چھوڑ دیا گیا۔ بعض با اثر علماء نے زیارت کی اس ناکام کوشش کو سراہا۔ اس کے بعد چندہ جمع کر کے بچنے والوں کو بذریعہ ہوائی جہاز زیارت کے لئے بھیجا گیا۔ اہم بات یہ ہے کہ اس بدنصیب مہم کی عمومی طور پر حمایت کی گئی اور تعریف کی گئی۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

باب پانچ

پسماندگی کے اسباب، مسلمانوں کے تین تجزیے

''موجودہ شکل میں سائنس اور ٹیکنالوجی نے اسلام میں کوئی ترقی نہیں کی۔ یہ حقیقت جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے، زوال کی علامت نہیں بلکہ علم کی ہر شکل کو خالص دنیاوی تسلیم کرنے سے اسلام کا انکار ہے''۔
(سید حسین نصر)

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کئی مسلم ملکوں میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نہایت سست رفتار ہے۔ اس بات کو پچھلے باب میں کچھ تفصیل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے اور ثبوت میں صنعتی پیداوار، سائنسی تحقیق، تعلیم اور ترقی کی دیگر روایتی علامت کے متعلق حقائق اور اعداد و شمار بھی دیئے گئے ہیں۔

اس لئے ایک تلخ حقیقت سے چشم پوشی کرنے کی بجائے یہ کہیں زیادہ مفید ہوگا کہ ہم یہ جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ مسلم ممالک میں سائنس اور جدید ترقی کی رفتار دوسرے ملکوں کی بہ نسبت زیادہ سست کیوں ہے۔

سادہ اور آسان ترین جواب تو یہی ہوسکتا ہے کہ سائنسی پسماندگی کی ذمہ داری مذہب اسلام پر عائد کر دی جائے۔ مغرب میں عمومی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام کے سخت اور بے لچک عقائد ہی مسلم ممالک کی پسماندگی کا سبب ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام جدید سائنسی ثقافت سے ہم آہنگ نہیں۔ مغرب کے کئی مستشرقین، خصوصاً وہ جو سامراج کی بلند اخلاقیات کی مسند پر بیٹھ کر مسلم مشرق کا مطالعہ کرتے ہیں، عرصے سے مصر ہیں کہ اسلام انسان کو تقدیر پرست بناتا

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے، مستقبل کے بجائے ماضی کی طرف لے جاتا ہے اور نئے تجربات اور جدت کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ اکثر اسلام کی بے شمار تفسیروں کو سنجیدگی سے سمجھنے کی کوشش کئے بغیر وہ اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ بنیادی طور پر جدید تمدن اور اسلام کے درمیان ایک تضاد ہے کیونکہ دنیا و آخرت کی اقلیموں کے درمیان سرحد بہت مبہم ہے، نیز اسلام اور جدید تمدن کے متعلق بعض ممتاز مستشرقین کے خیالات مندرجہ ذیل ہیں:

☆ ڈینیل لرز مغرب کے ایک ممتاز عالم عمرانیات نے کہا کہ ''اسلام کے پاس جدید تمدن کے خلاف قطعاً کوئی دفاع نہیں ہے''۔

☆ مین فریڈ ہیلر کے بقول: ''وہ اسلامی نظام جس نے کسی زمانے میں انسان، خدا اور معاشرے کے درمیان تعلق قائم کیا تھا، اب جدید تمدن کے حملوں سے منتشر ہو رہا ہے اور جدیدیت کی آمد سے اس کا توازن کا بگڑ جانا ناگزیر ہے۔

☆ مستشرق ٹالکوٹ پارسن کے خیال میں اسلام خود کو جدید اور آفاقی نظام کی صورت میں تبدیل نہیں کر سکا۔ وہ اس ناکامی کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کرتا ہے۔

1- مسلم آبادیوں میں مشتمل مسلم امہ کسی ایسے مرکز کی تشکیل نہیں کر سکی جس کے پاس تمام قانونی، انتظامی اور اخلاقی ضوابط کا اختیار ہو۔

2- سیاسی طور پر اپنے زیر تسلط آبادیوں کی بڑی اکثریت کو مسلمان بنانے میں اسلام کی ناکامی جیسا کہ (عموماً پس ماندہ یا غیر مہذب آبادیوں میں) عیسائیت نے کیا تھا۔

3- یونان کے عقلی تمدن کا قبول نہ کرنا۔

4- مذہبی روایات مثلاً مروجہ خیالات و عادات کی تقلید کو عین اخلاقی روایت سمجھنا اور اس کا ارتقا کی راہ میں رکاوٹ بننا۔

5- اسلامی قانون کے کسی ٹھوس شکل میں مرتب نہ ہونے کی وجہ سے ابہام کا موجود رہنا۔

6- مذہبیات اور قانون کے لئے فلسفیانہ بنیاد کا فقدان۔

7- مادی دنیا اور مابعدالموت دنیا میں واضح حد بندی نہ ہونا اور اس لئے ان فکری اور علمی روایات کا جنم نہ لینا جن کی بدولت یہ ایک آفاقی اور ہمہ گیر معاشرہ بن سکتا۔

جرمن عالم عمرانیات میکس ویبر، ایک ایسا با اثر دانشور تھا، جو اپنے نسلی تعصّبات کے اظہار میں

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

عار محسوس نہیں کرتا تھا۔ اس کی ایک خاص دلیل یہ تھی کہ جنگجو لوگوں کے مذہب کی حیثیت سے اسلام نے ایسی اخلاقیات کو رواج دیا جو بنیادی طور پر عقلی سرمایہ دارانہ سوسائٹی کی اخلاقیات سے مطابقت نہیں رکھتی اور جس کے بغیر معاشرہ ازمنہ وسطیٰ سے باہر نہیں نکل پاتا۔ میکس ویبر کے نظریات اور تجزیے پر بعد میں بحث کی جائے گی۔

ہم یہاں مستشرقیت کے عنوان سے اس کی عمومی حیثیت میں بحث نہیں کریں گے، دیگر مصنفین مثلاً ایڈورڈ سعید نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ایسے مطالعے کی بے رحمانہ فطرت کو بے نقاب کیا ہے جس میں زیر مطالعہ موضوع کے سلسلہ میں غیر جانبداری کا فقدان ہوتا ہے۔ مستشرقین زیادہ تر پس ماندہ مسلمان کے ناقابل تغیر نمونے کی تصویر کشی کرتے رہے ہیں کیونکہ انہوں نے محض رسمی اور متن کی بنیادوں پر اسلام کے متعلق نظریات قائم کئے ہیں اور ان تمام مختلف عقلی میلانات وتحریکات کو فروعی سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہے جو مسلم تہذیب وتمدن کے تاریخی ادوار میں بیک وقت موجود رہے ہیں۔ اس ضمن میں صرف حقائق کا جھٹلانا ہی وجہ اعتراض نہیں ہے۔ ایک اور سبب یہ ہے کہ حیات انسانی کے ایسے میدان میں، جہاں سختی سے سائنسی معروضیات کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ جوڑ توڑ کی گنجائش زیادہ ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زیادہ تر مستشرقین کی تصنیفات میں اپنے موضوع مطالعہ کے خلاف عموماً خفیہ نفسیاتی بغض پایا جاتا ہے۔ مشہور اسلامی مستشرق، منٹگمری واٹ نے اس بات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

''مشکل یہ ہے کہ ہمیں ایک گہرا تعصب ورثہ میں ملا ہے جس کی جڑیں ازمنہ وسطیٰ کے ''جنگی پروپیگنڈہ'' میں پائی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ تقریباً آٹھویں صدی عیسوی سے یورپ نے اسلام کو اپنے ایک بڑے دشمن کی حیثیت سے جانا۔ یہ دشمن اس کے لئے فوجی اور روحانی، دونوں ہی شعبوں کے لئے خطرہ تھا۔۔۔۔۔۔۔ بارہویں اور تیرہویں صدیوں میں اسلام کے متعلق یورپی ذہن میں جو تصور پیدا کیا گیا، وہ عرصہ دراز تک غالب رہا اور اس کے اثر کی باقیات بیسویں صدی تک پائی جاتی ہیں۔ اس تصور کے مطابق اسلام عیسائی صداقتوں کی ایک مسخ شدہ شکل بتایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ بت پرستانہ مذہب ہے، یہ تشدد کا مذہب ہے جو بزور شمشیر پھیلایا گیا، یہ ایسا مذہب ہے جس میں رہبانیت نہیں ہے''۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس قسم کے تعصب اور عناد کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مسلمانوں میں مدافعانہ ردعمل پیدا ہوا ہے اور وہ ہر تنقید کو بدنیتی، تعصب یا عناد پر محمول کرتے ہیں۔ اس کے سبب ان کے ذہن کے دروازے بند ہو گئے ہیں اور اس بحران کی شدت کا اندازہ نہیں لگایا جا رہا جس میں آج مسلم دنیا گھری ہوئی ہے۔

یہ تسلیم کہ ''بحران'' کا لفظ کچھ زیادہ ہی استعمال کیا جا رہا ہے، لیکن آج کے مسلم ممالک کے ضمن میں اس لفظ کا ٹھیک ٹھیک مطلب کیا ہے؟ یہ بات تو ناقابل تردید ہے کہ سائنسی پسماندگی اس بحران کا ایک حصہ ہے اور اس وجہ سے یہ امر یقینی ہے کہ مستقبل میں بھی مغرب کا غلبہ قائم رہے گا لیکن یہ بحران حقیقت میں سیاسی ہے۔ جس کی ہمارے سامنے کئی افسوس ناک مثالیں موجود ہیں۔

جب 1982ء میں اسرائیلی فوجیں بیروت کو ایک منصوبے کے تحت تباہ و برباد کر رہی تھیں اور عمل ملیشیا (فوج) کے محاصرے میں بند فلسطینی، مذہبی علماء سے یہ فتویٰ مانگنے کے لئے مجبور ہوئے تھے کہ کیا اس حالت میں انسان کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں، اس وقت تمام مسلم ممالک خاموش تماشائی بنے رہے۔ اسی طرح جب اسرائیل کے زیر قبضہ علاقوں میں انتفاضہ کی تحریک کے دوران ٹی وی کیمروں کے سامنے اسرائیلی سپاہی فلسطینیوں کے اعضاء کی ہڈیاں توڑ رہے تھے اور بچوں کو ٹھوکریں مار کر قتل کر رہے تھے، اس وقت بھی کسی مسلم ملک کی طرف سے کوئی ردعمل نہیں ہوا۔ یہ خوفناک مناظر ٹی۔وی کی سکرین پر تمام دنیا میں دکھائے گئے لیکن عرب ملکوں میں ان کو دانستہ طور پر نہیں دکھایا گیا۔ انتفاضہ کی بغاوت پر ایک جذباتی نظم میں شامی شاعر نزار قبانی نے عرب قوموں کے متعلق کہا کہ وہ تعلق رکھتی ہیں۔ ''اس نسل سے جو فریب، دلالی، غلاظت اور مجھ کی نسل ہے، جس کی تجارت سے سیاست اور ظلم، قبریں کھودنا اور ایسے اہداف تعمیر کرنا جن کو انتفاضہ میں پتھراؤ کرنے والے بچوں کی نسلیں اپنا نشانہ بنائیں گی''۔

ایران و عراق کے درمیان سات سالہ جنگ کو انسانیت کے خلاف بڑے جرائم میں شمار کیا جائے گا کیونکہ اس جنگ میں کیمیاوی ہتھیار استعمال کئے گئے، آبادی کے مراکز پر بم برسائے گئے اور بچوں کو فوج میں بھرتی کر کے جنگ میں جھونکا گیا۔ دونوں ملکوں کا دعویٰ تھا کہ یہ جنگ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

جہاد ہے۔

یہ مثالیں اسلامی دنیا کے بحران کی شدت کو ظاہر کرتی ہیں۔ بقول ڈاکٹر اقبال احمد کے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ دولت اور کمزوری مادی وسائل اور اخلاقی پستی کے درمیان تعلق اتنا واضح ہو۔ وہ کہتے ہیں:

''مراکش سے شام اور عراق سے پاکستان اور انڈونیشیا تک مسلمانوں پر مسلح اقلیتوں کی حکمرانی ہے۔ کچھ حکومتیں خود کو اشتراکی اور جمہوری' کچھ اسلامی اور کچھ اسلامی اشتراکی اور جمہوری کہتی ہیں۔ تقریباً ساری ہی مسلمان حکومتیں بدعنوان اور بے رحم اشرافیہ پر مشتمل ہیں جو قدرتی وسائل وقومی آزادی کے تحفظ کی نسبت عوام کو دبا کر رکھنے میں زیادہ ماہر ہیں۔ ان کا تعلق اپنے عوام کی سیاست سے کم اور بیرونی سرپرستوں سے زیادہ ہے''۔

نوآبادیاتی عہد اور مابعد کے زمانے میں اسلامی تہذیب کو جس بنیادی بحران اور زوال کا سامنا کرنا پڑا اس سے نپٹنے کے لئے تین رویے سامنے آئے۔ ان رویوں کو اقبال احمد کی زبان میں احیاء' اجتہاد اور عملیت کے رویے کہا جا سکتا ہے۔ رویوں کی یہ تقسیم ہمیں ایک ایسا مفید چوکھٹا فراہم کرتی ہے' جس میں رہ کر ہم موجودہ اسلامی دنیا میں عقلی اور سائنسی معاشرے کی نشوونما کے امکانات کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

احیاء اسلام

''احیا'' مسلمانوں میں سب سے زیادہ نمایاں نظریہ ہے۔ اس نظریے کے مطابق ماضی کے کسی عینی تصور اسلام کا احیاء ہونا چاہیے کیونکہ تمام ناکامیاں اور شکستیں صراط مستقیم یا سیدھے راستے سے بھٹکنے کی وجہ سے ہیں۔ اس سوچ کا اظہار 1970ء کی دہائی میں کئی بنیاد پرست اسلامی تحریکوں کی شکل میں ہوا ہے۔ سیکولر مملکت مصر' سعودی عرب کی وہابی اسلامی سلطنت' آیت اللہ خمینی کی انقلابی شیعہ مملکت ایران اور جنرل ضیاء کی اسلامی مملکت پاکستان میں جہاد کے نقارے بجائے گئے۔ دنیاوی' عقلی اور آفاقی نظریات کے خلاف جہاد' سرمایہ داری' سوشلزم اور کمیونزم کے خلاف جہاد' یعنی اسلامی ریاست کے کسی تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جہاد' آٹھ سو سال پہلے عرب فلسفی ابن رشد کے اس اصول کے خلاف جہاد کہ انسان کی عقل ہی وہ عامل ہے جسے انسانی معاشرے کا رہنما ہونا چاہیے اور جدید' دنیاوی اور سائنسی سوچ اور طریقے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے خلاف جہاد کا اعلان کیا گیا۔ مندرجہ ذیل سطور میں ہم پاکستان کے خصوصی حوالے سے سائنس اور جدید روشنی کے خلاف ردعمل کا جائزہ لیں گے۔

پاکستان کی جماعت اسلامی

پاکستان میں احیائی ردعمل کا ہراول دستہ جماعت اسلامی ہے۔ یہ ایک سیاسی اور مذہبی پارٹی ہے جو شہری متوسط طبقوں اور طلبا سے طاقت حاصل کرتی ہے۔ یہ مذہبی جماعتوں میں سب سے زیادہ منظّم پارٹی اور اخوان المسلمین کی ہمشیرہ جماعت ہے۔ اخوان المسلمین ایک بنیاد پرست جماعت ہے جو کئی عرب ملکوں میں کام کرتی ہے۔ حال ہی میں اردن کے پہلے پارلیمانی انتخابات میں اس جماعت کو بہت زیادہ نمائندگی حاصل ہوئی ہے۔ گو پاکستان میں جماعت اسلامی کو قومی انتخابات میں کبھی بھی قابل ذکر عوامی ووٹ حاصل نہیں ہوئے' تاہم شہری متوسط طبقوں کی سیاست میں اسے کافی اثر ورسوخ حاصل ہے۔ جنرل ضیاء کے دور میں تعلیمی وزارتوں' محکموں اور اداروں کو استعمال کر کے اس جماعت نے تعلیم کے نصاب کی تبدیلی میں اہم حصہ ادا کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ یہ ایسی تبدیلی ہے جس کی نفی کرنے میں جنرل ضیاء کے بعد قائم ہونے والی لبرل اور جمہوری حکومت کو مشکل پیش آ رہی ہے۔ دوسری مذہبی سیاسی جماعتوں کو جماعت اسلامی سے جو اختلافات ہیں' وہ وابستہ مفادات کی وجہ سے ہیں۔ یہ اختلافات بنیادی مسائل (مثلاً اسلامی معاشرے میں سائنس کا رول کیا ہونا چاہیے) پر نہیں ہیں۔

سائنسی اور عقلی موضوعات پر جماعت اسلامی کی سب سے زیادہ نمایاں ترجمان مریم جمیلہ ہے۔ یہ خاتون ایک امریکی نومسلم ہے۔ مریم جمیلہ کے نزدیک سائنس اور جدید روشنی کی تقلید بت پرستی کے مترادف ہے ان کے بقول:

''تمام جدید نظریات آدم پرستی کے مترادف ہیں اور بسا اوقات آدم پرستی سائنس کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے۔ جدید زمانے کے پرستاروں کو یقین ہے کہ سائنسی معلومات میں ترقی انہیں آخرکار خدائی طاقت سے نوازے گی''۔

مریم جمیلہ کے خیال میں سائنس بجائے خود ایک بدی ہے کیونکہ اس کی فطرت ملحدانہ ہے:

''جدید سائنس کو کسی اخلاقی قدر سے نہیں بلکہ ننگی مادیت اور تکبر سے رہنمائی ملتی ہے۔ اس کا تمام علم

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور اس علم کے عملی پہلو اسی خرابی سے آلودہ ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کلی طور پر ان نظریات اور اقدار پر مبنی ہیں جو اس کے اراکین کو عزیز ہیں۔ اگر درخت کی جڑیں فاسد ہیں تو درخت بھی فاسد ہے۔ اس لئے اس کے تمام پھل بھی فاسد ہیں''۔

مریم جمیلہ کے مطابق احادث یا سنت میں ہی تمام اچھائی ہے اور تمام مسائل کا حل اس سے ہی مل سکتا ہے۔ مسلسل ترقی اور تغیر پر جدید سائنس کے اصرار کی مذمت وہ ان الفاظ میں کرتی ہیں:

(''اسلامی معاشرے میں) طبع زادیت' اختراع اور تغیر کو کبھی اصلی اقدار نہیں مانا گیا۔ اسلامی تمدن و ثقافت کا نصب العین مشینی یا ارتقائی ترقی نہیں بلکہ قرآن و سنت پر مبنی ابدی' غیر متغیر' ماورائی' الہامی' اخلاقی' دینی اور روحانی اقدار ہیں''۔

اس لئے مریم جمیلہ کے نزدیک مغربی سائنس کی شیطانی اور ملحدانہ نیچر کے پیش نظر ترقی کی دوڑ میں مغرب کو جا لینا نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی پسندیدہ بات ہے۔ پرانا زمانہ کتنا اچھا تھا' جدید زمانے نے روح کو خراب کرنے کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔ مریم جمیلہ اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں احادیث کا سہارا لیتی ہیں۔ مثلاً یہ حدیث ان کی کتاب کے پہلے صفحہ پر درج ہے:

''عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے کہا: جو کوئی بھی ہماری اس چیز (اسلام) میں کوئی اختراع شامل کرے' جو کہ اس کی نہیں ہے' تو اس (شخص) پر لعنت ہو''۔ (مسلم' بخاری)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جو جماعت اسلامی کے بانی اور عصر حاضر کے نہایت با اثر اسلامی مفکر ہیں نے بھی مغربی سائنس پر شدید اعتراضات کئے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے موضوع پر ایک خطبے میں انہوں نے ارشاد فرمایا کہ جغرافیہ' طبیعیات' کیمیا' حیاتیات' حیوانیات' ارضیات اور معاشیات کے علوم اللہ اور اس کے رسول کا حوالہ دیئے بغیر پڑھائے جاتے ہیں' اس لئے گمراہی کا سبب ہیں۔

''جدید تعلیم اور رسوم پر غور کرنے سے جلد ہی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ اسلامی تعلیم اور رسوم سے متضاد ہیں۔ تم ان ذہنوں کو وہ فلسفہ پڑھاتے ہو' جو اللہ کے بغیر کائنات کی تشریح کرتا ہے۔ تم انہیں وہ سائنس پڑھاتے ہو جو معقولیت سے محروم اور حواس کی غلام ہے۔ تم انہیں وہ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

معاشیات، قانون اور عمرانیات پڑھاتے ہو جو ذہنی و مادی طور پر اسلامی تعلیمات سے اختلاف رکھتی ہیں اور اس کے باوجود تم یہ توقع کرتے ہو کہ ان کا نقطہ نظر اسلامی ہوگا؟''

اس برائی سے بچنے کے لئے مولانا یہ حل پیش کرتے ہیں کہ تمام تعلیمات کو اسلامی تعلیمات میں تبدیل کر دینا چاہیے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس خرابی کی تمام تر ذمہ داری دنیاوی تعلیم سے دینی تعلیم کی علیحدگی ہے، جیسا کہ میں نے دلائل سے ثابت کیا ہے۔ یہ علیحدگی قطعی غیر اسلامی ہے۔ تعلیم کے نئے نظام میں دینیات کے لئے نصاب کی ضرورت نہیں بلکہ تمام نصابوں کو دینیاتی نصابوں میں تبدیل کرنا چاہیے۔

مولانا کی بصیرت سے متاثر ہو کر اسلام آباد کے انسٹی ٹیوٹ فار پالیسی اسٹیڈیز (Insitute for Policy Studies) نے (یہ ادارہ جماعت اسلامی کے مرکز دانش کے طور پر کام کرتا ہے) اپنے ذمہ یہ کام لیا ہے کہ سائنس کی دوسری تعریف کی جائے اور اسلامی سائنس کی نصابی کتب تحریر کرانے کے لئے رہنما اصول مرتب کئے جائیں۔ اس انسٹی ٹیوٹ نے جو سفارشات کی ہیں، ان کی تلخیص مندرجہ ذیل ہے:

1- اللہ تعالیٰ کے کرم کا حوالہ دیئے بغیر قدرت کے کسی اصول، طریق کار یا حقیقت کا حوالہ نہ دیا جائے۔ مثال کے طور پر تیسری جماعت کے بچوں کی سائنس کی کتاب میں اس سوال کے بجائے کہ ''اگر ایک جانور کچھ بھی نہ کھائے تو کیا ہوگا؟'' یہ سوال کیا جائے کہ اللہ اگر جانور کو کھانا نہ دے تو کیا ہوگا؟''

2- سائنس کی نصابی کتاب صرف ایسا شخص تحریر کرے جو راسخ عقیدہ رکھتا ہو کہ صرف اسلام ہی ضابطہ حیات ہے اور جو قرآن وسنت سے بخوبی واقف ہو۔ اس سلسلہ میں تمام امکانی احتیاط کی جائے۔

3- معلول کا رشتہ مادی علت یا سبب سے نہ جوڑا جائے۔ ایسا کرنے والا الحاد کی طرف جاتا ہے۔ مثال کے طور پر انسٹی ٹیوٹ کی سفارش کے مطابق ''اس ذیلی عنوان میں زہر پوشیدہ ہے کہ ''توانائی تبدیلی کا باعث ہے' کیونکہ اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ تبدیلی کا صادق سبب اللہ نہیں بلکہ توانائی ہے۔ اسی طرح یہ درس دینا غیر اسلامی ہے کہ ہائیڈروجن کو آکسیجن سے مرکب کیا جائے تو اپنے آپ پانی بن جاتا ہے۔ اسلامی طریقہ یہ ہے: جب ہائیڈروجن کے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایٹم آکسیجن کے ایٹموں سے ملتے ہیں تو اللہ کی رضا سے پانی پیدا ہوتا ہے''۔

4- پہلے باب کا (مثلاً کیمیا کی کتاب کے باب کا) عنوان ضروری طور پر یہ ہونا چاہیے: ''قرآن مقدس اور کیمیا''۔ ہر باب کا آغاز کسی مناسب قرآنی آیت یا حدیث سے ہونا چاہیے۔

5- کسی بھی اصول یا قانون کا نام سائنس دان کے نام پر نہیں رکھنا چاہیے۔ مثلاً ''نیوٹن کے قوانین''، ''بوآئل کا قانون'' وغیرہ کہنا غیر اسلامی ہے کیونکہ یہ شرک کے مترادف ہے۔ اس طرح نام رکھنے سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ گویا سائنس دانوں نے یہ قوانین دریافت نہیں کئے بلکہ بنائے ہیں۔

6- سائنس کی کلاسوں میں اللہ کا تعارف ہونا چاہیے۔ ''ہماری سائنس کی نصابی کتب میں اللہ کے پاک وجود اور روز قیامت (یا حیات بعد الموت) کو ثابت کرنے کے لئے دلائل ہونے چاہئیں۔ ان مضامین کے ایسے مطالعے کو سائنس کا مطالعہ سمجھا جانا چاہیے نہ کہ اسلامیات کا''۔

7- حیوانیات کا نصاب پڑھانے میں ابتدا سے ہی مولانا مودودی کی ''تفہیم القرآن'' کو بطور رہنما اصول استعمال کرنا چاہیے۔

8- تمام سائنسوں کی پیدائش مسلمانوں کے عہد سے سمجھی جانی چاہیے۔ نیوکلیائی طبیعیات ابن سینا سے، کیمیا جابر ابن حیان سے شروع ہوتی ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ سائنس کی ابتدا کا سہرا یونانیوں کے سر نہیں باندھنا چاہیے۔ کیونکہ وہ تجربی سائنس سے بالکل نابلد تھے۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کی مندرجہ بالا سفارشات مندرجہ ذیل دو مختصر تبصروں کی مستحق ہیں:

اولاً ان سفارشات میں سائنس کے اس بنیادی اصول کی خصوصاً نفی کی گئی ہے کہ ہر مادی اثر (معلول) کا مادی سبب (علت) ہوتا ہے۔ گویا مادی یا مرئی قوتیں نہیں بلکہ مادہ مقدس طاقتوں کے اشارے پر حرکت کرتا ہے۔

ثانیاً ان سفارشات میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ بچوں میں تجسس پیدا کیا جائے۔ ان میں سوال کرنے یا نکتہ چینی کے رویے کی نشوونما کی جائے یا ان کو بتایا جائے کہ کبھی صاحب اختیار بھی غلطی پر ہوسکتا ہے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سچ بات تو یہ ہے کہ بنیاد پرست نظریات میں حقیقی سائنس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک بند، ساکن اور پہلے سے معین کائنات میں سائنس کی کوئی افادیت نہیں ہو سکتی۔

سائنس اور جدید روشنی کے متعلق جماعت اسلامی کا نقطہ نظر بنیاد پرستوں کے عمومی نظریات سے مطابقت رکھتا ہے۔ اخوان المسلمین کے سید قطب (جن کو مصر کے جمال عبدالناصر نے دیگر بنیاد پرستوں کے ساتھ پھانسی کی سزا دی تھی) نے سائنس پر اپنے نظریات کا اظہار ''فی ضلال القرآن'' میں کیا ہے۔ یہ نظریات جماعت اسلامی کے نظریات سے مختلف نہیں، اس لئے ان پر علیحدہ بحث غیر ضروری ہوگی۔

اجتہادی رویہ

کٹر بنیاد پرستوں کی سائنس اور جدید تہذیب کی اندھی مخالفت کے برعکس اجتہادیوں کا رویہ یہ ہے کہ دین کی جدید تفسیر اس طرح کی جائے کہ جدید تہذیب کے تقاضوں اور اسلامی تعلیمات و روایات کے درمیان مفاہمت پیدا ہو جائے۔ اس مکتب خیال کے مطابق اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے دور انقلابی، ترقی پسند، روادار اور عقلی دور تھے۔ لیکن بعد کے ادوار میں اجتہاد پر تقلید کی فوقیت کے باعث کٹر پن اور غیر استدلالی رویے پیدا ہو گئے۔ چنانچہ اسلامی معاشرہ انقلابی اور ترقی پسندانہ خصوصیات سے محروم ہو گیا۔ برصغیر ہندو پاک میں اجتہادی نظریے کے سب سے زیادہ با اثر مبلغ سید احمد خان اور سید امیر علی ہیں۔

سید احمد خان (1898-1817ء)

انیسویں صدی میں اسلام کو ازمنہ وسطیٰ سے جدید دور کی طرف لانے کے لئے نظریاتی تبدیلی کی تحریک کے قافلہ سالار ایک ہندوستانی مسلمان، سید احمد خان تھے۔ انگریزوں کے خلاف 1857ء کی بغاوت کی ناکامی اور اس صدمہ کے ہندوستانیوں اور خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں پر اثرات نے سید احمد خاں کے اندر یہ تحریک پیدا کی کہ وہ اسلام کی نئی تشریح کریں۔ عصر جدید میں وہ سب سے زیادہ روشن خیال مفکر ہیں، اس لئے آج تک یعنی تقریباً ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی ان کے افکار متنازعہ ہیں۔

سید احمد خاں مغل اشرافیہ کے ایک خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ اگر مسلمانوں کو ''سائیس، باورچی، گھریلو نوکر، لکڑ کٹ اور بہشتی'' کے علاوہ بلند درجوں تک پہنچانا

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے تو وہ خطرناک علاج کرنا ہوگا جو مریض کی مایوس کن حالت میں کیا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی پس ماندگی توہماتی عقائد اور منقولات کی اندھی تقلید کو معقولات پر ترجیح دینے کی وجہ سے تھی۔ اس لئے انہوں نے سب سے پہلے اسلامی تعلیمات کی ایسی تفسیر کی جو مغرب کے بعد از نشاۃ ثانیہ کے انسانیت دوست اور سائنسی نظریات سے ہم آہنگ تھی۔ ان کے خیال میں ایسی تفسیر کے ذریعے غیر ضروری اور بے لچک عقائد کو ''حقیقی اسلام'' سے علیحدہ کرنا ضروری تھا۔

''میرے متجسس دماغ نے مجھے چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔۔۔۔۔۔اس نے مجھے

اس سچائی تک پہنچایا جو اسلام (حقیقی اسلام) ہے گو کہ روایتی مسلمان اسے کفر سمجھتے ہیں''۔

یہ ایک مشکل کام تھا۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لئے اکبر کا دور حکومت ختم ہونے کے بعد عقل دشمنی اور سائنس دشمنی کا دور مسلسل قائم رہا۔ سید احمد خاں سے تقریباً دو سو سال پہلے شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) اور دیگر بااثر مذہبی علماء نے ریاضی اور دنیاوی سائنسوں کے خلاف فتوے جاری کئے تھے اور یہ مطالبہ کیا تھا کہ مسلمانوں کو صرف مذہبی خطوط پر تعلیم دی جائے۔ سرسید احمد خاں نے اس نظریے کے خلاف لکھا:

''اب میں نہایت عاجزی کے ساتھ پوچھتا ہوں۔ وہ مختلف مذہبی کتابیں جو آج موجود ہیں اور جن کو درس و تدریس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے' ان میں سے کون سی ایسی ہیں جو مذہبی اصولوں کے مطابق مغربی فلسفے یا جدید سائنسی معاملات سے بحث کرتی ہیں؟ میں کہاں سے زمین کی حرکت یا سورج سے اس کی قربت کے متعلق تصدیق یا تردید چاہوں؟ اس لئے ایسی کتابوں کا نہ پڑھنا ان کے پڑھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ ہاں' اگر مسلمان سچا سورما ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مذہب صحیح ہے تو اسے بے جھجک میدان میں آ کر مغربی علم اور جدید تحقیق کے ساتھ وہی کرنا چاہیے جو اس کے آباؤ اجداد نے یونانی فلسفے کے ساتھ کیا تھا۔ صرف اس وقت مذہبی کتابوں کی کوئی حقیقی افادیت ہوگی۔ طوطے کی طرح صرف ایک رٹ لگائے جانے سے اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا''۔

مذہبی عالم کی حیثیت سے سرسید احمد خاں کے لئے مذہب کی سائنسی تفسیر کا کام سب سے زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ روایت سے جرأت مندی کے ساتھ قطع تعلق کر کے انہوں نے تجویز پیش

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی کہ قرآن کی جدید تفسیر اور تشریح کی جائے تا کہ طبعی حقیقت سے تمام ظاہری تضاد یا اختلاف دور ہو جائے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن کلام الہیٰ ہے اور سائنسی سچائیاں بدیہی طور پر صحیح ہیں، اس لئے ان کے درمیان جو بھی تضاد ہے، وہ حقیقی نہیں بلکہ ظاہری ہے۔ چنانچہ انہوں نے قرآن کی تفسیر کے لئے مندرجہ ذیل طریق کار تجویز کیا۔

1- قرآنی زبان کے استعمال، معنی اور صرفی اشتقاق کے شعبوں میں باریک بینی سے تحقیق کی جائے تا کہ زیر بحث لفظ یا عبارت کے صحیح مطلب کا تعین کیا جا سکے۔

2- یہ طے کرنے کا اختیار سائنس کی ثابت کردہ سچائی ہونا چاہیے کہ کسی عبارت کی مختلف تفسیروں سے کونسی تفسیر کو منتخب کیا جائے یا اسے استعاراتی تفسیر کی ضرورت ہے۔ اس سچائی تک عقلی دلیل کے ذریعہ پہنچا جائے اور ان پر پختہ یقین کیا جائے۔

3- اگر مقدس متن کے ظاہری معنی سائنسی تجربات کے ذریعہ ثابت کردہ نتائج سے متضاد معلوم ہوتے ہوں تو ایسے متن کی استعاراتی تفسیر کی جائے۔ اس سلسلے میں سید احمد خاں وہ طریق کار اختیار کرتے ہیں جو ابن رشد نے معقول کو منقول سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اپنایا تھا۔ تاہم وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ (سائنسی حقیقت کے مطابق) استعاراتی یا شبہی تفسیر ہی وہ معنی ہے جو صحیفے کے مصنف (خدا) کا مدعا ہے۔

مندرجہ بالا طریق کار اختیار کرنے کی وجہ سے سید احمد خاں نے مذہبیات کے کئی موضوعات کی انقلابانہ تفسیریں کیں اور اہم مسائل پر غیر روایتی نقطہ ہائے نظر پیش کئے۔ مثلاً انہوں نے ڈارون کا نظریہ ارتقا قبول کرنے کے لئے یہ دلیل دی کہ آدم وحوا کا زمین پر پھینکا جانا انسان کے لئے اس امر کی علامت ہے کہ وہ اچھے اور برے کے درمیان تمیز کرے اور اس طرح مکلّف ہو کہ دیگر جانداروں سے ممتاز ہو جائے۔ انہوں نے طوفان نوح، حضرت عیسیٰ کے معجزات، معراج اور ایسے دوسرے واقعات کی بھی، جن کو وہ مافوق الفطرت سمجھتے تھے، علامتی تفسیریں پیش کیں۔ سید احمد خاں کے نزدیک قرآن حکیم اخلاقی رہنمائی کے لئے نازل کیا گیا ہے نہ کہ سائنسی معلومات فراہم کرنے کے لئے۔

اس زمانے کے مذہبی علماء کی رائے میں سید احمد خاں کی سب سے زیادہ قابل اعتراض بات یہ تھی کہ وہ جدید ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے شریعت کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔ حسب توقع

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس وجہ سے سید احمد خاں بہت زیادہ مطعون کئے گئے۔ سید احمد خاں نے کوئی نئی شریعت نافذ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ مشہور مستشرق ولیم کینٹ ویل سمتھ کے خیال میں اقتدار یا اختیار کی روایتی اصل پر یہ سیدھا حملہ جاگیرداری نظام سے گزر کر سرمایہ داری نظام کی طرف قدم بڑھانے کے لئے ضروری تھا۔

''نہ صرف یہ کہ اقتدار کے زیر بحث ادارے بے وقت اور غیر متعلق ہو گئے ہیں ۔۔۔۔۔۔ یعنی یہ ایسے مسائل کا حل پیش کرتے ہیں جو سرمایہ دارانہ معاشرے میں پیدا ہی نہیں ہوتے ۔۔۔۔۔۔ بلکہ ان کے تمام اخلاقی قاعدے اب اصولی طور پر متروک ہو چکے ہیں ۔۔۔۔۔۔ فرد بجائے خود اخلاقی اعتبار سے ذمہ دار ہے اور اسے سوالات خود بھی حل کرنے ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ اس لئے سر سید احمد خاں نے پرانی شریعت کو رد کر کے اس کی جگہ نئی شریعت نہیں دی اور نہ ہی ان کے جانشینوں نے ایسا کیا، تاہم انہوں نے قرآن کے صرف عام اخلاقی اصولوں پر زور دیا''۔

گو کہ سید احمد خاں کو پاکستان میں مسلم قومیت کا پہلا شارح سمجھا جاتا ہے لیکن مذہب اور سائنس کے متعلق ان کے نظریات کی حمایت کرنے والے بہت کم ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایک متنازعہ شخصیت ہیں۔ انگریزوں کی خوشامد اور عورت مخالف رویے کی وجہ سے وہ موجودہ دور کے کئی قوم پرستوں اور ترقی پسندوں کو بھی عزیز نہیں ہیں۔ تاہم وہ ایسی شخصیتوں میں یقیناً سب سے زیادہ اہم ہیں، جنہوں نے اسلام اور جدید دور کے درمیان پل بنانے کی کوشش کی تھی۔

سید امیر علی (1849-1924ء)

سید امیر علی نے علی گڑھ میں تعلیم پائی۔ وہ سید احمد خاں کے مضبوط پیروکار تھے۔ ان کی شاہکار کتاب "The Spirit of Islam" ایک مقصد کو سامنے رکھ کر لکھی گئی تھی اور وہ مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ صحیح اسلام انقلابی، عقلی اور ترقی پسندانہ مذہب ہے۔ یہ کتاب پہلی بار 1891ء میں شائع ہوئی۔ 1922ء تک اس میں کئی بار اضافے کئے گئے اور یہ کئی بار شائع ہوئی۔ اسے تمام دنیائے اسلام میں پڑھا گیا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں جدید زمانے کے مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لئے یہ ایک قطعی اور ہمہ گیر کام تھا جو بیشتر مستشرقین کی بدنیتی پر مبنی اسلامی تاریخ، اقدار اور مذہبیات کی ترجمانی کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن یہ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ کام بھی تھا جس کی وجہ سے اس کے مصنف کو بار بار جدید مغربی نظریات کا ایسا وکیل کہا گیا جو ان کی حمایت صحیح اسلامی نظریات کی قربانی دے کر کر رہا تھا۔

سائنسی ترقی اور اسلام سے سید امیر علی کا تعلق پوری کتاب میں جاری و ساری ہے۔ ان موضوعات پر ان کے خیالات کی تلخیص مندرجہ ذیل ہے

☆ قرآن اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔علم میں سائنس بھی شامل ہے۔ یہی وجہ تھی کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے سائنس کا مطالعہ کیا۔

☆ ارسطو کا فلسفہ اور عقلیت پسندانہ فکر پوری طرح اسلام سے مطابقت رکھتے تھے۔ معتزلہ تحریک کی طرف ہمارا رویہ ہمدردانہ ہونا چاہیے۔ اگرچہ یہ تحریک بعض اوقات مناسب حدود سے تجاوز کر جاتی تھی۔ مسلمان فلاسفر اور دانشور الکندیؒ الفارابیؒ ابن سینا' ابن الہثیم ' ابن رشد۔۔۔۔۔۔۔ اسلام کے برگزیدہ دانشور یا ابطال جلیل تھے۔

☆ کٹر پن یا اندھی راسخ العقیدگی کے سبب اسلامی سائنس اور ثقافت کا زوال ہوا۔ سید امیر علی اس کا ذمہ دار: الاشعریؒ ابن حنبلؒ الغزالی اور ابن تیمیہ کو ٹھہراتے ہیں۔

☆ ضرورت اس بات کی ہے کہ سائنس کو مغرب سے اسلام میں واپس لایا جائے۔ سائنس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے اسلام نامانوس ہو اور نہ ہی یہ غیر اسلامی ہے۔

سید امیر علی پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان سے سائنس اور فلسفہ وحکمت کیوں اٹھ گئے اور ان کی جگہ ''غیر عقلی کلیسائی آبائیت'' نے کیوں لے لی؟ ان کی رائے میں اسلام کو امام اور مجدد کے چنگل سے نکلنا چاہیے اور مسلمان کے ذہن کو لفظی تفسیروں کی زنجیروں سے آزاد ہونا چاہیے۔ ان کے نزدیک موجودہ صورت حال زمانہ اوسط کی طرح ہے جبکہ کلیسا نے کفر یا منافقت کے الزامات لگا کر بے شمار لوگوں کو نذر آتش کر دیا تھا اور خود کو سائنس کا سب سے بڑا دشمن ثابت کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوتھر نے اصلاح دین کے لئے بغاوت کی۔ امیر علی کہتے ہیں کہ عیسائیت کی طرح اسلام کو بھی اصلاح (ریفارمیشن) کی ضرورت ہے۔ مندرجہ ذیل عبارت (جس سے ان کے ہم مذہب بہت برافروختہ ہوئے تھے) میں وہ سنی مکتب فقہ کو کلیسائے روم اور مکتب معتزلہ کو اسلامی پروٹسٹنٹ تحریک کے مترادف قرار دیتے ہیں:

''پانچ صدیوں تک اسلام نوع انسان کے آزادانہ ذہنی ارتقا میں مددگار رہا۔ پھر ایک رجعت

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

پرستانہ تحریک درآئی اور یکا یک انسانی فکر کا دھارا بدل گیا۔ سائنس اور فلسفہ کی پرورش کرنے والوں کو اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ سنی مکتب فقہ بھی کلیسائے روم سے کچھ سبق سیکھے؟ کیا اس کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ بھی کلیسائے روم کی طرح پھیل کر ہمہ جہت ہو جائے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں ایسی کوئی بات نہیں جو اس بات سے منع کرتی ہے۔ اسلامی پروٹسٹنٹ تحریک نے (جو اپنے ارتقا کے ایک دور میں معتزلہ تحریک تھی) اس کے لئے پہلے ہی راہ ہموار کر دی ہے۔ سنی مکتب فقہ پرانی قیود توڑ کر نئی زندگی کیوں اختیار نہیں کر سکتا۔

سید احمد خاں اور سید امیر علی نے ایک طرف سائنس اور فلسفہ کا زوردار دفاع کیا تو دوسری طرف معاشرتی معاملات میں عام نرمی اور روشن خیالی کا رویہ اپنایا۔ انہوں نے کثرت ازدواج اور پردے کو جدید زمانے کے تقاضوں کے خلاف قرار دیا۔ جہاد کو درحقیقت ذہنی یا فکری جنگ کے مترادف سمجھایا اور زور دے کر کہا کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام جنگیں خالص دفاع کے مقصد سے لڑی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ چوری کے لئے ہاتھ کاٹنے یا زنا کے لئے سنگسار کرنے کی سزائیں ایسے قبائلی معاشروں میں مناسب تھیں جن میں قید خانے نہیں ہوتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ قرآن حکیم ایسی زبان میں ہے جو عام ریگستانی لوگوں کی سمجھ میں بھی آ سکتی ہے۔ مثلاً جنت کی حوریں وہ مخلوق ہیں جن کا تذکرہ زرتشتی مذہب میں ہے جبکہ دوزخ اور اس کی سخت سزائیں تلمود سے ماخوذ ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''خالص اسلام'' کے احیاء اور عصر جدید سے اسلام کی ہم آہنگی ثابت کرنے کے لئے جدیدیت اور اجتہاد کے حامیوں کو پل صراط پر چلنا پڑا۔ یہ فیصلہ مشکل ہے کہ آیا اسلام کی تنظیم نو کے لئے ان کی کوششیں مضبوط یقین پر مبنی تھیں یا مسلمانوں کے مستقبل سے متعلق حقیقت پسندانہ تردد کا نتیجہ تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اس طرز عمل کے پیچھے متعدد محرکات کارفرما تھے' مثلاً سچا یقین' کٹر مذہبیت کا خوف' یہ یقین کہ اگر مسلمان جدید تہذیب و ترقی کو ٹھکراتے رہے تو تباہ ہو جائیں گے اور یہ خیال کہ ہم مغرب کو اچھے نظر آئیں۔ سید احمد خاں کی مساعی مندرجہ بالا محرکات کا مظہر ہیں۔ انہوں نے کٹر پن کے شدید ترین غیظ وغضب کا سامنا کیا۔ ان کی بنائی ہوئی علی گڑھ یونیورسٹی کا بائیکاٹ کیا گیا۔ علماء

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے ان کے خلاف کفر و الحاد کے کئی فتویٰ جاری کیئے۔ مقدس خانہ کعبہ کے متولی نے انہیں اسلام کا دشمن اور واجب القتل قرار دیا۔ بایں ہمہ سید احمد خاں نے مسلمانوں کے مفادات کے دفاع اور ان کی ترقی کے لئے جو جدوجہد کی' اس کے باعث آئندہ نسلیں ان کا نام یاد رکھیں گی۔

عملیت پسندوں کا رویہ

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی اکثریت عملیت پسندوں پر مشتمل ہے۔ وہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ دین و مذہب کے تقاضوں کو سیاسی و معاشی زندگی یا سائنس اور دنیاوی علوم سے علیحدہ رکھا جائے۔ عملیت پسند اس مبہم سے یقین کو کافی سمجھتا ہے کہ اسلام اور جدید دور کے تقاضوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ وہ اس قسم کی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ اس کے نزدیک نئے زمانے اور اسلام کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے قرآن کی اجتہادی تفسیر یا نئے معنی کی تلاش کوئی خاص ضروری کام نہیں ہے۔

نئے زمانے اور سائنس کے حامی ابتدائی عملیت پسندوں میں جمال الدین افغانی (1897۔ 1838) کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ افغانی کے خیالات نے مسلمانوں کو مغربی استعمار کے خلاف جدوجہد میں ابھارا تھا۔ انہوں نے سامراج کے خلاف اسلام کے عسکری کردار پر زور دیا تھا۔ ان کے نظریات کا یہ رخ روشن خیال مفکروں اور قدامت پرست بنیاد پرستوں کے لئے یکساں اہمیت کا حامل ہے۔ کبھی کبھی ان کو عصر حاضر میں اسلامی احیاء کا ہراول دستہ کہا جاتا ہے اور عربی ادب میں ان کو "شمع مشرق" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ سائنس اور جدید زمانے پر افغانی کے نظریات کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں' کیونکہ سید احمد خاں (جو افغانی کے ہم عصر تھے) جیسے مجتہدین کے برعکس افغانی نے اسلام کی نئی تفسیر نہیں کی۔ اس کے بجائے انہوں نے مغرب کے نو آبادیاتی سامراج کے خلاف اسلام کی متحد کرنے والی خصوصیت پر زیادہ زور دیا۔ ان کا کارنامہ یہ تھا کہ مسلمان عوام کو غیر ملکی سامراجی غلبہ کے خلاف ابھارا اور ان میں مقصدیت و تفاخر پیدا کیا۔

ان کے سوانح نگار' نکی کیڈی کے مطابق افغانی دراصل اسعد آباد' ایران میں پیدا ہوئے تھے' نہ کہ افغانستان میں' جیسا کہ وہ خود دعویٰ کرتے تھے وہ تدریس کے ابتدائی دور میں ابن سینا جیسے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسلام کے عقلی مفکروں کے خیالات سے متاثر ہوئے۔ اس قسم کے خیالات بیشتر سنی دنیا میں ممنوع تھے' لیکن شیعہ ایران میں فلسفیانہ روایت پرانے زمانے سے چلی آ رہی تھی۔ معتزلہ کی عقلی روایت کا حامل ہونے کے باعث افغانی کے خیالات کٹر علماء کے لئے اکثر پریشان کن ہوتے تھے۔ 1870ء میں مذہبی علماء کے دباؤ کی وجہ سے افغانی کو استنبول سے شہر بدر کیا گیا کیونکہ اس سے جدید سائنس کی تدریس کے لئے دارالفنون قائم کرنے کی وکالت کا جرم سرزد ہوا تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جمال الدین افغانی جدید سائنس کے کمالات اور طاقت سے بہت متاثر تھے۔ وہ مغرب کی طاقت کا راز جاننے کے آرزومند تھے۔ 1882ء میں اپنے کلکتے کے لیکچر میں انہوں نے کہا:

''میں یہ کہتا ہوں: گہرائی سے غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ دنیا پر سائنس کی حکمرانی ہے۔ سائنس ہی دنیا کی حاکم تھی' ہے اور رہے گی۔۔۔۔۔۔۔ سائنس کے فائدے بے شمار ہیں' ہمارے محدود خیالات لامحدود کا احاطہ نہیں کر سکتے''۔

وہ کہتے تھے کہ اسلام اپنے ساتھ تحقیق کا جذبہ لایا تھا:

''اولین مسلمانوں کے پاس سائنس نہیں تھی' لیکن مذہب اسلام کی بدولت ان میں فلسفیانہ روح پیدا ہوئی۔۔۔۔۔۔۔ چنانچہ منصور دوانقی کے زمانے میں انہوں نے سیریائی' فارسی اور یونانی سے عربی میں تراجم کر کے مختصر وقت میں تمام سائنسوں کا علم حاصل کر لیا تھا''۔

اس تقریر میں افغانی نے اس امر پر افسوس کیا تھا کہ آج کل مسلمان فلسفہ' ادب' منطق اور سائنسوں سے گریزاں ہیں۔ قرون اولیٰ کے مسلمان نہایت ذوق وشوق سے سائنس اور علوم حاصل کرتے تھے لیکن موجودہ دور کے مسلمان بالکل بے حس وحرکت اور پچھڑے ہوئے ہیں۔ افغانی نے ہندوستان کے مسلم علماء پر ان الفاظ میں سخت نکتہ چینی کی۔

''عجیب بات ہے کہ ہمارے علماء ملاسدرہ اور شمس البریہ پڑھتے ہیں اور خود کو عاقل و دانا کہہ کر فخر کرتے ہیں۔ لیکن حال یہ ہے کہ وہ بائیں اور دائیں ہاتھ کے درمیان تمیز بھی نہیں کر سکتے اور اس سوال پر غور نہیں کرتے کہ ہم کون ہیں اور ہمارے لئے کیا بات صحیح اور مناسب ہے۔ وہ کبھی بھی یہ معلوم کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ برقی قوت' دخانی کشتی اور ریلوے کی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایجادات کیا ہیں ۔۔۔۔۔۔ اس وقت ہمارے علماء ایک بہت ہی پتلی بتی کی مانند ہیں، جس کے اوپر ایک چھوٹی سی لوٹمٹمارہی ہے جو نہ تو اپنے آس پاس روشنی کرتی ہے اور نہ ہی دوسروں کو روشنی پہنچاتی ہے۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ آج کل ہمارے علماء نے سائنس کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ وہ ایک کو مسلم سائنس اور دوسرے کو فرنگی سائنس کہتے ہیں اور اس تقسیم کے ذریعہ انہوں نے کئی مفید سائنسوں کی تعلیم ممنوع قرار دے دی ہے"۔

جمال الدین افغانی کا عملیت پسند پہلو سب سے زیادہ اس خط و کتابت میں نمایاں ہے جو انہوں نے اسلامیات کے نامور فرانسیسی محقق، ارنسٹ رینان سے کی تھی۔ یہ خط و کتابت بلاشبہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ دراصل مغرب کے مانے ہوئے مخالف مذہب اور ایک مخلص مسلمان کے درمیان مباحثہ ہے۔ لیکن کیڈی کے بقول، اس مباحثہ کو مسلم دنیا میں مسخ کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ رینان نے چونکہ اسلام کو سائنس کا مخالف قرار دیا تھا، اس لئے افغانی نے یہ جواب دیا ہوگا، کہ اسلام تو سائنس دوست ہے۔۔۔۔۔۔ یہ مفروضہ غلط ہے۔ افغانی کی حالیہ ترجمہ شدہ دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایک چہرہ دکھاتے تھے اور مغرب کے سامنے دوسرا چہرہ پیش کرتے تھے۔

یہ مشہور مباحثہ کس طرح شروع ہوا؟ اس واقعے کی تلخیص مندرجہ ذیل ہے: مارچ 1883ء میں ارنسٹ رینان نے "اسلام اور سائنس" کے عنوان سے ایک لیکچر دیا جو بعد میں "جنرل دی دیبات" میں شائع ہوا۔ اس لیکچر میں اس نے تمام مذاہب پر نکتہ چینی کی لیکن اس کا خاص ہدف تنقید اسلام تھا کیونکہ اس کی رائے میں اس مذہب میں روحانی اور دنیاوی شعبوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا گیا ہے۔ بقول دینان اسلام کا Dogma یا عقیدہ "انسانیت کے گلے کا سب سے زیادہ وزنی طوق بن گیا ہے"۔

بعد کے ایک مضمون میں دینان نے یہ شدید نقطہ نظر پیش کیا ہے:

"اگر انسانی دماغ اپنے ضروری کام، یعنی مثبت سائنس کی تعمیر سرانجام دینا چاہتا ہے تو اسے تمام مافوق الفطرت عقائد سے آزاد ہونا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تشدد سے خاتمہ کیا جائے یا تیزی سے قطع تعلق کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ عیسائی عیسائیت چھوڑ دے یا مسلمان اسلام ترک کر دے۔ عیسائیت اور اسلام کے روشن خیال لوگوں کو رواداری کے ایسے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

مقام لاتعلقی پر پہنچنا چاہیے' جہاں مذہبی عقیدے بے ضرر ہو جاتے ہیں۔ یہ صورت تقریباً آدھی عیسائی دنیا میں پیدا ہو گئی ہے۔ امید کرنی چاہیے کہ اسلامی دنیا میں بھی ایسا ہی ہوگا''۔

کیا افغانی نے اس براہ راست حملے کا جواب غیظ وغضب سے دیا؟ اس کی توقع کی جا سکتی تھی۔ لیکن حقیقت میں افغانی نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس انہوں نے رینان کی دلیل کے اس پہلو سے یہ کہہ کر اتفاق کیا کہ:

''تمام مذاہب غیر متحمل ہوتے ہیں' ہر مذہب اپنے مخصوص انداز میں غیر روادار ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ میں اس امید کا دامن نہیں چھوڑ سکتا کہ ایک نہ ایک دن مسلم معاشرہ بھی اپنے بندھن توڑنے میں کامیاب ہو جائے گا اور مغربی معاشرے کی مانند مضبوط عزم کے ساتھ تہذیب کے راستے پر چلے گا۔ میں ایم۔ رینان سے مسلم مذہب کی نہیں بلکہ ان کے کروڑوں انسانوں کی وکالت کرتا ہوں جو کہ اس طرح وحشت و جہالت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مسلم مذہب نے سائنس کا گلا گھونٹنے اور اس کی ترقی روکنے کی کوشش کی ہے''۔

اس بات پر افغانی کو رینان سے کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے کہ سائنس اور تحقیق کے لئے اندھا عقیدہ سم قاتل ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک ہی طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

''سچے دین دار کو عملاً مطالعہ کے ان راستوں سے منہ موڑ لینا چاہیے۔ جو سائنسی سچائی کی طرف جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ ہل میں جتے ہوئے بیل کی طرح' عقیدے کے غلام کی مانند' جو کہ وہ ہوتا ہے۔ اس کو اسی لکیر پر ہمیشہ چلتے رہنا چاہیے' جو قانون کے مفسروں نے اس کے لئے پہلے سے متعین کر دی ہے۔ اس کے علاوہ یہ یقین کر کے کہ اس کا مذہب بجائے خود تمام اخلاقیات اور تمام سائنسوں کا منبع ہے' وہ نہایت عقیدت مندی اور شدت کے ساتھ اپنے مذہب سے وابستہ رہتا ہے اور اس سے آگے جانے کی کوشش نہیں کرتا۔ اگر کسی کو یہ یقین ہو کہ اس کو پہلے سے ہی سب کچھ حاصل ہے تو وہ حق کی تلاش (سچائی کی کھوج) کیوں کرے گا؟۔۔۔۔۔۔۔ اسی لئے وہ سائنسوں سے نفرت کرتا ہے''۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ رینان کو مذکورہ بالا خط جمال الدین افغانی نے نہیں بلکہ کسی اور افغانی نے لکھا تھا۔ یہ گمان بھی کیا گیا ہے کہ افغانی کو بدنام کرنے کے لئے کسی گمنام شخص نے یہ خط

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

لکھا ہوگا۔ لیکن یہ خیال غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ رینان کے نام افغانی کے اس خط سے شدید غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور پیرس میں مسلمان نوجوانوں کے درمیان تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب افغانی کے پیروکار عبدہ نے یہ خط مصر میں شائع کرنے کی اجازت طلب کی تو افغانی نے ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا۔ چونکہ سید جمال الدین افغانی اور سید احمد خاں دونوں ہی نئے زمانے کی روشن خیال اور عقلیت پسندی کے حق میں تھے' اس لئے ان کے درمیان ایک حد تک دوستی اور تعاون کی توقع کی جا سکتی تھی۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا۔ افغانی تو سید احمد خاں کے کھلے مخالف تھے۔ وہ سید احمد خاں کو اسلام سے انحراف اور کفر کا ملزم ٹھہراتے تھے۔ اپنے ایک مضمون میں انہوں نے سید احمد خاں پر سیدھا حملہ ان الفاظ میں کیا تھا:

''ہوا یوں کہ احمد خان بہادر نامی ایک شخص انگریزوں سے کچھ فائدہ حاصل کرنے کے لئے ان کے گرد چکر لگاتا تھا۔ اس نے خود کو ان کے سامنے پیش کیا اور اپنے مذہب سے روگردانی کر کے انگریز مذہب کو اختیار کرنے کی سمت کچھ قدم اٹھائے۔ اس نے اس راستے پر سفر کی ابتدا اس طرح کی کہ ایک کتاب یہ ثابت کرنے کے لئے لکھی کہ تورات اور انجیل میں کوئی تحریف نہیں کی گئی ہے۔ اس کے نظریے سے انگریز حکمران خوش ہوئے اور انہوں نے اس میں مسلمانوں کے دل آلودہ کرنے کا بہترین مواد دیکھا۔ انہوں نے اس کی حمایت کی' اسے عزت بخشی اور علی گڑھ میں محمڈن کالج قائم کرنے میں اس کی مدد کی تاکہ اسے ایمان والوں کے بچوں کو پھانسنے کے لئے جال کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ احمد خان نے قرآن کی تفسیر لکھی اور الفاظ کے معانی اور اللہ کی وحی کے مطالب مسخ کئے۔۔۔۔۔۔۔ اس نے اعلانیہ تمام مذاہب ترک کرنے کی ترغیب دی''۔

یہ پڑھ کر قاری پر واضح ہو جانا چاہیے کہ سید جمال الدین افغانی کیونکر اول و آخر عملیت پسند یا مصلحت پسند تھے۔ یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں کہ آیا افغانی اسلام پر اپنے عقیدے میں مخلص تھے یا نہیں لیکن مندرجہ بالا اقتباسات میں اس بات کی کافی شہادت موجود ہے کہ وہ اپنے عقائد میں کٹر نہیں تھے۔ تاہم انہوں نے راسخ العقیدہ علماء کی زبان میں سید احمد خاں پر تنقیدی حملہ کرنے کو ترجیح دی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے' ان کے نزدیک برطانوی سامراج سے تعاون

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنے والا ہر شخص قابل نفرت غدار تھا اور اس پر ہر طریقے سے حملہ کرنا جائز تھا۔ سید احمد خاں پر کفر یا غیر مقلد ہونے کے الزام کی بنیاد پر حملہ زیادہ کارگر ہوسکتا تھا کیونکہ اس طرح برطانوی سامراج کے مخالف راسخ العقیدہ ہندوستانی علماء کی حمایت کی ضمانت حاصل ہوسکتی تھی۔

غالبًا افغانی پہلے جدید عملیت پسند تھے۔ وہ ایسے لیڈر تھے جو مسلمان عوام کو میدان عمل میں لانے کے لئے مذہبی جذبہ کی زبردست قوت کا شعور رکھتے تھے۔ دوسروں کی طرح انہوں نے مذہب کو سیاسی قوت کے طور پر استعمال نہیں کیا' اس کے بجائے انہوں نے اقتصادی و سیاسی زندگی سے مذہب کو علیحدہ رکھنے پر زور دیا۔ اتاترک کے ترکی میں عملیت پسندی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ انقلاب کے دنوں میں ضیاء گوکلپ نے یہ نعرہ دیا تھا ''ترک قوم مسلم مذہب اور یورپی تہذیب کے ہو جاؤ''۔

حاصل کلام

نو آبادیاتی سامراج کا عہد ختم ہونے کے بعد اسلامی دنیا کے افق پر متعدد عملیت پسند رہنما نمودار ہوئے۔ محمد علی جناح' جمال عبدالناصر' حبیب بورقیبہ اور ذوالفقار علی بھٹو' ایسے لیڈر تھے' جنھوں نے اسلام کی تعریف میں محض لفاظی کرنے کے بجائے عوام کو عمل کرنے پر اکسایا۔ گو کہ عصر حاضر کی اسلامی دنیا میں احیاء پسند بنیاد پرستی کا رجحان نمایاں نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عملیت پسند مسلمان اب بھی اکثریت میں ہیں۔ پاکستان میں 1970ء کے انتخابات میں ذوالفقار علی بھٹو کی سیکولر پاکستان پیپلز پارٹی کے ہاتھوں بنیاد پرست جماعت اسلامی کی شکست فاش' اسلامی جمہوری اتحاد کے خلاف نومبر 1988ء کے انتخاب میں بے نظیر بھٹو کی فتح اور آیت اللہ خمینی کے ایران میں بنی صدر جیسے سیکولر شخصیت کی صدارتی انتخاب میں کامیابی' اس امر کا کھلا ثبوت ہیں کہ اگر کوئی بدل پیش کیا جائے تو عام مسلمان بنیاد پرستوں کے اسلامی تصور کو قبول نہیں کرتے۔ لیکن یہ بات معنی خیز ہے کہ گزشتہ دہائی میں مسلم معاشروں کی جدید دنیا کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی اہلیت اور ارادے کو کافی کمزور کیا گیا ہے۔ اسلامی دنیا میں سائنس اور تہذیب کے مستقبل کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ آیا خاموش اکثریت معاشرے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیتی ہے یا احیاء پرستوں کے حملے کی تاب نہ لا کر خاموش ہی رہتی ہے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

باب ٦

ترجمہ (جو موجود نہیں وہ وجود میں نہیں آ سکتا' اور جو موجود ہے وہ تباہ نہیں ہو سکتا)

مصنف فاتحانہ انداز سے دعویٰ کرتا ہے کہ اس سطر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہزاروں سال پہلے عہد عتیق کے ہندوستانی جدید طبیعیات کے ایک بنیادی ستون یعنی مادہ و توانائی کی بقا کے قانون سے واقف تھے۔ اس کو نہ صرف گیتا کی تقدیس کے ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا بلکہ اس سے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ مقدس صحیفوں کے نزول سے اب تک انسانی عقل و علم میں کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں ہوا ہے۔

مثالوں کی کوئی کمی نہیں۔ بعض ہندو بنیاد پرستوں نے نہایت سنجیدگی سے وید کا یہ تصور بیان کیا ہے کہ کس طرح کائنات پرکرتی (ابتدائی مادہ) سے کچھ کلپوں (ہندو کے عقیدے کے مطابق ایک کلپ چالیس ارب سال کا ہوتا ہے) کے عرصے میں تخلیق ہوئی اور یہی وہ بات ہے جو بعد میں جدید طبیعیات یا تخلیق کے Big Bang نظریے میں کہی گئی ہے۔ دیگر بنیاد پرست ہندو منو کے قوانین کو طبعی حقیقت کا بیان سمجھتے ہوئے یہ دلیل دیتے ہیں کہ مختلف مادوں کے درمیان فرق گنوں اور تن ماتراؤں کی مقدار میں فرق سے پیدا ہوتا ہے۔ ایسے بھی ہندو ہیں جن کو بہت خوشی ہے کہ اب آواگون سائنسی طور پر ثابت شدہ حقیقت ہے۔ وہ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں بعض ماہرین نفسیات کی یہ گواہی پیش کرتے ہیں کہ مرتے ہی آدمی کے وزن میں یکایک پچاس گرام کی کمی ہو جاتی ہے۔ ان کے بقول یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آتما (روح) نے جسم کو کہیں اور نیا جنم لینے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ پھر قاری نے پربھوگنیش کے اس حالیہ واقعے کے بارے میں سنا ہوگا کہ اس کی مورتی دودھ پیتی ہے جس کو دیکھنے کے لئے لاکھوں عقیدت مند جمع ہوئے۔ اس طرح ایک کے بعد ایک مثال دی جا سکتی ہے۔ لیکن میں پہلی مثال کا ہی زیادہ قریب سے جائزہ لوں گا۔ اس سے متعلق دو سوال پوچھے جا سکتے ہیں۔ پہلا کیا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ ''جو موجود نہیں' وہ وجود میں نہیں آ سکتا اور جو موجود ہے' وہ تباہ نہیں ہو سکتا؟'' دوسرا ''کیا یہ صحیح ہے کہ گیتا کے اس اشلوک میں مادہ و توانائی کی بقا کے قانون کی طرف اشارہ ہے؟''

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

پہلے سوال کا جواب ہے ''شاید''۔ جواب اس پر منحصر ہے کہ ''موجود یا وجود میں ہونا'' کی آپ کس طرح تشریح کرتے ہیں۔ کاغذ کا ایک ٹکڑا آگ میں جلائیے۔ ظاہر ہے کہ جلنے کے بعد کاغذ کا ٹکڑا کاغذ کی حیثیت میں موجود نہیں رہا۔ لیکن یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ کاغذ کے جوہر وہ ذرے تھے، جن سے مل کر کاغذ بنا تھا۔ جلنے کے عمل سے کاغذ گیسوں میں تبدیل ہو گیا اور اصل ذرات قائم رہے۔ اس طرح اگر مناسب طریقے سے تفسیر کی جائے تو گیتا کے اشلوک 2.16 اور تجربے میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ اشلوک وجود کی تعریف کے بارے میں مبہم ہے، اس لئے اس کی تردید ناممکن ہے۔

دوسرے سوال کا جواب ''قطعی نفی'' ہے۔ کوئی عالم طبیعیات گیتا کے اشلوک 2.16 کو طبعی قانون یا کلیہ کا صحیح بیان تسلیم نہیں کرے گا۔ گو چند ماہرین طبیعیات یہ رائے رکھ سکتے ہیں کہ اس میں کوئی بہتر مابعد الطبیعیاتی نظریہ موجود ہے۔ بات یہ ہے کہ جدید طبیعیات بہت ہی دقیق، واضح اور صحیح مضمون ہے اور مبہم بیانات برداشت نہیں کرتا۔ طبیعیات میں اسی بیان یا دعوے کی قدر ہوتی ہے جس کی سچائی کو پرکھا جا سکے اور اعداد و شمار سے اس کا تعین کیا جا سکے۔ یہ بیان کہ ''مادہ یا توانائی پیدا نہیں کئے جا سکتے یا تباہ نہیں کئے جا سکتے'' بجائے خود مفید نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی مادے کی ناپ تول کا ایک واضح طریق کار ہونا چاہیے اور توانائی کی عملی تعریف ہونی چاہیے اور اس کے اشعاع یا پیداوار کی شرح ناپنے کا بھی طریقہ بتانا چاہیے۔ اگر ان چیزوں کے ناپ یا تعین کا ٹھیک ٹھیک حسابی طریقہ نہ ہو تو کسی بھی بیان کے کئی مختلف معنی ہو سکتے ہیں اور ایسا بیان یا دعویٰ عالم طبیعیات کے کسی کام کا نہیں ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں مبہم بیانات، مثلاً جو موجود نہیں، وہ وجود میں نہیں آ سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔ پیش گویانہ نہیں ہوتے۔ ان بیانات کی بنیاد پر ہم طبعی عمل کی مطلق پیش گوئی نہیں کر سکتے یا اوزار نہیں بنا سکتے اور نہ ہی نئے تجربات تجویز کر سکتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اگر کوئی سائنسی دریافت ہو جائے تو کسی نہ کسی مذہبی صحیفے کی عبارت کو مناسب معنی پہنا کر اس کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

کبھی کبھی تمام سائنس کو مختلف مقدس صحائف سے متعلق کرنے کی خواہش دلچسپ ذہنی بازی گری پر منتج ہوتی ہے۔ قابل احترام فلکی طبیعیات کے عالم ج۔ و۔ نارلیکر فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں جبکہ تخلیق کائنات کے متعلق ''مستقل حالت'' کا نظریہ رائج تھا، مذہبی ہندوؤں نے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہت سے شواہد یہ ثابت کرنے کے لئے جمع کئے تھے کہ اس موضوع پر ویدوں کا متن اس نظریے سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔لیکن افسوس کہ بعد میں یہ نظریہ غلط ثابت ہوا اور اس کی جگہ تخلیق کے "Big Bang" نظریے نے لے لی۔اس تبدیلی سے ہندو بنیاد پرست ذرا بھی پریشان نہیں ہوئے اور انہوں نے فوراً ویدوں میں ایسی عبارتیں تلاش کر لیں جو نئے نظریے سے مطابقت رکھتی تھیں اور ایک بار پھر نہایت فخر کے ساتھ عقل عتیق کی فتح کا دعویٰ کیا۔قرآن کے بعض مفسروں نے بھی آیات سے سائنسی حقائق کے استنباط کا مذکورہ بالا طریقہ اختیار کیا ہے۔ان مفسرین میں مورس بکائل سب سے زیادہ ممتاز اور مقبول مصنف ہے۔

مورس بکائل ایک فرانسیسی سرجن تھا جو بعد میں روحانیات کی طرف مائل ہو گیا۔اس کو اپنی کتاب ''بائبل' قرآن اور سائنس'' کی اشاعت کے بعد پورے عالم اسلام میں نمایاں مقام حاصل ہو گیا۔ یہ کتاب کئی زبانوں میں ترجمہ کی گئی ہے اور مسلمانوں کی مذہبی تنظیموں نے اس کی بے شمار جلدیں چھاپ کر تمام دنیا میں مفت تقسیم کی ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی مدد سے بے شمار مبلغین بین الاقوامی ہوائی اڈوں اور امریکی یونیورسٹیوں میں لوگوں کو مسلمان بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔جن مسلم دانشوروں کو میں جانتا ہوں' ان میں سے اکثر نے یا تو اس کتاب کو پڑھا ہے یا اس کے متعلق سن رکھا ہے۔ جہاں تک مصنف کا تعلق ہے' وہ بلاشبہ مقبول ہے۔ شاید اس کا ایک سبب یہ ہے کہ وہ سفید فام ہے اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ نو آبادیاتی دور ختم ہونے کے باوجود سفید جلد اب بھی قابل احترام ہے۔ بہرحال اسلامی کانفرنسوں میں جناب بکائل کی بہت مانگ رہتی ہے۔ایسی ہی ایک کانفرنس قرآن وسنت کے سائنسی معجزات پر پہلی بین الاقوامی کانفرنس تھی۔ جناب بکائل اس کے چیئر مین تھے۔

جناب بکائل کا طریقہ سادہ ہے۔ وہ اپنے قاری کی توجہ کسی ایک قرآنی آیت پر مبذول کرتے ہیں' اس آیت کے مختلف ممکنہ معانی بتاتے ہیں اور وہ معنی منتخب کر لیتے ہیں جو کسی سائنسی حقیقت سے مطابقت رکھتا ہے۔ وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ مظاہر قدرت کے بیان میں بائبل نے اکثر غلطیاں کی ہیں لیکن قرآن کے بیانات ہمیشہ صحیح ہوتے ہیں اور قرآن نے جدید سائنس کی تمام بڑی دریافتوں کی صحیح پیش گوئیاں کی ہیں۔ اس نتیجے کے ثبوت میں وہ شہد کی مکھیوں' مکڑیوں' پرندوں' پودوں' مختلف قسم کی سبزیوں' جانوروں کے دودھ' جین اور انسانی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

تناسل کے متعلق قرآنی حوالے پیش کرتے ہیں۔ غیر جاندار مادے سے متعلق ان کی بحث نظام شمسی کے سیاروں، کہکشاؤں اور مادے کے علاوہ کائنات کے پھیلاؤ اور خلائی تسخیر پر محیط ہے۔ ہر موضوع کے متعلق ان کی بحث کا اختتام اس نتیجہ پر ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کی سائنسی حقائق سے حیرت انگیز مطابقت قرآن کی معجزاتی نیچر کا ثبوت ہے۔

جناب بکائل اپنے طریق کار سے پوری طرح مطمئن معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ مسلمان جو ایمان اور عقلی دلائل کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتے ہیں، جناب بکائل کے طریق کار میں دو بڑے نقائص دیکھتے ہیں، گو کہ وہ قرآن شریف کی تقدیس میں یقین رکھتے ہیں۔

پہلا نقص: یہ ماننا چاہیے کہ کسی بیان یا دعوے کا ثبوت اسی صورت میں بامعنی ہوتا ہے جبکہ اس کے غلط ثابت ہونے کے امکان کو بھی تسلیم کیا جائے۔ اس کا کیا مطلب ہوگا کہ اگر یہ یقین کر لیا جائے کہ ایک مثلث کے زاویوں کی مجموعی ڈگریاں (درجے) 180 ہوتے ہیں اور پھر یہی بات ''ثابت'' کی جائے کیونکہ ایمان یا اعتقاد رکھنے والے جانتے ہیں کہ قرآن کا کسی بھی نہج سے غلط ہونا غیر ممکن ہے۔ اس لئے قرآن کی نیچر کو مقدس ثابت کرنے کی تمام کوششیں کلی طور پر بظاہر صحیح معلوم ہوں گی۔

دوسرا نقص: ایک ابدی صداقت کو سائنس کے متغیر نظریوں یا کلیوں سے منسلک کرنا خطرناک کام ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کائنات کے متعلق ہماری تفہیم میں بڑی تبدیلی آ سکتی ہے اور سائنس پرانے نظریات کو نہایت بے شرمی سے ترک کر کے نئے نظریات اپنا لیتی ہے کیا سائنس کی ریگ رواں پر مذہبی نظریے کی بنیاد رکھنے سے مذہب کو نقصان نہیں پہنچے گا؟ مثال کے طور پر مورس بکائل واضح طور پر کہتے ہیں کہ قرآن میں ایسی کائنات کا تذکرہ ہے جو برابر وسعت پذیر ہے۔ اچھا، ہم اس بات کو تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز کئے دیتے ہیں کہ نجوم کے مشاہدات کے ذریعہ اس مظہر قدرت کے ثابت ہونے کے بعد اچانک یہ دریافت کیا گیا کہ کائنات کی وسعت پذیری تو پرانے زمانے سے ایک معلوم شدہ مذہبی حقیقت ہے۔ اب سوچئے اس صورت میں کیا ہوگا اگر آئندہ نئے فلکیاتی مشاہدات سے یہ ثابت ہو جائے کہ کائنات پھیلنے کے بجائے سکڑ رہی ہے اور واقعی، علمائے کائنات کو شبہ ہے کہ اب سے چند کھرب سال بعد کائنات کا پھیلاؤ بند ہو جائے گا اور پھر وہ سکڑنے لگے گی۔ اگر ہم یہ فرض کر

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیں کہ زندگی اس وقت بھی آج کی طرح ہی ہوگی' تو یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ چند کھرب سال بعد دنیا سکڑ رہی ہوگی تو بکائل کا پیرو کیا کہے گا؟ شاید وہ فلکیاتی مشاہدے کو مذہبی صداقت کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے رد کر دے گا۔ لیکن زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ وہ عربی زبان کے غیر دریافت شدہ نئے مطالب و معانی دریافت کرے گا اور ان کی بنیاد پر یہ ثابت کرے گا کہ پرانی تفسیریں غلط تھیں اور پھر کوئی ایسی مناسب عبارت تلاش کرے گا جو جدید سائنسی حقائق کے مطابق ہوگی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایم۔ بکائل کی کتاب میں ایک بھی ایسی پیش گوئی نہیں ہے جو اب تک نامعلوم ہو اور جسے مستقبل میں مشاہدے یا تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہو۔ قرآن سے قدرتی سائنسوں کے استنباط کی جعلی سائنسی کوششیں' جن کی چند مثالیں پیش کی گئی ہیں' جدید دور کے بعض عظیم مسلمانوں کا ہدف تنقید رہی ہیں۔ مثال کے طور پر علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی سر سید احمد خاں نے ایک زاویہ نگاہ پیش کیا ہے جو اس بنیاد پرستانہ فکر کے قطعی خلاف ہے جس کی نمائندگی بکائل کرتا ہے۔ سید احمد خاں کے نزدیک قرآن کو سائنس کی کتاب سمجھنا غلط ہے۔

مذہبیات کے عالم کی حیثیت سے سید احمد خاں نے اپنی تحریروں کا کافی حصہ قرآن کے ضروری پیغام کو یونانی علم فلکیات کے بعض مبہم اور غلط تصورات سے الگ کرنے میں صرف کیا۔ گو وہ قرآن کو مقدس اور الہامی صحیفہ مانتے تھے لیکن ان کی رائے میں قرآن سے سائنسی حقائق کا استنباط قطعی غلط فعل تھا۔ وہ کہتے ہیں:

''قرآن نہ تو یہ ثابت کرتا ہے کہ زمین ساکن ہے اور نہ ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ زمین حرکت میں ہے۔ اسی طرح' قرآن سے یہ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ سورج ساکن ہے۔ قرآن مقدس کو فلکیات کے ان مسائل سے کوئی تعلق نہ تھا' کیونکہ ان معاملات کا فیصلہ انسانی علم میں ترقی کے ذریعہ ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔ دین کا حقیقی مقصد اخلاق کی اصلاح ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ مجھے پورا یقین ہے کہ خدائی عمل اور خدائی لفظ ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہو سکتے' البتہ' ہم اپنے غلط علم کی وجہ سے کبھی کبھی لفظ کے معنی سمجھنے میں غلطیاں کرتے ہیں''۔

سید احمد خاں کے عقیدے کا نچوڑ یہ ہے کہ ''دین کا حقیقی مقصد اخلاق کی اصلاح ہے''۔ وہ کہتے ہیں کہ سائنسی حقائق کو مشاہدات اور تجربات کے ذریعہ دریافت یا ثابت کرو نہ کہ مذہبی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کتاب کو سائنس کی کتاب سمجھ کر اس کے متن کی تفسیر سے۔ اپنے عقائد کی توضیح اور برطانوی ہند میں مسلمانوں کے مفاد کے تحفظ کے لئے تسلیم شدہ کردار کی وجہ سے سید احمد خان کا فلسفہ اصولاً بکائیت کی ان مختلف اقسام کا توڑ فراہم کرتا ہے جو آج کی دنیا میں بہت مقبول ہے۔

سید حسین نصر

اسلام اور جدید سائنس کے درمیان مطابقت ثابت کرنے کے لئے جدیدیت پسند مسلمان یہ دلیل دیتے ہیں کہ سائنس مسلم ممالک میں پھلی پھولی اور تقریباً پانچ صدیوں تک اس کی چمک دمک قائم رہی۔ اس لئے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اسلام بلاشک وشبہ جدید سائنس کا حامی ہے۔ نئی روشنی کے حامیوں کی اس دلیل پر بعض بنیاد پرست مسلم علماء معترض ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مقبول سید حسین نصر ہیں۔

سید حسین نصر ایران میں پیدا ہوئے' وہیں ابتدائی تعلیم پائی۔ شیعہ عقائد انہیں ورثہ میں ملے۔ انہوں نے علم طبیعیات میں امریکی MIT سے انڈر گریجویٹ ڈگری حاصل کی اور ہارورڈ یونیورسٹی سے تاریخ میں پی۔ایچ۔ڈی (Ph.D) کیا۔ انہیں عالم اور اسلامی سائنس کے مورخ کی حیثیت سے متعدد کتابیں تصنیف کرنے کے باعث بجا طور پر شہرت حاصل ہوئی۔

قوت ابلاغ نے نصر کو ان مورخوں میں' جو اسلام اور سائنس پر لکھ رہے ہیں' سب سے زیادہ با اثر بنا دیا ہے۔ ان کی وقعت اور بھی زیادہ ہوتی اگر وہ انقلاب سے پہلے شاہ ایران کی حمایت نہ کرتے اور مصنفین کی ایک ایسی تنظیم کے صدر نہ ہوتے جسے سرکار کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس وجہ سے وہ ایران سے باہر رہتے ہیں اور گزشتہ کئی سالوں سے ایک امریکی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔

سید نصر ایسے آزاد خیال اور جدت پسند دانشوروں سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام اور جدید سائنس کے درمیان مطابقت ہے۔ کیونکہ سید نصر کے خیال میں یہ لوگ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے اسلام کو دانستہ طور پر مسخ کرتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کی کھال کھینچنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔

''جدیدیت پسند مسلمانوں کی معذرت خواہانہ تحریریں جدیدیت کو خوش کرنے کے لئے کسی بھی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

انتہائی حد تک جا سکتی ہیں اور یہ دکھانے کے لئے کوئی بھی قیمت ادا کر سکتی ہیں کہ اسلام بہرحال ''جدید'' ہے اور یہ کہ عیسائیت کے برعکس یہ مذہب بالکل بھی سائنس کا مخالف نہیں ہے''۔

نصر کے نزدیک نئی روشنی کی حامل وہ تحریریں، جن میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسلام اور جدید سائنس کے درمیان مطابقت ہے۔۔۔۔۔۔سائنس سے مراد وہ سائنس ہے جس کا آغاز گلیلیو اور نیوٹن نے کیا ہے۔۔۔۔۔۔ وہ ناقابل اصلاح حد تک گمراہ کن ہیں۔ نصر کہتے ہیں کہ ان تمام تحریروں میں گمراہی کا گڑھا یہ غلطی ہے کہ عربی کے لفظ ''علم'' (جس کا مقصد مذہبی فرائض کی پابندی ہے) کو جان بوجھ کر مسخ کرتے ہوئے سائنس اور دنیاوی مطالعہ کے معنی پہنا دیئے گئے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ علم کا مطلب ہے خدا کے بارے میں جاننا، نہ کہ ناپاک یا دنیاوی امور کے متعلق معلومات حاصل کرنا۔ نصر تاکید کرتے ہیں کہ یہ بات نئی روشنی کے حامیوں کو جاننا چاہیے کہ جدید سائنس وہ سرطان ہے جو رفتہ رفتہ دین اسلام کا گودا کھا رہا ہے:

''خواہ کتنا ہی اس مسئلے کے وجود سے انکار کیا جائے، خواہ کتنے ہی بلند نعروں سے یہ اعلان کیا جائے کہ اسلام کی نیچر سائنسی ہے، لیکن ایسی سائنسی جو خدا سے انکار کے مترادف ہو، بلاشبہ دین اسلام کی بنیادیں کمزور کرتی چلی جائے گی''۔

نصر کے بقول مستقل طور پر جدید سائنس کی تکنیک اور اوزار استعمال کرنے والا سائنس دان، سچا اور پرہیزگار مسلمان ہونے کے باوجود اسلام کے تار پود کو نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ:

''انفرادی طور پر متقی اور پرہیزگار مسلمان کچھ بھی اعتقاد رکھیں، لیکن سائنس پر عمل کرنے سے وہ اسلامی دانش کی کائنات کو یقیناً نقصان پہنچاتے رہیں گے جب تک سائنس کو انسان پرستی اور سیکولرزم سے علیحدہ نہیں کیا جاتا۔

مشکل یہ ہے کہ جدید سائنس صرف عقل اور مشاہدے کو سچائی کی کسوٹی سمجھتی ہے۔ یہ بات نصر کی اسلامی بنیاد پرستی میں بالکل ناقابل قبول ہے۔ لیکن قدیم سائنسوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ان پر نصر مہربان ہیں کیونکہ:

''انہوں نے اس طرح کبھی بھی اسلام کو چیلنج نہیں کیا جس طرح جدید سائنس نے کیا ہے۔ روایتی مدرسوں میں جوان طلباء نے خیام کا الجبرہ و المقابلہ یا جابر ابن حیان کی کیمیا پر کتابیں

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

پڑھ کر نماز پڑھنا بند نہیں کیا۔ اس کے برعکس آج کے طلبا جدید ریاضی اور کیمیا پڑھ کر دین سے انحراف کرتے ہیں''۔

کیا زمانہ وسطیٰ کی سائنس اور جدید سائنس کے درمیان یہ فرق حقیقت ہے؟ یہ سوال اتنا اہم ہے کہ ہمیں اس پر ذرا گہرائی سے غور کرنا چاہیے۔

سچ تو یہ ہے کہ زمانہ وسطیٰ کی سائنس اور جدید سائنس کی بنیادوں میں دو بہت مختلف نظریات کارفرما ہیں۔ ازمنہ وسطیٰ کے سائنس دان' خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی' ایک معین نمونے یا نقشے کی حدود میں کام کرتے تھے' جو مافوق الفطرت اعتقادات' رسم و رواج اور منطقی مفروضات کا ایک پیچیدہ جال ہوتا تھا۔ قدرت سے متعلق سائنس کا بنیادی کام یہ ہوتا تھا کہ وہ کائنات کے اس نظام کے مقدس ہونے کی تصدیق کرے' جس کے خاص خدوخال الہامی صحیفوں میں بتائے گئے ہیں۔ سائنس اصولی طور پر مذہبی صداقتوں کی تشریح کرنے اور مادی وجود سے ماورا ہونے کی ضرورت پر زور دینے کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔ جوابات پہلے سے ہی معلوم تھے۔ سائنس کا کام یہ ثابت کرنا تھا کہ عقل اور طبعی حقائق سے ایمان کی تصدیق ہوتی ہے۔

علم ریاضی کو لیجئے جو آج ایک مجرد مضمون سمجھا جاتا ہے' جس کا کسی عقیدے سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن یہ بھی پرانے وقتوں میں مختلف عقائد کے ساتھ وابستہ تھا۔ قدیم ہندسوں کے نظام میں مختلف ہندسوں کی کوئی نہ کوئی مافوق الفطرت حیثیت ہوتی تھی۔ حساب کا علم پروہتوں کے پاس ہی ہوتا تھا اور اس کا مسکن مندر اور محل ہی تھے۔ یونان کے زمانے میں جیومیٹری کے علم کو ایک تقدس حاصل تھا اور مختلف اشکال کو دیوتاؤں سے نسبت دی جاتی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ریاضی کو مذاہب سے علیحدہ کرنا ایک طویل عمل تھا جو ہزاروں سالوں پر محیط رہا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ عام اصولوں۔۔۔۔۔ مثلاً اجسام یا اجرام کے گرنا۔۔۔۔۔ کو ثابت کرنے کی کبھی کبھی کوشش کی جاتی تھی لیکن ان کی اہمیت اور آفاقیت کی تفہیم یا تعریف پہلے سے موجود علم کی بنیاد پر یا اس کی روشنی میں ناممکن تھی۔ کبھی کبھی جدید قیاسیات کا خطرہ مول لیا جاتا تھا لیکن ثابت شدہ نقد علم اتنا کم تھا کہ اس کے استعمال سے بیشتر قدرتی مظاہر کی توجیہ یا پیش گوئی کرنا ممکن نہ تھا۔ ازمنہ وسطیٰ کی سائنس یہ تشریح نہیں کر سکتی تھی کہ زلزلے کیوں آتے ہیں' پہاڑوں سے آتش فشانی کیوں ہوتی ہے' سورج کس طرح روشنی دیتا ہے' زمین کیوں سورج کے گرد

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

گھومتی ہے، ہوائیں کس وجہ سے چلتی ہیں، بارش کیونکر ہوتی ہے؟ طاعون جیسی وبائی بیماریاں کیسے پھیلتی ہیں اور ان کا تدارک کس طرح کیا جانا چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔ اس زمانے کی لاعلمی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ طاعون کی وبا پھیلنے پر یورپ میں عیسائی بڑی تعداد میں یہودیوں کو قتل کر دیتے تھے کیونکہ یہ وہم عام تھا کہ جس ملک میں یہودی رہتے ہیں، وہاں کے باشندوں پر خدا کا قہر نازل ہوتا ہے۔ غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ مذکورہ بالا حالات سے مختلف حالات ہو نہیں سکتے تھے۔ ان دنوں میں تجربہ تو دور کی بات ہے، مشاہدے کا فن بھی ایسی غیر ترقی یافتہ حال میں تھا کہ سائنس آج کی طرح ترقی یافتہ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس عہد میں سائنس قدرتی عمل کی پیش گوئی اور فطرت کی تسخیر کا اوزار نہیں بن سکتی تھی۔ سارٹن کے بقول:

''ہمارے آباؤ اجداد جو علم رکھتے تھے، وہ بھی زیادہ قابل اعتبار نہیں تھا۔ ان کے کسی بھی سائنسی بیان کو چیلنج کیا جا سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں مذہبی ساختیات غیر متزلزل معلوم ہوتے تھے۔ ان کی بنیاد مشاہدے پر نہیں تھی، اس لئے کوئی بھی مشاہدہ انہیں ختم نہیں کر سکتا تھا۔ وہ استنباط پر مبنی نہیں تھیں، اس لئے کوئی بھی منطق ان کی تردید نہیں کر سکتی تھی''۔

ان دنوں میں مختلف مسائل کا حل تلاش کرنے میں مدد دینے کے لئے چونکہ سائنسی حقائق دریافت نہیں ہوئے تھے، اس لئے نعم البدل کے طور پر مذہبی دلائل یا قیاسیات استعمال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ مثال کے طور پر ہم دنیا کی ابدیت ثابت کرنے کے لئے ارسطو کے دلائل کے خلاف البیرونی کو شدت کے ساتھ سرگرم بحث دیکھتے ہیں کیونکہ وہ عدم سے وجود کی تخلیق کا قائل تھا۔ راجر بیکن اپنے زمانے میں آزاد خیال تھا اور سائنسی تحقیق کے جرم میں کلیسا نے اس کو قید بھی کیا تھا۔ لیکن اس کے نزدیک بھی سائنس کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ الہامی صحیفوں پر مبنی اعتقادات کی تائید کر کے ان کو تقویت پہنچائے۔

ازمنہ وسطیٰ میں کائنات کی تصویر مکمل درجہ وار نظام کی تھی۔ یہ کروں، حلقوں اور سماوات کی سخت مذہبی وطبعی دنیا کی آفاقی اور لطیف اسکیم کے تحت بنائی گئی تھی۔ اس شاندار تصویر میں سب سے پہلے چاند اور سورج کے کرے ہیں، پھر سیاروں کے کرے اور اس کے بعد ثابت ستارے جن کے آگے سماوات ہیں۔ مذہبی علم کائنات کا علم الملائکہ سے قریبی تعلق ہے۔ کیونکہ ملائکہ یا فرشتے سماوات کے محرکوں کی حیثیت سے بنیادی کام کرتے ہیں، مثال کے طور پر ابن سینا کے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

علم کائنات میں اس قسم کے تصورات بھرے پڑے ہیں کہ فرشتوں کے ذریعہ چلائے جانے والا کائناتی نظام مادی کائنات کا ہی نہیں بلکہ عمرانی نظام اور انسانی بدن کے اندرونی نظام کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ اسی طرح اخوان الصفا (جنہوں نے دسویں اور گیارہویں صدی میں عقلیت پسند اسماعیلی دانشوروں کی خفیہ تنظیم بنائی تھی) نے سیاروں کی حرکت اور جسم کے مختلف اعضاء کی بیماریوں کے درمیان مندرجہ ذیل مماثلت بتائی ہے۔

آنکھیں	------مشتری
کان	------عطارد
نتھنے اور سر پستان	------ زہرہ
خارج کرنے کی نالیاں	------زحل
منہ	------سورج
ناک	------چاند

جسمانی بیماری کو کسی نہ کسی جرم سماوی کے گہن سے مماثل سمجھا جاتا تھا۔ فلکی اجرام کی مماثلت کے دائرے میں ہر چیز شامل تھی۔

ازمنہ وسطیٰ کی سائنس اور جدید سائنس کے درمیان ایک اور بڑا فرق ترقی کے متعلق زاویہ نگاہ کا ہے۔ جدید زمانے میں ہم غیر شعوری طور پر اس بات کو قدرتی اور ناگزیر سمجھتے ہیں کہ آئندہ نسلیں زیادہ معلومات رکھنے والی اور ترقی یافتہ ہوں گی۔ لیکن ازمنہ وسطیٰ میں اس بات کو ناقابل یقین سمجھا جاتا تھا کہ بہت پرانے زمانے یا عہد عتیق میں زندگی بہت مختلف تھی یا یہ کہ پرانے زمانے کے لوگ مقابلتاً کم علم رکھتے تھے۔ مثلاً البیرونی کو یقین تھا کہ عہد عتیق کے لوگ (بازنطینی، مصری، یونانی) اس کے اپنے لوگوں سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ اس نے لکھا: ''ہمارے پاس جو سائنس ہے، وہ گزرے ہوئے زمانے کے علم کا عشر عشیر ہے''۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ازمنہ وسطٰی کے علماء تاریخ کی ایک خط میں ترقی کے بجائے تاریخ کا دائراتی تصور رکھتے تھے۔ نوع انسان کی تاریخ عروج و زوال کی داستان تھی۔ جب کبھی بھی لوگ بہت زیادہ چالاک یا طاقتور ہو جاتے تھے' قہرالہیٰ: وبائی بیماریوں اور سیلابوں وغیرہ کی شکل میں نازل ہو کر تباہی مچاتا تھا۔ اس طرح یکا یک نازل ہونے والی آفات کے دو مقاصد سمجھے جاتے' اولاً انسانوں کو گناہوں کی سزا دینا۔۔۔۔۔ ثانیاً انسانوں کو یہ یاد دہانی کرانا کہ خدا دنیاوی معاملات میں دخیل ہے۔

کائنات کی اس تصویر میں انسان کی تاریخ یک لکیری ترقی کی نہیں بلکہ عروج و زوال کی صحیح داستان ہے۔ اس لئے نصر کی اس بات سے اختلاف ممکن نہیں کہ مذہبیات نے ازمنہ وسطٰی کی سائنس کا تصوراتی چوکھٹا بنایا ہے کہ اس سائنس کی قائم و دائم رہنے والی کامیابیاں۔۔۔۔۔ خواہ وہ یونانیوں' مسلمانوں یا عیسائیوں میں سے کسی کی بھی حاصل کردہ ہوں۔۔۔۔۔ وہی ہیں جن کی نوعیت آفاقی اور دنیاوی اور ان کی خصوصیات جدید سائنس سے مشترک ہیں۔۔۔۔۔ مثلاً بلاجھجک یہ اعتراف کرتے ہوئے کہ ان کے پیش نظر دنیاوی مفاد ہے' بعض کیمیا گروں نے کم قیمت دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس کوشش میں ناکام ہوئے لیکن کوشش کے دوران انہوں نے کئی دلچسپ کیمیاوی اصول دریافت کر لئے۔ پھر عام اصولوں کے استنباط کے مقصد سے گرتے ہوئے اجرام کی میکانیات' بیرم اور سادہ مشینوں' عدسوں کی خصوصیات' پودوں اور حشرات الارض کی حیات' زمین کا جغرافیہ وغیرہ کا مطالعہ بھی کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ان سائنسی مشاہدات کا محرک انسان کا فطری تجسس تھا۔ اسے کسی خصوصی مقدس علم یا فتوے کا سبب نہیں قرار دیا جا سکتا۔

جدید سائنس اور ازمنہ وسطٰی کی اسلامی سائنس کے علمی و فلسفیانہ مفروضوں کے درمیان فرق پر بحث ختم کرتے ہوئے میں یہ کہوں گا جو مفروضہ جدید اسلامی سائنس دانوں کے دعاوی کی بنیاد ہے اور جس کی وضاحت بہت کم کی گئی ہے' اس کی صحت کو مشتبہ قرار دے کر نصر نے ایک اہم سوال اٹھایا ہے۔ لیکن جدید سائنس کو خلاف اسلام قرار دے کر اس نے اسے سختی سے رد کیا ہے۔ اس کا رویہ صرف ان لوگوں کو پسند آئے گا جو کٹر بنیاد پرست ہیں۔

نصر سائنس کا محض مورخ ہی نہیں ہے' وہ ایک ''جدید اسلامی سائنس'' کا وکیل اور مبلغ بھی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سائنس کو منطق کے جبر سے آزاد ہونا چاہیے:

''خالص اسلامی سائنس بنیادی طور پر انسانی عقل پر نہیں بلکہ خدائی عقل پر انحصار کرتی ہے۔ اس عقل کا مسکن دماغ نہیں بلکہ دل ہے اور استدلال دماغ کی سطح پر اس کا محض عکس ہے''۔

یہ الفاظ کانوں کو بہت اچھے لگتے ہیں اور ہمارے سامنے بے داغ معلومات کی سحر انگیز تصویر پیش کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی تمام باتیں بے معنی اور خالی خولی ہیں۔ کوئی بھی سائنس جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ ''انسانی عقل پر نہیں بلکہ خدائی عقل پر انحصار کرتی ہے''۔ اس صورت میں یقیناً بہترین ہوسکتی ہے جبکہ اس سائنس پر عمل کرنے والے خدائی عقل رکھتے ہوں۔ بصورت دیگر یہ نہایت نزاعی اور متنازعہ ہوسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر نصر کی جدید اسلامی سائنس کی کامیابی ایسے خدائی عقل کی ترجمانی کرنے والوں کی یافت سے مشروط ہے جن کو متقی اور پرہیزگار لوگوں میں سے منتخب کیا جائے گا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر نصر کے پاس عملی، حقیقی اور معروضی قسم کے مسائل کے حل پر غور کرنے کے لئے وقت نہیں ہے، کیونکہ وہ نہایت جوش کے ساتھ جدید اسلامی سائنس کے لطیف تصور کی وکالت میں منہمک رہتے ہیں۔ یہ لطیف تصور جدید سائنس کے دنیاوی اور انسان دوستی پر مبنی تانے بانے سے الگ ہے اور اس میں ''عقل کا مسکن دماغ نہیں بلکہ دل ہے''۔ لیکن میں مندرجہ ذیل فرضی مثالوں سے یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مادی اور معروضی مسائل سے فرار ممکن نہیں ہے۔

پہلی مثال: سائنس داں ''الف'' اور سائنس داں ''ب'' ڈاکٹر نصر کے تصور سائنس میں یقین رکھتے ہیں۔ یہ دونوں دماغ کے بجائے دل کو عقل سمجھتے ہوئے براعظموں کی تشکیل کی تحقیق میں کوشاں ہیں۔ ''الف'' کسی مقدس صحیفے کی عبارت سے متاثر ہوتا ہے، کیونکہ اس میں وہ اس یقین کی تصدیق پاتا ہے کہ زمانہ بعید میں تمام براعظم ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ لیکن سائنس داں ''ب'' کو یقین ہے کہ براعظم سمندر سے اپنے آپ ابھر آئے ہیں اور وہ اس یقین کی تصدیق میں مقدس صحیفے کی ایک اور عبارت کا حوالہ دیتا ہے کیونکہ دونوں نظریات کی حمایت میں شہادتیں کافی ثقہ نہیں ہیں۔ اس لئے مذہبی مجلس معلیٰ سے رجوع کیا جاتا ہے۔ اس مجلس کے متقی، پرہیزگار اور معلومات رکھنے والے ارکان اس اہم مسئلہ پر غور کرتے ہیں۔ کافی غور و

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

خوض، عبادات اور وظائف کے بعد وہ یہ آخری فیصلہ سناتے ہیں کہ براعظم بنے تھے۔۔۔۔۔۔ اس عرصے میں دور پار کے کیمونسٹ روس میں ماہرین ارضیات کا ایک گروہ زمین کی ساختمانی پلیٹ کے متعلق ایک دریافت کرتا ہے جس سے براعظموں کے متعلق یہ مسئلہ حل ہوتا ہے کہ وہ کس طرح بنے تھے۔۔۔۔۔لیکن مجلس ان کے نتائج کو ملحدانہ عمل گردانتے ہوئے ان کی مذمت کرتی ہے۔

ڈاکٹر نصر مغربی سائنس پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ انسان اور فطرت کو تباہ کرتی ہے۔ شاید ان سے اختلاف نہ کیا جا سکے۔لیکن پھر وہ ایک ایسی سائنس تعمیر کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں جو بے عیب، پرامن اور قدرت سے ہم آہنگ ہے۔ افسوس کہ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ سائنس ہے کیا؟ اور اس کے خدوخال یا طریقہ کار کیا ہوگا۔ ان کی باتوں کا کھوکھلا پن ایک اور مثال سے واضح ہوگا۔

دوسری مثال: سائنس دان ''ج'' ایک عالم کیمیا ہے اور ارنا نامی ملک میں رہتا ہے۔ سائنس دان ''ڈ'' بھی ایک عالم کیمیا ہے لیکن وہ ارقا نامی ملک کا باشندہ ہے۔ دونوں نے ڈاکٹر نصر کی کتاب "Plightof Modern Man" کا مطالعہ کیا ہے اور ڈاکٹر کے اخذ کردہ ان نتائج سے متفق ہیں کہ مغربی کلچر زوال پذیر ہے اور جدید سائنس تباہ کن ہے۔ ڈاکٹر نصر کے دلائل نے انہیں اس بات کا قائل کر دیا ہے کہ مذہب پر مبنی سائنس کی اخلاقیات سائنس کو انسانی زندگی تباہ کرنے کی اجازت نہیں دیں گی۔ پھر ارنا اور ارقا کے درمیان ایک خوفناک جنگ چھڑ جاتی ہے اور اعصابی گیس دونوں ملکوں کی ضرورت بن جاتی ہے۔ دونوں سائنس دانوں سے ان کی حکومتیں درخواست کرتی ہیں کہ وہ ڈفنلکلوروٹیٹرا سائن کے مرکب کا امتزاج تیار کرنے کے لئے تحقیق کریں۔ یہ مرکب متاثر شخص کو تشنج میں مبتلا کر کے ختم کرتا ہے۔ فوجی لحاظ سے یہ کام پسندیدہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کے باعث موتیں واقع ہونے سے دشمن کی ہمت پست ہو جاتی ہے۔ ابتدا میں دونوں سائنس دان پس و پیش کرتے ہیں۔ خصوصاً اس لئے کہ برسرپیکار دونوں ممالک کے لوگ ایک ہی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن شہر مق کی مذہبی مجلس معلیٰ فتویٰ جاری کر کے یہ اعلان کرتی ہے کہ دشمن ملک کافر ہے۔ اس کے ساتھ ہی شہر داد باغ کی ''مجلس متقیان و پرہیزگاراں'' اعلان کرتی ہے کہ اس دنیا میں بدی کے حامیوں

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کو فی النار کرنے والوں کے لئے جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔ دوسری صبح سائنس دان ''ج'' اور سائنس دان ''د'' پیٹ بھر ناشتہ کرنے کے بعد ضمیر کی شمہ بھر ملامت کئے بغیر اپنی اپنی تجربہ گاہ جا کر ڈفنلکلوٹیٹرا سائن کا امتزاج تیار کرنے میں جت جاتے ہیں۔

ضیاء الدین سردار

آج کے بنیاد پرست اپنے آپ کو جدید سائنس کے شہباز سے لڑنے والے مولے سمجھتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ جدید سائنس کی عظیم عمارت کو ڈھا کر اس کی جگہ ایک ایسی عمارت تعمیر کرنے کا مطالعہ کرنا، جس کا نقشہ بھی ہنوز تیار نہیں ہے، بڑے دل گردے کا کام ہے۔ تاہم، یہ دلیری کلی طور پر قابل ستائش بھی نہیں ہے۔ ایمان کی تلوار سے لیس عقلیت سے محروم مولوں میں سے بہت کم ایسے ہیں جو سائنس دان ہیں اور جنہیں یہ اندازہ ہے کہ انہوں نے کتنے زیادہ مشکل کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ایسے افراد زیادہ تر سائنسی تعلیم سے نابلد ہیں اور ان میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جس نے سائنس کے شعبہ میں امتیازی مقام حاصل کیا ہو۔ لیکن اس چھوٹی سی بات سے ان لوگوں کی حوصلہ شکنی نہیں ہوتی، پھر بھی ان کے ذہن شکوک وشبہات سے خالی ہیں۔

عام طور پر وہ لوگ جو مذہب پرستی پر مبنی سائنس کے حق میں دلائل دیتے ہیں۔ اپنے مقدمہ کا آغاز جدید سائنس پر اس تنقید سے کرتے ہیں کہ سائنس اقدار سے عاری ہے۔ بعض ایجادات اور دریافتوں کے تباہ کن رخ کو اجاگر کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ جدید سائنس کے بروئے کار آنے سے معاشرہ غیر انسانی اور ''روبوٹی'' ہو گیا ہے۔ یہ نہایت سنگین اور جائز اعتراضات ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ یہ تنقید کسی خاص دین یا مذہب کے گہرے مطالعے سے اخذ کی گئی ہو۔ یہ حقیقت کہ جدید سائنس نے انسانی معاشرے کو بعض سنگین مسائل سے دوچار کر دیا ہے، مذہبی بنیاد پرستوں کی دریافت نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ صنعتی تہذیب کی سائنس کے سب سے بڑے معترض ایلل، کوہن مارکیوز، کوہن فیرابینڈ اور دیگر مارکسی دانشور ہیں۔

جدید سائنس کے عفریت کو تہہ تیغ کرنے کے بعد بہادر مولے اپنا جہاد جاری رکھتے ہیں۔ سائنس کے متعلق ایسے مجاہد کا اپنا ایک تصور ہے جو اس کے خیال میں صحیح طور پر خدائی احکام

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے مطابق ہے۔ ہم پروفیسر نصر کے پیش کردہ ''اسلامی سائنس'' کے نظریے کا پہلے ہی مطالعہ کر چکے ہیں۔ اسلامی سائنس کے متعلق ضیاء الدین سردار نے بھی اپنے نظریات پیش کئے ہیں۔ ضیاء الدین سردار' پاکستانی نژاد اور برطانوی شہری ہیں۔ انہوں نے اسلام اور سائنس پر آدھی درجن کتابیں لکھی ہیں۔

"Why Islam Needs Islamic Science" کے عنوان سے "New Scientist" کے رسالے میں سردار کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے اس امر پر زور دیا ہے کہ اسلامی سائنس کی تلاش عہد حاضر کے مسلمانوں کا سب سے اہم مسئلہ ہے کیونکہ مغربی سائنس نہ صرف اپنی تباہ کاریوں کے باعث بلکہ اسلامی نظریے کے خلاف علمیت کی وجہ سے بھی نامناسب ہے۔

''اسلامی سائنس'' کے متعلق سردار صاحب کے اپنے نظریے سے قطع نظر' یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ اسلامی سائنس کے دوسرے مبلغوں کے نظریات سے چنداں خوش نہیں ہیں۔ وہ الفاروقی (مرحوم) پر اعتراض کرتے ہیں۔ الفاروقی انتہائی قدامت پسند مسلمان اور سائنس کو اسلامی بنانے کے نہایت با اثر مبلغ تھے۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ علم کو اسلامی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ جدید دور کے ہر شعبہ علم سے اسلام کی خصوصی مطابقت قائم کی جائے۔ سردار کے نزدیک یہ بات گاڑی کو گھوڑے کے آگے رکھنے کے مترادف ہے کیونکہ ''اسلام کو جدید علم کے مطابق ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ جدید علم کو اسلام کے مطابق ہونے کی ضرورت ہے''۔ الفاروقی کے طریق کار کو محض عقیدے کا متقیانہ بیان قرار دے کر سردار کہتے ہیں کہ ''بدقسمتی سے الفاروقی کا طریق کار نہ ہونے کے برابر ہے''۔ البتہ اسلامی سائنس کے متعلق حسین نصر کے نظریات عمومی تعریف کے قابل ہیں۔ تاہم' سردار کے نزدیک نصر ''اسلامی سائنس کے مادی پہلو کی قیمت پر مابعد الطبیعیاتی پہلو پر ضرورت سے زیادہ زور دے کر غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں''۔

''اسلامی سائنس'' کے حق میں دفتر لکھنے کے باوجود سردار نے ایسا کوئی اضافہ نہیں کیا جو اس مبہم اصطلاح کے معنی واضح کرتا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی دس بنیادی اسلامی اقدار سے متعلق ہیں۔ ان اقدار میں توحید' عبادات اور خلافت بھی شامل ہیں۔ مزید یہ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہ اسلام سائنس برائے سائنس اور ظالم سائنس نیز ٹیکنالوجی کے خلاف ہے۔ اگر سردار صاحب سے قاری مہمل اور عامیانہ باتوں کے علاوہ کی توقع کرے گا تو اسے مایوسی ہوگی۔

سردار صاحب کی تحریریں جدید سائنس کی لفاظیات اور ظاہری چمک و دمک (لیکن اس کی منطقی معقولیت کے بغیر) کے سہارے بڑی بلند پروازیں کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر کمپیوٹر کی مانند سات خاکوں اور لاتعداد چارٹوں وغیرہ کی مدد سے انہوں نے ''امران منصوبہ'' بنایا ہے۔ یہ منصوبہ بقول ان کے ''مسلم نظام کی کلی اصلاح کر کے مسلمانوں کو اکیسویں صدی میں داخلے کے لئے تیار کرے گا۔ اس منصوبے کا فلو چارٹ ایک خاکے سے شروع ہوتا ہے جس کا عنوان ''ریاست مدینہ کا نمونہ'' ہے اور جس خاکے پر اس کا اختتام ہوتا ہے' اس کا عجیب عنوان "Muslim Pay Off" (مسلم حاصل یا ادائیگی) ہے جس میں Pay Off یا حاصل برابر ہے مستقبل کے لئے اختیاری کاموں کے حصول کے منصوبوں یا اندازوں کے اگر حروف و کلمات کی خوبصورتی ہی پر منصوبوں کی کامیابی کا انحصار ہوتا تو امران کا منصوبہ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہوتا۔ لیکن افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ ٹھوس حقائق پر مبنی خیالات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن سے امران عاری ہے۔ چنانچہ اس منصوبے کا مستقبل تاریک ہے۔

نصر اور سردار جیسے افراد کی تجاویز کے مخصوص محاسن یا عیوب کچھ بھی ہوں' ہمیں ایک عام سوال کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو یہ ہے کہ کیا مادی دنیا کے متعلق اسلامی سائنس کا وجود ہوسکتا ہے؟ کیونکہ ہم نظریات اور سائنس سے بحث کر رہے ہیں' اس لئے یہ سوال پوچھنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ کیا عام ''مغربی'' یا ''سرمایہ دارانہ'' سائنس سے مختلف کسی مخصوص مارکسی سائنس کا وجود ہوسکتا ہے۔ آیئے ہم ان سوالوں پر غور کریں۔۔۔۔۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

باب سات

کیا سائنس اسلامی بھی ہوسکتی ہے؟

میری رائے میں اس سوال کا سادہ اور دوٹوک جواب یہ ہے کہ نہیں، مادی دنیا کے متعلق مخصوص اسلامی سائنس ممکن نہیں ہے اور ایسی سائنس کو تخلیق کرنے کی کوشش بے کار ہوگی۔ اس جواب سے اسلام کی تضحیک نہیں ہوتی۔ سرسید احمد خاں کی یہ دلیل آج بھی صحیح ہے کہ مذہب کا مقصد سائنسی حقائق کی نشاندہی نہیں بلکہ اخلاقیات کی اصلاح ہے۔ اب میں اپنے اس بیان کے حق میں دلائل دوں گا کہ مذہبی اصولوں کی بنیاد پر نئی مادی یا طبعی سائنس تخلیق کرنے کی کوشش کس لئے لاحاصل ہوگی۔

دلیل اول: اسلامی سائنس کا کوئی وجود نہیں اور اسلامی سائنس تخلیق کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہوئی ہیں۔ حالانکہ کچھ مسلمان دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی سائنس جیسی چیز وجود رکھتی ہے مگر حقیقت اس سے مختلف ہے بے شمار کانفرنسوں اور کوششوں کے باوجود آج تک اسلامی سائنس کی کوئی ٹھوس شکل نمودار نہیں ہوسکی۔

اس کے برعکس جدید سائنس کا واضح اور محسوس ہونے والا وجود ہے۔ اس کے بغیر کارخانے نہیں چل سکتے، فوجیں لڑ نہیں سکتیں اور بیماریوں کا علاج نہیں ہوسکتا۔ اس کی بدولت ایک آدمی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی تصویر ایک پل میں ہزاروں میل دور تک دیکھی جا سکتی ہے، جیٹ ہوائی جہاز اڑ کر براعظموں کو پار کر سکتے ہیں، بیمار دل کی جگہ مشینی دل لگایا جا سکتا ہے اور تجربہ گاہ میں پودوں اور جانوروں کی نئی نسلی اقسام پیدا کی جا سکتی ہیں۔ صنعتی معاشرے میں سائنس افراد کی زندگیوں پر حاوی ہے، یہ دنیا کے متعلق ان کے نقطہ نگاہ اور ان کے سوچنے کی عادتوں کی تشکیل کرتی ہے اور انسانی رشتوں میں بھی دخیل ہے۔ بعض صورتوں میں سائنس کا ضرورت سے زیادہ غلبہ اور دخل قابل مذمت ہے، لیکن بعض شعبوں میں یہ خوش آئند اور بابرکت بھی ہے۔ لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جدید سائنس کی طاقت عظیم اور حقیقی ہے۔

جہاں تک اسلامی سائنس کا تعلق ہے، اس نام کی ایسی سائنس تخلیق کرنے کی کوشش، جو نئی علمیات کی حامل ہو، برابر ناکام ہوتی رہی ہے۔ گو کہ گزشتہ چند دہائیوں سے اس کی ضرورت کو منوانے کے لئے جذباتی دلائل سے کام لیا گیا ہے اور اس موضوع پر متعدد بین الاقوامی کانفرنسیں بھی منعقد کی گئی ہیں۔ ان مباحث میں صحیح مواد نہیں تھا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، اسلامی سائنس نے ایک بھی مشین یا اوزار نہیں بنایا۔ نئے کیمیاوی مرکبات یا ادویہ کا امتزاج تیار نہیں کیا، کسی نئے تجربے کا ڈیزائن نہیں بنایا۔ تا حال کوئی نامعلوم حقیقت دریافت نہیں کی۔ اس کی بجائے اسلامی سائنس کے دعوے داروں نے اپنی تحقیق کا رخ ایسے مسائل کی طرف موڑا ہوا ہے، جو عام سائنس کے میدان سے باہر ہیں۔ یہ مسائل ایسے ناقابل آزمائش معاملات سے متعلق ہیں جیسے رفتار فلک، دوزخ کا درجہ حرارت، جنات کی کیمیاوی ساخت، منافقت کا حساب لگنے کا فارمولا، پیغمبر ﷺ کے واقعہ معراج کی نظریہ اضافیت پر مبنی تشریح اور دیگر کئی مثالیں جن کا تفصیلی تذکرہ آخری باب میں ہے، بیان کی گئی ہیں۔

کیا اسلامی سائنس کی یہ نام نہاد دریافتیں دین اسلام کے مطابق ہیں؟ میرے خیال میں اسلام ایسی موشگافیوں کی اجازت نہیں دیتا۔ جہاں تک سائنس کے عام معیار کا تعلق ہے، یہ دریافتیں اس پر پوری نہیں اترتیں۔

دلیل دوم: اخلاقی اور مذہبی اصول وضع کرنے سے خواہ وہ اصول کتنے ہی اعلیٰ کیوں نہ ہوں، کوئی نئی سائنس وجود میں نہیں آ سکتی۔

فرض کیجئے کہ سائنس دان ''الف'' خدا کی وحدت میں یقین رکھتا ہے، سائنس دان ''ب'' کئی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیوتاؤں کو مانتا ہے ار سائنس دان ''ج'' ملحد ہے۔ ان تینوں کا شعبہ تحقیق ابتدائی ذرات کی طبیعیات ہے جو کہ نہایت مشکل اور ریاضیاتی شعبہ ہے' ان کے مختلف عقائد ہونے کے باوجود' ان تینوں سائنس دانوں کا پیشہ ورانہ کام صرف ایک معیار پر جانچا جائے گا اور وہ معیار یہ ہے کہ آیا ان کے نتائج تجربہ کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں یا نہیں۔ میں پروفیسر عبدالسلام اور اسٹیون وائن برگ کی مثال پہلے ہی پیش کر چکا ہوں۔ ان دونوں کو 1979ء میں طبیعیات کا نوبیل انعام ملا۔ کیونکہ انہوں نے قدرتی طور پر پائی جانے والی کمزور اور برقی مقناطیسی قوتوں کو متحد کیا تھا۔ عبدالسلام سخت مذہبی ہیں اور وائن برگ اعلانیہ ملحد ہیں۔ یہ دونوں اعتقادات اور جغرافیائی مقامات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت دور تھے۔ اس کے باوجود وہ سائنسی تحقیق کے ذریعہ ایک ہی حقیقت دریافت کرنے میں کامیاب ہوئے۔

ایک خاص قسم کی سائنس کی اجارہ داری قائم کرنے کا حکم ناقابل عمل ہے' کیونکہ سائنس کی اپنی ایک داخلی منطق ہوتی ہے۔ جس کو خارجی عوامل تبدیل نہیں کر سکتے۔ سائنس دان کے پاس بھی بعض اوقات کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر گلیلیو اور نیوٹن دونوں ہی پکے عیسائی تھے اور ان کی یہ خواہش نہیں تھی کہ رائج الوقت اعتقادات کو بدل ڈالیں۔ اکثر اوقات نیوٹن عیسائی اعتقادات اور سائنسی دریافت کے درمیان تضاد کے باعث عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ لیکن اس نے حقیقت کا انتخاب کیا۔ آخرکار ان دونوں سائنس دانوں کی دریافتوں نے سائنسی ارتقا کی ایسی طوفانی لہر پیدا کی' جس نے کلیسا کے کئی اختیارات ختم کر دیئے۔ اگر نیوٹن کو معلوم ہوتا کہ اس کی دریافتوں کا یہ اثر مرتب ہوگا تو شاید وہ اپنی کتاب ''Principia'' شائع نہ کرتا۔

اس کے باوجود کہ نظریاتی اصول اور سیاسی محرکات فراہم کئے گئے ہیں اور کئی کوششیں بھی کی گئی ہیں' لیکن عملاً ''اسلامی سائنس'' کی تعریف ناممکن ثابت ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر اس بات پر غور کیجئے کہ جنرل ضیاء کی حکومت کے دور میں سائنس کی تعلیم کو اسلامی بنانے کے مقصد کا کئی بار اعادہ کیا گیا' عالموں اور سائنس دانوں کی کئی جماعتیں بنائی گئیں اور ان کے بے شمار جلسے ہوئے' لیکن گیارہ سالہ کوششوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس سائنس کا نصاب کیا ہے جس کو اسلامی بنایا گیا ہو؟ آج تک اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا گیا اور سائنس کو اسلامی بنانے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے حق میں جو لوگ ہیں، وہ اس مسئلہ پر بحث کرنے سے کتراتے ہیں۔ اس کوشش کی فاش ناکامی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نظریہ ارتقا پر بھرپور حملہ کر کے اسے انٹر سائنس اور بی۔ایس۔سی کے نصاب سے خارج کرانے کے منفی قدم کے علاوہ کوئی اور مثبت کام اسلامی سائنس کے حامی نہ کر سکے اور 1977ء سے اب تک سائنس کا نصاب وہی چلا آ رہا ہے جو اس سے پہلے تھا۔ لیکن سائنس کو اسلامی بنانے کی کوشش نے سائنس کی تعلیم کے معیار اور تعلیمی نظام (جو پہلے بھی چنداں بہتر نہیں تھا) کو جو نقصان پہنچایا ہے، انہیں پچھلے معیار پر لانے کے لئے بھی کئی برسوں کی صبر آزما محنت درکار ہو گی۔

جنرل ضیاء کے دور حکومت میں سائنس کو اسلامی بنانے کی جو کوششیں کی گئیں، ان کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ پہلا سنجیدہ اشارہ 1982ء کا وہ سرکاری اعلان تھا جس کے تحت تمام علوم بشمول سائنس کو بہت جلد اسلامی بنایا جانا تھا۔ یہ اعلان 1982ء کے اوائل میں اس موقع پر کیا گیا جبکہ اسلام آباد میں پاکستان کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اور امریکہ کے انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کے اشتراک سے منعقدہ مجلس مذاکرہ کا افتتاح جنرل ضیاء نے کیا۔

علم کو اسلامی بنانے کے متعلق کلیدی خطبہ اسلامی یونیورسٹی کے ریکٹر جناب اے۔ کے۔ بروہی نے دیا۔ جناب بروہی کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ پرانے انگلش مکتب خیال کے نہایت اچھے وکیل تھے۔ 1977ء میں مارشل لاء حکومت کے بعد وہ ایک قومی شخصیت کی حیثیت سے مشہور ہو گئے۔ ان کی شہرت کا بڑا سبب یہ تھا کہ انہوں نے عدالت عظمیٰ کو ''نظریہ ضرورت'' کی ایجاد میں مدد دی۔ اس نظریے کی رو سے فوجی حکومت جائز اور ناگزیر تھی کیونکہ یہ ملک کو طوائف الملوکی اور انتشار سے بچانے کے لئے قابض ہوئی تھی۔ فوجی حکومت کی خدمات کے اعتراف میں جناب بروہی کو 1987ء میں فوت ہونے پر پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا۔

مجلس مذاکرہ میں اپنے کلیدی خطبہ میں جناب بروہی نے اس ''مشکوک'' حصہ کی کوئی تعریف نہیں کی جو ''عصر حاضر کی فکر میں شامل کیا گیا ہے اور جس کا اظہار طبیعیات اور کیمیا جیسی سائنسوں میں ہوا ہے''۔ ان کی تنقید کا خاص نشانہ وہ کتب تھیں جو نصاب میں شامل کی گئی ہیں کیونکہ ان کتابوں کے ''صفحات پر سر برآوردہ غیر مذہبی مفکروں، مثلاً ڈارون، فرائڈ، کارل

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

مارکس کی تحقیقات کے انمنٹ نشانات موجود ہیں''۔

جناب بروہی کے خیال میں آئن سٹائن کا نظریہ اضافیت قابل اعتراض اور خلاف اسلام ہے۔

''میری سوچی سمجھی رائے میں اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو متحرک ذرات اور مادے کے بنیادی اجزاء کے متعلق آئن سٹائن کے نظریات باطل ہیں''۔

جناب بروہی صاحب کوئی ماہر طبیعیات تو تھے نہیں اور وہ ریاضی کے اس علم سے بھی نا آشنا تھے جس کے بغیر آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کو چیلنج تو کیا سمجھا بھی نہیں جا سکتا۔ ایک عام آدمی تو ایسے دقیق مسائل پر تبصرہ کرنے سے گریز کرتا ہے۔ لیکن بروہی صاحب نے اس عیسائی پادری کے نقش قدم پر چلنا پسند کیا جس نے انجیل کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ کائنات کی ابتدا صبح نو بجے بروز اتوار 23 اکتوبر 4004 قبل مسیح کو ہوئی تھی ان حضرت کی طرح بروہی صاحب بھی اس بات پر کامل یقین رکھتے تھے کہ ان کے نظریہ دین کو سائنسی اصولوں پر فوقیت حاصل ہے۔

ایک اور اعادہ اس نظریے کا کہ سائنس کو مذہب کے تابع ہونا چاہیے' ڈاکٹر ایم۔اے قاضی نے کیا' جو سائنس اور ٹیکنالوجی کے صدارتی مشیر تھے۔ لیکن اس اعلیٰ عہدے نے بھی جناب قاضی کو جدید سائنس کے طریق کار کی مخالفت سے نہیں روکا۔ ایک تقریر میں جس کا عنوان ''جدید سائنسی علم کو اسلامی بنانا'' تھا' جناب قاضی نے کہا کہ تمام درجوں کے لئے سائنس کی نئی نصاب کتب کا اس طرح لکھا جانا ضروری ہے کہ ''جب کبھی ہم کسی سائنسی نظریے یا اصول کو دستیاب حقائق اور استدلال کی بنیاد پر ثابت کرنا چاہیں' ہم قرآن وسنت کے حوالوں سے ثبوت بھی فراہم کر سکیں''۔

جن لوگوں نے ''اسلامی سائنس'' کی تعریف کرنے کا مصمم ارادہ کر ہی لیا ہے' ان کو یہ حقیقت اس کوشش سے باز نہیں رکھ سکتی کہ اس سلسلہ میں گزشتہ تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ ایسے آئندہ لوگ بھی کوششیں جاری رکھیں گے۔

دلیل سوم: اسلامی سائنس کی ایسی تعریف جو تمام مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہو' نہ پہلے کبھی تھی اور نہ آج ہے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسلامی دنیا میں سائنسی اور علمی ترقی اور کامیابیوں کے سنہری دور میں بھی اس سوال پر سخت اختلاف تھا کہ صحیح سائنس کیا ہے۔ ابن سینا' ابن الہیثم اور ابن رشد جیسے حقیقت پسندوں اور اشعری مکتب خیال کے درمیان اس سلسلہ میں مستقل تنازعہ رہا۔ یہ سائنس کی خوش قسمتی تھی کہ صدیوں تک عقلیت پسندوں کا پلہ بھاری رہا۔

موجودہ دور میں فرقہ وارانہ مسائل اتنے ہی سنگین ہیں' جتنے کہ ماضی میں تھے۔ ان مسائل میں مسلم مملکتوں کے درمیان قومی تنازعات گویا اضافہ ہیں۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ حالیہ برسوں میں ایران نے اسلامی سائنس پر تمام کانفرنسوں کا بائیکاٹ کیا ہے۔ ان حالات میں اسلامی سائنس کی نیچر کے سوال پر آراء کی مطابقت کا حصول تقریباً ناممکن ہے۔

مفروضہ اسلامی ٹیکنالوجی کے مسائل اسلامی سائنس کے مسائل سے مشکل نہیں ہیں۔ سید حسین نصر جیسے خیالی گھوڑے دوڑانے والے لوگ ہمیں یہ یقین دلانا چاہیں گے کہ گزشتہ صدیوں میں اہلیت کے باوجود مسلمانوں نے پیچیدہ مشینیں یا جدید توپیں اور بندوقیں اس لئے نہیں بنائیں کہ ان کے بنانے سے انسان اور نیچر کے درمیان نازک توازن بگڑ جاتا اور انسانی وجود کی روحانی صفات کم ہو جاتیں۔ اگر اس بات کو سچ مان لیا جائے تو بھی سائنس کے متعلق اس قسم کا راہبانہ زاویہ نگاہ آج کی دنیا کے مسلمانوں کی اکثریت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کیونکہ وہ تو ہر قسم کی پیچیدہ مشینیں اور جدید ترین اسلحہ چاہتی ہے۔ یہ بات بھی واضح نہیں ہے کہ مسلم مملکتوں کے ہاتھوں ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کا استعمال غیر مسلم مملکتوں سے بہت مختلف ہوگا۔ مجموعی طور پر مسلمانوں کی یہ خوش قسمتی تھی کہ حالیہ جنگ میں ایران اور عراق کے پاس ایٹمی بم نہیں تھے۔

گو ہماری دلچسپی اسلامی سائنس کے مسئلہ پر مرکوز ہے۔ لیکن سائنس کا دیگر نظریات سے مقابلہ کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

کیا مارکسی سائنس ہے یا ہو سکتی ہے؟

گو کہ ہمارا موضوع اسلامی سائنس ہے' تاہم ایک مختلف سیاق وسباق میں نظریے سے سائنس کی معرکہ آرائی کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

1930ء سے 1960ء کے عرصہ میں مارکسی فلسفے سے متاثر ہو کر روسی سائنس دانوں کی ایک

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

بڑی تعداد نیز چند مغربی سائنس دانوں نے طبعی دنیا کے متعلق ایسی سائنس تلاش کرنے کی کوشش کی جو جدلیاتی مادیت کی علمیات پر مبنی ہو۔ اینیگلز کی جدلیات (Dialectics of Nature) اور لینن کی ''مادیت اور تجرباتی تنقید'' (Marterialismand EmpirioCriticism) کی روشنی میں انہوں نے سرمایہ دار معاشرے میں رائج سائنس سے ممتاز اور برتر ''مارکسی'' سائنس کو تخلیق کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے جدلیاتی مادیت کے طریق ارتقا یعنی دعویٰ (Thesis) ضد دعویٰ (Anti-Thesis) اور امتزاج (Synthesis) کا طبعی سائنس کے مختلف شعبوں' مثلاً کوانٹم میکانیات' اضافیت اور جینیات (Genetics) پر اطباق کر کے یہ تصدیق کرنی چاہی کہ سائنس بھی جدلیاتی مادیت کے اصولوں پر چلتی ہے۔

اشتراکی سائنس تخلیق کرنے کی یہ کوشش صرف ناکامی پر نہیں بلکہ شرمناک ذلت پر منتج ہوئی۔ اس کی کلاسیکی مثال لائیسنکو کی ''اشتراکی'' حیاتیات ہے جس کا نظریہ اسٹالن کے دور میں پیش کیا گیا۔ اشتراکی مکتب خیال کی تاریخ میں اس نظریے کو اتنی اہمیت حاصل ہوئی کہ اس کی موافقت اور مخالفت میں لاتعداد کتابیں لکھی گئیں۔ مندرجہ ذیل سطروں میں حقائق کا صرف خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

لائیسنکو کاشتکار خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ پودوں کی پرورش کرتا تھا۔ حیاتیات کے شعبہ سائنس میں 1930ء کی دہائی میں اس کا نام سامنے آیا۔ اس نے حیاتیات میں ماہرین جینیات کے کام کو چیلنج کیا۔ یہ تمام ماہرین اونچے طبقات سے تعلق رکھتے تھے۔ چونکہ لائیسنکو کے سائنسی دعاوی طبقاتی کشمکش اور جدلیاتی مادیت کی اصطلاحات یا لفظیات میں بیان کئے گئے تھے' اس لئے اسٹالن کے دور میں ان کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور سوویت مملکت نے اس کی حیاتیات کو کمیونسٹ یا مارکسی سائنس تسلیم کر لیا۔ جلد ہی لائیسنکو کے حامیوں نے مملکت کے دہشت پھیلانے والے اداروں سے گٹھ جوڑ کر کے سائنس کے شعبہ میں اپنے مخالفین کو با اختیار عہدوں سے ہٹانا شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں نکولائی واوی لاف کا معاملہ بہت مشہور ہوا۔ وہ نباتاتی جینیات کے اولین سائنس دانوں میں سے ایک تھا۔ اس کے رجحانات اشتراکی تھے۔ ایک فوجی عدالت نے زراعتی تباہی اور دیگر الزامات لگا کر اسے موت کی سزا سنائی۔ گو

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

بعد میں سزائے موت کو دس سال کی قید میں تبدیل کر دیا گیا۔ واوی لاف تین سال کی قید کاٹ کر جیل میں ہی مر گیا۔

لائیسنکو نے مبہم دلائل اور غلط اعداد و شمار کی بنیاد پر مینڈیلین جینیات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ نسلی وراثت موروثی ساخت سے نہیں بلکہ کسی جاندار اور ماحول کے درمیان باہمی تفاعل سے متعین ہوتی ہے۔ جاندار زندگی کے تجربات و اثرات اپنی آئندہ نسلوں کو منتقل کرتا ہے۔ اس کا ایک قدرتی ضمنی کلیہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ انسان اپنا تعین آپ کرتا ہے۔ یہ اشتراکی زاویہ نگاہ سے ایک نہایت خوش کن دعویٰ ہے۔ لیکن حیاتیات کے سائنس دان بے شمار وقیع شہادتوں سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اکتسابی خصوصیات یا صفات آئندہ نسل کو منتقل نہیں ہوتیں اور لائیسنکو کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ لائیسنکو کا ایک اور جھوٹا دعویٰ یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے پودے آپس میں ''اشتراکی یکجہتی'' کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ان کے درمیان تنازع البقاء (زندگی کے لئے مقابلہ) نہیں ہوتا۔ اس نے یہ بات بھی اصرار کے ساتھ کہی کہ ایک ہی قبیل کے درختوں کو قریب قریب بو دیا جائے تو وہ نشو و نما میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اس غلط نظریے کی رو سے روس میں جنگلات کی کاشت اور صنعت کو بہت نقصان پہنچا۔

لائسینکو نے سوویت یونین میں حیاتیات کی سائنس کو تقریباً بیس سال پیچھے دھکیل دیا۔ مخالفین پر ظلم کرا کر انسانیت کے دکھ میں اضافہ کیا اور سوویت زراعت و جنگلات کو نقصان پہنچایا۔ لائیسنکو کے نظریات کا زوال خروشیف کے دور سے شروع ہوا۔ حسب توقع اشتراکیت کے مخالفوں نے لائیسنکو کے نظریات کی ناکامی کو یہ ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا کہ مارکسیت غیر منطقی نیز جبریت پر مبنی فلسفہ ہے۔

لائیسنکو کے متعلق اشتراکیوں کی آراء مختلف تھیں۔ ایک طرف وہ ماؤ کے حامی لوگ تھے جو روس میں اس کو ترک کرنے کے بعد بھی اسے اینگلز کی جدلیت کا اعلیٰ ترین حاصل کہتے رہے اور روسی کیمونسٹ پارٹی کو اس وجہ سے مارکسیت کا منحرف قرار دیتے رہے کہ اس نے لائیسنکو کے نظریات کی مذمت کی تھی۔ دوسری طرف وہ لوگ تھے جو یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ کیا مادی حالات تھے (مثلاً روسی زراعت کی خراب حالت اور اسٹالن کی رائج کردہ اجتماعی زراعت

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

یا مشترکہ کھیتی باڑی کی ناکامی) جن کی وجہ سے ایسے مسائل پیدا ہوئے جن کو فوراً حل کرنے کے لئے لائیسنکو کے احمقانہ نظریات بھی قبول کر لئے گئے۔ ان کے علاوہ ایسے لوگ بھی تھے' جنہوں نے لائیسنکو کو ایک ایسے جاہ طلب اور موقع پرست فرد سے زیادہ وقعت نہ دی جو عموماً آمریت کے ماحول میں پروان چڑھتے ہیں۔ کیونکہ یہ محض ایک انفرادی معاملہ تھا' لہٰذا اس کی کوئی مستقل اہمیت نہیں ہوسکتی۔

لیکن لائیسنکو کے قصے کو اتنا غیر اہم بھی نہیں سمجھنا چاہیے۔ بے شک یہ مارکسی سائنس کی سب سے زیادہ ذلت آمیز مثال تھی لیکن اس کے علاوہ بھی چند مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ اسٹالن کے روس میں کوانٹم میکانیات اپنی احتمالی نیچر کے باعث اور آئن سٹائن کا نظریہ اضافیت فلسفیانہ معنویت کے سبب نظریاتی اعتبار سے مشکوک تھے۔

مندرجہ بالا منفی تجربات نے ترقی پسند سائنس دانوں کو اس غلط خیال سے نجات دلائی کہ قدرت کسی خاص نظریے یا اعتقاد کی پابند ہے یا ہوسکتی ہے۔ جہاں تک سائنس کے استعمال کا تعلق ہے' سو وہ ایک مختلف مسئلہ ہے۔

تیسری دنیا کی سائنس؟

تیسری دنیا کی قومیں دنیا کی آبادی کا تین چوتھائی سے زیادہ ہیں۔ لیکن دنیا کی کل پیداوار کا بیس فیصد سے کم کماتی ہیں اور دنیا کے قدرتی وسائل کا صرف بائیس فیصد صرف کرتی ہیں۔ صنعتی ملکوں پر ان کا انحصار زندگی کے ہر شعبے سے ظاہر ہے۔ یہ انحصار اقتصادی شعبے میں اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ 1989ء میں صنعتی ملکوں کے بنکوں کو تیسری دنیا کے ملکوں نے قرضوں پر سود کے طور پر 150 ارب ڈالر کی خطیر رقم ادا کی ہے۔ صنعتی ملکوں کے اپنے مفادات کا انحصار ایسی حکمت عملیوں کے ذریعہ ہوتا ہے' جو کئی اعتبارات سے تیسری دنیا کے ملکوں کے لئے تباہ کن ہیں۔ مثال کے طور پر تیسری دنیا کی اشرافیہ کے اندر دانستہ طور پر درآمدی ساز و سامان کی ہوس پیدا کی جاتی ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں کے فوجی صنعتی کارخانوں میں تیار کئے گئے نفیس اسلحہ سے ان کی فوجی مہم جوئی کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ بیرونی ملکوں کی تجارتی و صنعتی کمپنیاں تیسری دنیا کے وسائل لوٹتی ہیں' منافع کے لئے جنگلات کو کاٹتی ہیں اور دریاؤں کو آلودہ کرتی ہیں۔ کئی ملکوں میں زہریلے کیمیاوی فضلے پھینکے جاتے ہیں' کیڑے مار دوائیں

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

مقامی ماحول اور حیات کو نقصان پہنچاتی ہیں اور بھوپال جیسی تباہ کاری کا ظلم بھی ان پر توڑا جاتا ہے۔

یہ حقائق ان لوگوں کے لئے پریشان کن ہیں جو دنیا میں انصاف چاہتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے تیسری دنیا میں بشمول سائنس ان تمام چیزوں کے خلاف ایک ردعمل ہوا ہے جن کو مغربی سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے تیسری دنیا میں سائنس ترک کرنے کے حق میں مختلف دلائل دیئے جا رہے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ تیسری دنیا میں جو سائنس رائج ہے، وہ اصلی اور تخلیقی نہیں ہے اور یہ زیادہ تر تیسری دنیا کے معاشرے سے علیحدہ ہی رہتی ہے۔ نوعیت کے اعتبار سے نہیں تو ہیئت کے لحاظ سے تیسری دنیا میں سائنس اس سائنس سے مختلف نہیں ہے جو مغرب میں رائج ہے، اس لئے یہ سائنس نو آبادیاتی دور سے پہلے کے علوم اور فلسفوں کی روح سے میل نہیں کھاتی۔ چنانچہ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ سائنس نو آبادیاتی نظام کا لگایا ہوا پودا ہے، اس لئے یہ غیر مغربی ملکوں میں پروان نہیں چڑھ سکتا۔

کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ تیسری دنیا کے ملکوں کو ایک نئی ''تیسری دنیا کی سائنس'' درکار ہے؟ بعض لوگ اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں۔ تیسری دنیا کی سائنس کا ایک بہت بڑا مبلغ سری لنکا کا دانشور سونا نتھا گونا تلکے ہے۔ اسلامی دنیا میں نصر اور سردار جیسے ہم عصروں کی طرح گونا تلکے بھی یہ سمجھتا ہے کہ عقل وخرد کا صحیح منبع عہد عتیق یا ماضی بعید میں ہے۔ اس میں اور اسلامی دانشوروں میں فرق یہ ہے کہ وہ اس منبع کو اسلامی عہد کے بجائے جنوبی ایشیا میں نو آبادیاتی دور سے پہلے کی تہذیب میں تلاش کرتا ہے۔ نصر اور سردار کی طرح گوناتی لاکے کو بھی یقین ہے کہ جدید سائنس تیزی سے تباہی کی طرف جا رہی ہے اور صرف پرانی تہذیبوں میں ہی وہ دانش ہے جو اسے تباہی سے بچا سکتی ہے۔ اس طرح طب کے شعبہ میں ''نئے'' ترقیاتی نکات کے لئے آیورویدک ماضی کی چھان بین کر کے ہم عصر سائنسی علم سے اس کا امتزاج کیا جا سکتا ہے اور جنوبی ایشیا یا چین جیسے ملکوں کی سیر حاصل تاریخی، سائنسی اور فکری روایات میں نیوکلیائی طبیعیات اور علم کائنات کے لئے نئی جہتیں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو گونا تلکے کے بقول تیسری دنیا کے لوگ ایسی سائنس کی نقالی کرتے رہیں گے جس کا مرکز مغرب میں ہے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

تیسری دنیا کی سائنس کے دوسرے حامی بھی ملتے جلتے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان میں سے چند 1986ء میں پینا نگ میں منعقدہ ایک بین الاقوامی کانفرنس میں جمع ہوئے۔ اس کانفرنس کا موضوع تھا ''جدید سائنس کا بحران''۔ اس کانفرنس نے اعلان کیا کہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی مغربی تجربہ اور علمیات پر مبنی ہیں' اس لئے تیسری دنیا کی ضروریات کے لئے مناسب نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ بات زور دے کر کہی گئی کہ جدوجہد کا سب سے زیادہ مشکل کام پہلی دنیا کے اثر ونفوذ سے تیسری دنیا کے دماغوں کو پاک کرنا ہے اور ایسے بیرونی تربیت یافتہ سائنس دانوں کے خلاف لڑنا ہے جو ''اس مغربی وائرس کے سب سے بڑے جراثیم بردار ہیں' جس سے ہم اپنے معاشروں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں''۔

گو سیاست پر مبنی سائنس کے مقاصد مذہب پر مبنی سائنس کے مقاصد سے مختلف ہیں' میری رائے میں دونوں ہی غلط ہیں۔ آخر الذکر پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں' وہ اول الذکر پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ ایسی کسی سائنس کا وجود نہیں' ایسی سائنس کے لئے جو بھی تجویز اب تک پیش کی گئی' وہ بہت زیادہ مبہم اور اکثر بذات خود متضاد تھی۔ چند افراد کے چھوٹے گروہ سے باہر اسے عام تائید حاصل نہیں اور اس گروہ کے اراکین کو سائنس سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور سائنس کا یہ محدود تصور سائنس کی آفاقیت کی نفی کرتا ہے کیونکہ اس باب میں ان دلائل کی پہلے ہی وضاحت کی جا چکی ہے' اس لئے مزید تشریح کی چنداں ضرورت نہیں۔

ان دلائل کی روشنی میں یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''تیسری دنیا کی سائنس'' ایک غلط تصور ہے' جس سے وقت کے ضیاع کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا اور جس پر عمل کر کے تیسری دنیا کی پستی' افلاس اور ماحول کی تباہی میں مزید اضافہ ہی ہو سکتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ٹیکنالوجی دنیا میں عام نہیں ہے۔ اس لئے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ گنجان آبادی کے معاشروں کے مخصوص تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹیکنالوجی میں تبدیلیاں کی جائیں اور تبدیل شدہ ٹیکنالوجی سے ان تقاضوں اور ضروریات کو پورا کیا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سائنس کے وسائل پر قدرت حاصل کی جائے نہ کہ انہیں ترک کیا جائے۔ صرف ایسا کر کے ہی ہم آفاقی تہذیب کی بقا کے ضامن بن سکتے ہیں۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

باب آٹھ

مسلم سائنس کا عروج

کئی مورخ ازمنہ وسطیٰ کو نوع انسان کے خصوصی تاریک ادوار قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس خیال کا اظہار صرف مغربی تمدنی تاریخ کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ تاریک ادوار صرف یورپ کے تاریک ادوار تھے، تمام نوع انسان کے نہیں تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس زمانے میں اہل یورپ جادوگرنیوں کو نذر آتش کرنے اور کافروں کی کھال کھینچنے میں مصروف تھے، اس زمانے میں اسلامی تہذیب اپنے عروج پر تھی۔ اس عہد کی شاندار کامیابیوں اور کارناموں کے تمام وقیع مورخ معترف ہیں۔ مثال کے طور پر، سائنس کی تاریخ پر جارج سارٹن کی ہمہ گیر کتاب (جس کو اس موضوع پر مستند مانا جاتا ہے) میں اس حقیقت کو نہایت زوردار الفاظ میں بیان کیا گیا ہے

''آٹھویں صدی عیسوی کے وسط سے گیارہویں صدی کے آخر تک عربی نوع انسان کی سائنسی اور ترقی یافتہ زبان تھی۔۔۔۔۔ یہاں اتنا ہی کافی ہوگا کہ ایسے چند شاندار نام لئے جائیں جن کے مقابلے کے نام اس عہد کے یورپ میں نہیں تھے۔ یہ نام ہیں جابر ابن حیان، الکندی،

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

الخوارزمی' الفرغانی' الرازی' ثابت ابن قراء البطانی' حنین' ابن اسحاق' الفارابی' ابراہیم ابن سینا' المسعودی' الطبری' ابوالوفا' علی ابن عباس' ابوالقاسم ابن الجزار' البیرونی' ابن سینا' ابن یونس' الکرخی' ابن الہیثم' علی ابن عیسیٰ' الغزالی' الزرقلی' عمر خیام۔۔۔۔۔۔ گر تم سے کوئی یہ کہے کہ سائنسی اعتبار سے ازمنہ وسطیٰ بنجر تھے تو اسے یہ اسمائے گرامی بتا دو۔ یہ سب 750 عیسوی سے 1100 عیسوی کے نسبتاً کم تاریخی عرصے میں پھلے پھولے تھے''۔

اس سے ملتی جلتی رائے وقیع سائنسی رسالے "Nature" کے ایک حالیہ شمارے میں پیش کی گئی ہے:

''آج سے ہزار سال قبل اپنے عروج کی انتہا پر عالم اسلام نے سائنس اور خصوصاً ریاضی اور طب کے میدانوں میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے۔ اپنے دور عروج میں بغداد اور جنوبی سپین میں یونیورسٹیاں قائم کیں' جہاں تحصیل علم کے لئے ہزاروں افراد جوق در جوق آتے تھے۔ حاکموں کے گرد سائنس دانوں اور فنکاروں کا مجمع ہوتا تھا اور آزاد خیالی کی فضا میں یہودی' عیسائی اور مسلمان باہم مل کر کام کر سکتے تھے۔ آج یہ سب بس ایک یاد رفتہ ہے''۔

یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ اسلامی سائنسی کامیابیوں کے لئے ایسا فیاضانہ خراج تحسین' جس کی وہ واقعی مستحق تھیں' آج بیسویں صدی میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدیوں میں مشرق کے متعلق مغربی ادب میں ایسے کلمات تحسین و آفرین نہیں پائے جاتے تھے۔ اس کی وجہ واضح ہے' یورپ کی فیصلہ کن برتری قائم ہونے سے پہلے تک عیسائیت کے لئے اسلام ایک طاقتور فوجی اور اخلاقی خطرے کی نمائندگی کرتا تھا۔ کیونکہ وہ عیسائیت کا طاقتور نعم البدل دین تھا۔ عیسائی مذہبیات میں اسلام کے پھیلاؤ کی وضاحت کے لئے ایک مدافعانہ نظریہ اختیار کیا گیا تھا' جس کی رو سے اسلامی کامیابیاں تشدد' نفس پرستی اور فریب کا نتیجہ تھیں۔ ایسے وقت جبکہ یورپ کا تجارتی سامراج ترقی کی طرف گامزن تھا' اسلام کے متعلق مذکورہ بالا الزامات کی تشہیر سودمند تھی۔

اس کا مقصد نہ صرف سفید فام اقوام کی برتری منوانا تھا' بلکہ فوجی فتوحات' اخلاقی فرائض بن جاتی تھیں' کیونکہ مفتوح لوگ اور قومیں استعمار پسندوں کے بقول ایسے وحشی تھے جن کو سائنسی اور فنی نفاست سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اس لئے ایسی کسی بھی منصفانہ تحقیق کی حوصلہ شکنی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ضروری تھی' جو استعمار پسندوں کے مفروضوں یا پروپیگنڈے کو مشکوک بناتی ہو۔

جب مسلمانوں کو یہ یقین ہو گیا کہ مغربی تعلیمات میں مسلمانوں کے خلاف تعصب سے کام لیا جاتا ہے' تو انہوں نے اپنی علمی و ثقافتی تواریخ میں عام مغربی مفروضوں کو غلط ثابت کرنے کے لئے تحقیق شروع کر دی۔ تاریخ کی خشک کتابوں سے ازمنہ وسطیٰ کی جو تاریخ برآمد ہوئی' وہ مسلمانوں کے شاندار ماضی کی ایک داستان ہے اور تمام دنیا میں مسلمانوں کے زندہ تصور کا ایک جزو ہے۔ خصوصا قرون اولیٰ کی سائنسی کامیابیاں غیر معمولی اہمیت اور معنویت کی حامل ہیں۔ ہزار سالہ عہد گزرنے کے باوجود بعض لوگ سنجیدگی سے یہ سوچتے ہیں کہ وہ کنجی جس سے نئے نشاۃ ثانیہ کے دروازے کھل سکتے ہیں' ماضی کی تاریک راہوں میں کہیں پڑی ہے۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ ماضی میں کیا غلطی ہوئی ہے تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ مستقبل میں کیا کرنا چاہیے۔

اس وجہ سے گزشتہ دو سو سالوں سے مختلف نظریات رکھنے والوں کا ایک بڑا کام یہ رہا ہے کہ تہذیبی زوال کے اسباب کی نشاندہی کی جائے۔ لیکن جیسا کہ عموماً تاریخ کے متعلق مباحثوں میں ہوتا ہے' نتائج یا اسباق داخلی تعصّبات یا دعاوی کی تصدیق یا تائید کے لئے اخذ کئے جاتے ہیں۔

کٹر احیا پسندوں کے زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو سنہری دور مسلمانوں کو متقی زندگی گزارنے کے انعام میں حاصل ہوا۔ جب تک وہ پابندی اور خلوص سے نمازیں پڑھتے رہے' رمضان کے مہینے میں روزے رکھتے رہے' زکوٰۃ دیتے رہے' حج ادا کرتے رہے اور دیگر تمام مذہبی فرائض سے کما حقہ سبکدوش ہوتے رہے' خوش حال رہے۔ اس کے برخلاف خلفاء کے دربار میں برائیوں اور لہو ولعب' مثلاً شراب نوشی' رقص و سرود اور زنا کاری کے باعث زوال شروع ہوا۔ اس زاویہ نگاہ کے مطابق ماضی کی شان و شوکت اور خوش حالی اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے اگر مسلمان شریعت پر عمل پیرا ہو جائیں اور مذہبی رسوم ادا کرنے لگیں' لیکن اس خیال کی مخالفت میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اسلامی تاریخ میں علمی ترقی خصوصاً ہارون الرشید اور مامون الرشید جیسے غیر راسخ العقیدہ اور رواداری برتنے والے خلفاء کے دور میں ہوئی۔ ان کی آزاد خیالی سے کٹر مولوی ناخوش تھے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کٹر احیا پسندوں کے برعکس نئی روشنی اور تعمیر نو کا حامی مسلمان ایک مختلف کردار اور منزل کی طرف دیکھ رہا ہے۔ وہ ماضی میں مسلمانوں کی سائنسی کامیابیوں کی تاریخ پڑھ کر فوراً اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ کامیابیاں اسلام اور سائنس کے درمیان ہم آہنگی کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ اس کے بقول سنہری دور کا تصور قرآن حکیم اور رسول ﷺ کی بار بار کی گئی اس تلقین کا فاتحانہ جواز بن جاتا ہے کہ علم حاصل کرو اور علم حاصل کرنے کے اس حکم میں جدید سائنس کا حصول بھی شامل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن حکیم کی سات سو پچاس آیات (کتاب کا تقریباً آٹھواں حصہ) میں اہل ایمان کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ قدرت کا مطالعہ کریں یعنی مشاہدوں اور تجربوں پر مبنی جدید سائنس کے طریقے اپنائیں۔ مسلمانوں کے سنہری دور میں سائنسی کامیابی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کلی طور پر سائنس کا حامی ہے' اس لئے سائنس پڑھنا اور سیکھنا مذہبی فریضہ بھی ہے اور دنیاوی ضرورت بھی۔

تعمیر نو کا حامی مسلمان کہتا ہے کہ اسلامی تہذیب میں سائنس کے مستقبل کو تابناک بنانے کے لئے مسلم سائنس کی تاریخ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ چند متنازعہ مسائل پر بحث کی جائے' ان میں سے مندرجہ ذیل سوالات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں:

☆ کیا مسلمانوں نے خاص طور پر اسلامی طرز کی سائنس کو ترقی دی تھی؟ کیا یہ سائنس آفاقی تھی اور اس لئے اس کو "مسلم سائنس" کہنا زیادہ مناسب ہوگا؟

☆ کیا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ مسلمانوں کے سنہری دور میں جن لوگوں نے سائنس کو ترقی دی' وہ زیادہ تر غریب تھے؟ غیر مسلم اور غیر عرب دانش وروں کا رول کتنا اہم تھا؟

☆ کیا ازمنہ وسطیٰ کے مسلم معاشرے نے صحیح معنوں میں عقلی سائنسوں کو قبول اور جذب کر لیا تھا؟

اس باب کا بقیہ حصہ مندرجہ بالا سوالات پر غور وخوض کے لئے مختص ہے۔

یہ اسلامی سائنس تھی یا مسلم سائنس؟

یہ کوئی لفظی کج بحثی بھی نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسلمانوں نے ازمنہ وسطیٰ میں جس سائنس کو پروان چڑھایا' کیا وہ خصوصاً اسلامی مذہبیات اور عقائد سے تعلق رکھتی تھی یا اس کی ترکیبیں اور مفروضے اصل میں وہی تھے جو دیگر انسانی تہذیبوں کے بھی تھے یا ہو سکتے تھے؟ گویا کہ اس

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سوال کا جواب حاصل کرنا ہے کہ آیا مسلمانوں کے سنہری دور کی سائنس کو ''اسلامی سائنس'' کا نام دیا جائے یا ''مسلم سائنس'' کہا جائے۔

یہ مسئلہ اس وجہ سے اتنا زیادہ مبہم ہو گیا ہے کہ ازمنہ وسطیٰ میں سائنس کا مطلب بالکل وہ نہیں تھا جو آج ہے۔ مثال کے طور پر الغزالی شریعت کے مطالعے کو سائنس کہتے ہیں لیکن اس لفظ کا جدید استعمال مختلف ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مختلف سائنسیں تھیں اور ازمنہ وسطیٰ کے مختلف دانشوروں نے بہت مختلف اسکیموں کے تحت ان کی درجہ بندی کی تھی۔ الفارابی کی ''احیاء العلوم'' کے مطابق علم قوانین' علم الکلام اور طبیعیات اسی طرح سائنس کے شعبے ہیں جس طرح کہ اقلیدس اور علم المناظر ہیں۔ اسی طرح شمس المولیٰ نے سائنس کو دو قسموں میں تقسیم کیا۔ علوم الاوائل (اخلاقیات' منطق' موسیقی' فلسفہ' ریاضی' فلکیات وغیرہ) اور علوم الاواخر (ادب' تصوف' تاریخ وغیرہ۔) الغزالی نے بھی معلومات یا علم کی اقسام کا تعین کیا تھا۔ سائنس کی یہ نوع بندی آج کی درجہ بندی سے مختلف ہے۔

بحث جاری رکھنے کے لئے ہم سائنس کے وہی معنی سمجھنے پر اکتفا کئے لیتے ہیں جو موجودہ زمانے میں سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ہم یہ بامعنی سوال کر سکتے ہیں کہ آیا ریاضی' علم المناظر میکانیات' فلکیات' کیمیا اور طب میں مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے' اسے ''اسلامی سائنس'' یا ''مسلم سائنس'' کو آگے بڑھانے یا ترقی دینے کے مترادف سمجھا جا سکتا ہے؟

ریاضی کو لے لیجئے۔ جس قسم کے مسائل ریاضی کو مسلمان سائنس دانوں نے قابل توجہ سمجھا' وہ ان مسائل سے چنداں مختلف نہ تھے' جن کو ان سے پہلے مصری' بابلی' ہندو اور یونانی ریاضی دانوں نے حل کرنے کی کوشش کی تھی یا جو ان سائنس دانوں کی تحقیق کا موضوع رہے جو صدیوں بعد پیدا ہوئے۔ یہ بات ان کامیابیوں کی نوعیت سے ظاہر ہوتی ہے' جو ریاضی کے شعبے میں حاصل ہوئیں۔ مثال کے طور پر مسلمانوں نے جدید اعشاری نظام ایجاد کرنے میں ہندوستانی ہندسوں کے علم کو استعمال کیا۔ جمشید الکاشانی نے ثنائی قضیہ حل کر کے اس کام کا آغاز کیا' جو نیوٹن نے سات سو سال بعد مکمل کیا' ابوالوفا نے علم مثلث میں اہم کلیات قائم کئے۔ الخوارزمی نے الجبرا میں مساواتوں کے مطالعے کو منضبط کیا۔ عمر خیام نے مکعبی مساواتوں کا ہندسی حل معلوم کیا وغیرہ وغیرہ۔ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ ریاضی سے محبت کا براہ راست تعلق

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

''توحید'' سے ہے' لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ دوسری تہذیبوں میں بھی مماثل ریاضی کا ارتقا ہوا۔ فیثا غورث اور ڈیاؤفینٹائن خدائے واحد پر یقین نہیں رکھتے تھے' اس لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا جائز ہے کہ مسلمانوں کی ریاضی میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وجہ سے اس کو ''اسلامی ریاضی'' کا نام دیا جائے۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف یہ کہ اپنے پانچ سو سالہ سنہری دور میں مسلم تہذیب نے دوسروں کے مقابلے میں بہتر کام کیا۔

یہی بات علم المناظر کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ شیشوں یا انعطاف نور پر ابن الہیثم کا کام ان مسائل سے متعلق تھا جن پر سائنس دان اس سے پہلے اور بعد میں کام کرتے رہے۔ اس کا مقام تاریخ میں اس لئے مسلمہ ہے کہ اس نے سب سے پہلے بعض مناظری کلیات دریافت کئے۔ ایسے سائنس دانوں کو پیدا کرنے کا فخر تمام تر اسلامی تہذیب کو حاصل ہے لیکن کسی مذہبی نظریے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بات موجودہ دور میں بھی بعض کٹر مذہبی حلقے پسند نہیں کرتے۔ مثلاً لندن سے سعودی امداد سے شائع ہونے والے ایک رسالہ نے کھل کر یہ الزام تراشی کی کہ ابن الہیثم اور اس کی مانند دیگر مسلمان عقلیت پسندوں نے جو کچھ کیا' وہ ''یونانی نظریات کا قدرتی اور منطقی نتیجہ تھا''۔ اس لئے یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ وہ (ابن الہیثم) عموماً مذہب سے منحرف کافر سمجھا جاتا تھا اور مسلم دنیا اس کو تقریباً کلی طور پر فراموش کر چکی ہے۔

یہ خیال احمقانہ ہے کہ ایک مسلمان سائنس دان کے نظریات لازمی طور پر اس کے مذہبی عقیدے پر مبنی ہوں گے یا وہ اپنے سائنسی کام کا ذوق وشوق لازمی طور پر اپنے مذہب سے حاصل کرتا ہوگا۔ یہ بات جتنی کہ آج صحیح ہے' اتنی ہی آج سے ایک ہزار سال پہلے بھی تھی۔ الکیمیا اس کی ایک بہترین مثال ہے۔ کیمیا بعض ارسطوی روایات پر مبنی تھی جو اریاس اور فیثا غورث سے بھی منسوب ہیں۔ اس کو جابر ابن حیان اور الرازی نے بہت زیادہ ترقی دی اور آج ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کیمیا کی سائنس کے ارتقا میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ گو کہ آج ہر شخص جانتا ہے کہ الکیمیا (کیمیاوی طریقوں سے سونا بنانا) ایک احمقانہ کوشش تھی' کیونکہ سنگ فلسفی یا پارس پتھر جیسی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں ہے اور نہ ہی تانبے یا ٹین جیسی گھٹیا دھاتیں کیمیاوی طریقے سے سونا بن سکتی ہے۔ الکیمیا جس کو علم کیمیا کا آغاز سمجھتے ہیں'

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سونا بنانے میں ناکامی کے باوجود ایک نہایت اہم چیز ثابت ہوئی کیونکہ کیمیا گروں نے اشیاء کو ٹھیک ٹھیک اور متناسب مقدار میں اجزاء کو ایک دوسرے سے ملانا سیکھا' تیزابوں اور الکلیوں کی خصوصیات کا علم حاصل کیا' بعض عناصر کی دیگر عناصر سے ہم آہنگی یا قربت کے متعلق معلومات بہم پہنچائیں' لیکن یہ ایک ایسے پروگرام کے ضمنی اکتسابات تھے جو بنیادی طور پر ایک لاحاصل منزل کے لئے تھا۔ یقیناً یہ کہنا غلط ہوگا کہ مسلم الکیمیا یا کیمیا گری کا شوق اسلام نے پیدا کیا تھا۔

کیا مسلمانوں کے سنہری دور کی سائنس عرب سائنس تھی؟

انیسویں صدی کے فرانسیسی ماہر اسلامیات ارنسٹ رینان اور جدیدیت نیز عملیت پسند مسلمان رہنما جمال الدین افغانی کے درمیان مشہور مباحثہ کے دوران رینان نے کہا تھا کہ ''اسلامی دنیا میں غیر عرب دانشوروں نے نہ صرف سائنس اور فلسفے کو روشناس کرایا تھا بلکہ ان کی آبیاری اور ترقی کے ذمہ دار بھی غیر عرب ہی تھے۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ صرف ایک مسلم فلسفی الکندی پیدائشی عرب تھے۔ رینان نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ''عرب سائنس'' کی اصطلاح حقیقت پر مبنی نہیں ہے' اس لئے یونانیوں اور ایرانیوں کو فلسفہ و سائنس کا پیش روا اور موجد سمجھنا زیادہ صحیح ہوگا۔

اسی طرح کے دلائل دوسروں نے بھی دیئے تھے۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ اگر ہم کچھ تفصیل کے ساتھ یہ معلومات فراہم کریں کہ اسلام میں سائنسوں کو کس طرح روشناس کرایا گیا اور بعد میں ان کا ارتقا کیسے ہوا۔ ہم ان دلائل کا مطالعہ بھی کریں گے جو افغانی نے رینان کو اپنے جواب میں لکھے تھے۔ اس مباحثے میں منطقی باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے مناسب ہوگا اگر ہم ازمنہ وسطیٰ کی اسلامی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کر لیں:

1- 700 عیسوی سے پیشتر کا ابتدائی دور۔

2- 700 عیسوی سے 1000 تک کلاسیکی عباسی خلفاء کا عہد۔

3- 1000 عیسوی سے 1250 عیسوی تک ازمنہ وسطیٰ کا عروجی دور۔

4- 1250 عیسوی سے 1500 عیسوی تک ازمنہ وسطیٰ کا آخری دور۔

ابتدائی دور میں فلسفہ یا سائنس کا وجود نہیں تھا۔ ان سے اسلامی دنیا کلاسیکی عباسی دور میں

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

روشناس ہوئی۔ تاہم 704ء میں بنو امیہ کے شہزادے خالد بن یزید نے خلافت حاصل کرنے میں ناکام ہونے کے بعد کیمیا گری کا مطالعہ شروع کیا اور اس کی تحریک پر کیمیا گری' جوتش یا علم نجوم اور طب کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ یہ وہ دور تھا جبکہ اسلامی علاقائی اور تجارتی اعتبار سے تیزی کے ساتھ وسعت پذیر تھا اور اسلامی معاشرہ متحرک تھا۔ تجارت وفتوحات کے باعث فارغ البالی اور خوش حالی نے ایک ایسا طبقہ پیدا کر دیا تھا جو فکر معاش سے آزاد رہ کر دماغی و ذہنی کاموں کی طرف توجہ دے سکتا تھا۔ اس زمانے میں فنون لطیفہ اور سائنس کی ترقی ہوئی۔

پہلے قدم کے طور پر یونانی سائنس' فلسفے اور طب کی کتابوں کے ترجمے کا عظیم کام سرانجام دیا گیا۔ اس کام کا آغاز جندشاپور میں ہوا' پھر اس کا مرکز بغداد بن گیا' جہاں پر کام کرنے والے زیادہ تر غیر مسلم تھے۔ پروفیسر سابرا کے مطابق ترجمہ کا کام کرنے والے زیادہ تر نصرانی عیسائی تھے۔ وہ مشرق قریب اور وسط ایشیا کے عیسائی مدارس اور خانقاہوں کے تعلیم یافتہ تھے۔ سب سے بڑا مترجم حسنین ابن اسحاق تھا' جس نے بشمول اپنے پسر اسحاق کے لوگوں کو مترجموں کو کام سکھایا تھا۔ ان لوگوں نے یونانی طب' فلسفے اور ریاضی کی متعدد کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔ ایک ماہر ترجمہ' ثابت ابن قرہ تھا' جو حران کے صابیہ قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ قبیلہ ایک ایسے کافر مذہب کو مانتا تھا' جس پر جوتش اور فیثا غورثی سریت کا گہرا اثر تھا۔ دوسرے بڑے مترجم ابوبشر' مطعی اور یحیٰ بن عدی' دو یعقوبی راہب تھے۔ یونانی تراجم سے پہلے بارامیکا جس کا شجرہ نسب بدھ مت سے جا ملتا تھا' نے بغداد میں بیت الحکمتہ قائم کیا اور جس نے وہاں ہندو طب' ریاضی اور فلکیات کے مضامین کی تعلیم و تدریس شروع کی۔

اسلامی سائنسی ارتقا کا یہ پہلا دور دراصل یونان سے درآمد شدہ علوم کو سمجھنے اور ہضم کرنے کا عہد تھا۔ اس دور میں مسلمان دانشوروں نے مترجموں کے طور پر ثانوی حیثیت سے حصہ لیا تھا۔ اس ابتدائی دور میں مسلمان دانشوروں کا سائنس کی ترقی میں حصہ کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ اگر صرف ابتدائی دور کو نظر میں رکھا جائے تو رینان کی دلیل صحیح ہے۔ لیکن ہمیں یہ بھی ماننا چاہیے کہ مسلمان حکمران طبقوں کی مکمل حوصلہ افزائی اور حمایت کے بغیر تراجم کا کام بھی ناممکن ہوتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خلفاء کے درباروں اور شرفاء کے محلوں میں ہر مذہب و ملت کے دانشوروں اور ہنرمندوں کی پذیرائی اور عزت افزائی کی جاتی تھی۔ ان کے ساتھ محض

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

رواداری نہیں برتی جاتی تھی بلکہ ان کی تعظیم وتکریم کی جاتی تھی۔ رواداری اور مذہبی وسعت نظری کے اس ماحول میں سائنس کی جڑیں اسلامی سرزمین میں گہری ہوگئیں۔

ازمنہ وسطیٰ کے دورعروج تک ترجمے کا کام ختم ہو چکا تھا۔ اس کے بعد سائنس دوسرے دور میں داخل ہوئی۔ یونانی کے بجائے اب عربی زبان' دانشوروں کے خیالات کی ترجمان بن گئی۔ اب ماقبل ادوار سے مختلف بات یہ تھی کہ غیر مسلموں کے بجائے زیادہ تر دانشوراور سائنس دان مسلمان تھے۔ اس دور میں اسلامی تہذیب نے ابن الہثیٰ (1039-965) البیرونی (1051-973) عمر خیام (1123-1038) اور ناصر الدین طوسی (1274-1201) جیسے سائنس دان پیدا کئے۔ یہاں مسلمان سائنس دانوں کے بڑے بڑے کارناموں کا تذکرہ ممکن نہیں۔ ان میں سے کئی دریافتیں اور ایجادیں بعد میں نشاۃ ثانیہ کی سائنس کا حصہ بن گئیں۔ عیسائی کلیسا کی ناراضگی مول لے کر راجر بیکن نے ابن الہیثم کے ''علم المناظر'' پر مبنی تجربات کئے۔ ابن سینا کی علم طب پر کتاب کا لاطینی ترجمہ صدیوں' مغربی یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا رہا اور ابن رشد ریفارمیشن دور کا پہلا فلسفی قرار پایا۔

اور اب جمال الدین افغانی کی طرف سے رینان کی دلیل کا جواب۔۔۔۔۔۔

افغانی نے اپنے جواب کا آغاز اس بات سے کیا کہ ابتدا میں گو عرب جاہل اور وحشی تھے' تاہم انہوں نے سائنس کے اس چراغ کو روشن کیا جو مہذب قوموں نے بجھا دیا تھا۔ جب ارسطو عرب ہوگیا تو یورپ نے اس کو خوش آمدید کہا۔ لیکن جب تک وہ یونانی اور ان کا ہمسایہ رہا' تب تک یورپ والوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ افغانی نے تسلیم کیا کہ مشرق میں عرب سلطنت کے زوال کے بعد سائنس کے اندلس اور عراق جیسے بڑے مراکز دوبارہ قعر جہالت میں گر پڑے اور مذہبی کٹر پن کے مراکز بن گئے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ سائنس اور فلسفہ میں ازمنہ وسطیٰ کی ترقی عربوں کے باعث نہیں تھی جو اس دور میں حکمران تھے۔

مندرجہ بالا دلیل کے بعد افغانی نے رینان کے اس دعوے کو چیلنج کیا کہ عظیم اسلامی دانشوروں میں بہت کم عرب تھے۔

''جناب رینان کہتے ہیں کہ اسلام کی پہلی صدی میں وہ فلسفہ اور مدبر جو مشہور ہوئے' زیادہ تر

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہاران، اندلس اور ایران سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں ماورائے آمودریا اور شام کے پادری بھی شامل تھے۔ میں ایرانی دانشوروں کی عظیم خوبیوں کا منکر نہیں ہوں، نہ اس کردار سے چشم پوشی کرنا چاہتا ہوں جو دنیائے عرب میں ان سے منسوب ہے، لیکن مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہارانی عرب تھے اور ہسپانیہ و اندلس پر قابض ہو کر حکومت کرنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ عرب اپنی قومیت سے محروم ہو گئے تھے، وہ عرب ہی رہے۔ اسلام سے کئی صدیوں پہلے سے ہارانیوں کی زبان عربی تھی۔ یہ حقیقت کہ وہ اپنے پرانے سبائی مذہب پر قائم رہے، اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ انہیں عرب قومیت سے علیحدہ سمجھا جائے۔ شامی پادری بھی زیادہ تر غسانی عرب تھے، جنہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا''۔

''جہاں تک ابن ماجہ، ابن رشد اور ابن طفیل کا تعلق ہے، تو کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ الکندی کی طرح محض اس وجہ سے عرب نہیں ہیں کہ ان کی پیدائش عرب میں نہیں ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔ اور اگر تمام یورپی ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں تو جائز طور پر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ تمام ہارانی اور شامی بھی عظیم عرب خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

رینان کا جواب الجواب (جو اسی رسالے میں دوسرے دن شائع ہوا اور جسے کیڈی نے افغانی پر اپنی کتاب میں نقل کیا ہے) افغانی کے جواب میں زیادہ تر دلائل کے جائز ہونے کو تسلیم کرتا ہے۔ افغانی کے دلائل متوازن اور معقول ہیں۔ غیر عرب اور غیر مسلموں کے اہم سائنسی کاموں کی حقیقت سے منکر ہوئے بغیر وہ موثر طریقے سے رینان کی باتوں کو رد کرتا ہے اور مباحثہ کے اس شعبے میں بازی جیت لیتا ہے۔ لیکن ایک مختلف مسئلہ یعنی خیالات کی آزادی اور سائنس کی ترقی کو روکنے میں مذاہب کے کردار پر بحث میں ہم افغانی اور رینان کے درمیان حیرت انگیز ہم آہنگی پاتے ہیں۔

کیا ازمنہ وسطیٰ کے مسلم معاشرے نے سائنس کو قبول کر لیا تھا؟

یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ازمنہ وسطیٰ میں مسلم معاشرے کے اداروں نے کس حد تک عقلی سائنسوں کو قبول اور اپنے اندر جذب کر کے دوسروں کو منتقل کیا تھا۔ یہ معلوم کر کے ہم اندازہ لگا سکیں گے کہ سائنس کس حد تک مسلم معاشرے کا حصہ بن گئی تھی۔

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ ازمنہ وسطیٰ کے عیسائی معاشرے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے بشمول تمام روائتی معاشروں میں سائنس کا کردار موجودہ زمانے سے بہت مختلف تھا۔ زمانہ حال میں ہم اس سائنس کے عادی ہو گئے ہیں جس کو کل وقتی سائنس دانوں اور کارکنوں کی ایک بڑی جماعت چلاتی ہے اور جس کے تحت بہت ہی مخصوص مہارت کے کام کئے جاتے ہیں اور جس کی اصطلاحات اور زبان غیر متعلقہ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ جدید معاشرے کے بڑے سائنسی اداروں کو سائنس دانوں کی یہ جماعت تخلیق کرتی ہے اور اپنی باری پر یہ ادارے سائنس دانوں کو پیدا کرتے ہیں۔ بڑی تکنیکی ایجادات کے باعث معاشی' سماجی' تعلیمی اور سیاسی ادارے پیدا اور ارتقا پذیر ہوتے ہیں۔ جدید تہذیب زیادہ تر سائنس کی ہی دین ہے۔

تاریخ کے ابتدائی ادوار میں ایسا نہیں تھا۔ بشمول اسلامی تہذیب' تمام تہذیبوں میں سائنس اور اس کے طریق کار کی وجوہ موجودہ زمانے سے مختلف تھیں۔ ایک مشترک بنیادی وجہ یقیناً موجود ہے اور وہ ہے ''انسانی تجسس''۔ زمانہ ما قبل تاریخ سے اعداد کی عجیب خصوصیات' کسوف و خسوف' مدوجزر' کائنات کی وسعت' انسانی جسم کی پیچیدگی۔۔۔۔۔۔غرضیکہ قدرت کے ان سب مظاہر نے انسان کے تجسس کو ہوا دی ہے۔ سائنس کی تہہ میں جاننے کی خواہش اور غیر مرئی حالات کو پیدا اور مربوط کرنے کی دماغی صلاحیت کارفرما ہے۔ انسان کی یہ طاقت ہر زمانے میں کارفرما رہی ہے اور ہر معاشرے نے اس کو ترقی دی ہے' اس لئے یہ کہنا یقیناً صحیح ہے کہ انسانی وجود اور سائنس لازم وملزوم ہیں۔

تاہم' روائتی تہذیبوں' بشمول اسلامی تہذیب' کے عہد میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے درمیان باہمی وابستگی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ قدیم سائنس کے باعث زراعت' تعمیر' پارچہ بانی اور اسلحہ میں کوئی قابل ذکر ترقی نہیں ہوئی۔ اس زمانے کی ٹیکنالوجی بنیادی طور پر تجربی اور عارضی ہوتی تھی۔ اس کی تہہ میں کوئی سائنسی اصول نہیں ہوتا تھا۔ زیادہ تر سائنس کتابوں کے مطالعے اور مباحثوں سے متعلق ہوتی تھی اور عملی افادیت کے معیار سے سابقہ بہت کم پڑتا تھا۔ اس کا مطلب اور باتوں کے علاوہ یہ بھی تھا کہ اس تہذیب کی حدود میں' جس نے کہ اس سائنس کو پروان چڑھایا تھا' مسلم سائنس کے تمام امکانات کا حصول ممکن نہیں تھا۔ الخوارزمی نے الجبرو المقابلہ۔ (الجبرا) جس طرح باقاعدہ بنایا' وہ یقیناً ایک حسین کارنامہ تھا اور اسے غیر مرئی تخیل کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن علم و دانش کی ترقی کے اس ابتدائی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

مرحلے پر یہ امر واضح نہیں تھا کہ عملی زندگی میں سائنس اور ریاضی کا کیا استعمال ہوسکتا ہے۔ یورپ میں جدید تہذیب کی پیدائش سے پہلے ریاضی کا ٹیکنالوجی سے ضروری تعلق قائم نہیں ہوا تھا۔ اس وقت بھی جدید ٹیکنالوجی کا انحصار زیادہ تر تجرباتی ذہن پر تھا۔ سائنس کے عملی پہلو کی حیثیت سے ٹیکنالوجی انیسویں صدی عیسوی سے پہلے وجود میں نہیں آئی تھی۔ سترہویں اور اٹھاہویں صدیوں میں زیادہ تر ایجادیں اور تجرباتی دریافتیں سائنس کی نظریاتی بنیادوں کے بغیر وجود میں آئی تھیں۔ مثال کے طور پر دخانی انجن پہلے ایجاد ہوا اور قوت حرارت کا عملی نظریہ بعد میں پیش کیا گیا۔

اس لئے جیسا کہ میں نے مندرجہ بالا سطور میں کہا ہے' ازمنہ وسطٰی کے اسلامی معاشرے کے مسائل اور ضروریات سے سائنس اور ریاضی کا براہ راست تعلق نہیں تھا' تاہم مستثنیات موجود تھیں۔ لیکن وہ چنداں اہم نہ تھیں۔ یہاں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی جاسکتی ہے کہ تجارت' زمین کی پیائش اور نقشہ کشی کے شعبوں میں عملی مسائل درپیش ہونے کی وجہ سے مدرسوں کے نصاب میں بنیادی ریاضی شامل کی گئی تھی۔ ریاضی کا ایک اور استعمال کرہ ارض کے مختلف مقامات پر قبلے کی سمت کا تعین کرنے کے لئے کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ریاضی کی مدد سے نماز کے اوقات کا جدول تیار کیا جاتا تھا۔ اس کام میں مسجد کا مئوقت کبھی کبھی علم مثلث اور الجبرا سے بھی کام لیتا تھا۔ انجینئرنگ اور تعمیرات میں بھی ریاضی سے کام لیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر فاطمی خلیفہ الحکیم نے ابن الہشیم کو دریائے نیل کے بہاؤ کی تسخیر کے کام پر مامور کیا تھا۔ بدقسمتی سے اسے اس کام میں ناکامی ہوئی کیونکہ اس زمانے میں مٹی کھودنے اور منتقل کرنے کی ٹیکنالوجی نے ترقی نہیں کی تھی۔

ازمنہ وسطٰی کے اسلامی معاشرے میں ٹیکنالوجی کو سائنس کی ترقی کا بڑا سبب قرار نہ دیا جائے تو یہ بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اسلام میں سائنس کی ترقی کے کیا اسباب تھے؟

ایک بنیادی عنصر سائنس اور علوم میں روشن خیال خلفاء اور شہزادوں کی دلچسپی معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے انہوں نے دانشوروں کی سرپرستی کی۔ اس سرپرستی کے مقابلہ میں روشن خیالی کے عہد میں فرانسیسی اشرافیہ کی سرپرستی بھی ہیچ ہے۔ دانشوروں کو اپنے درباروں میں بلانے کے لئے حکمران ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ خلیفہ مامون کے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

دربار میں الکندی' سلطان محمد ابن تکوش کے دربار میں فخر الدین رازی' مختلف سلطانوں کے طبیب کی حیثیت سے ابن سینا' الحکیم کے مشیر کی حیثیت سے ابن الہیثم ' المنصور کے تحت ابن رشد۔۔۔۔۔غرضیکہ تمام عظیم دانشور ازمنہ وسطیٰ میں شاہی درباروں سے وابستہ تھے۔جس سے ان کو پیشہ وارانہ شہرت' معاشرتی احترام' کتب خانوں اور تجربہ گاہوں سے استفادہ اور (شاید سب سے اہم بات) فیاضانہ وظائف ملتے تھے۔خلیفہ کی سرپرستی دانشوروں کو ایسے کٹر مذہبی ملاؤں سے محفوظ رکھتی تھی' جو سائنسی اور علمی دریافتوں کو کفر کے مترادف سمجھتے تھے۔اس تحفظ کے بغیر اسلام میں علم و دانش کا سنہری دور نہ آتا۔لیکن شاہی سرپرستی پر انحصار مسلم سائنس کی ایک خطرناک ساختیاتی کمزوری کا مظہر بھی تھا۔

اس کا انحصار کہ کس قسم کے علوم کو ترقی ملے گی اور انفرادی طور پر دانشوروں کا مقدر کیا ہوگا' اس پر ہوتا تھا کہ سرپرست کی طبیعت کے رجحانات کیا ہیں۔حکمران خاندان کے موجودہ حالات کیا ہیں' اور دربار میں کیا سازشیں ہو رہی ہیں۔حکمران کی تبدیلی کا مطلب اکثر یہ ہوتا تھا کہ پرانے درباریوں اور دانشوروں پر مصیبت آنے والی ہے۔مثلاً الکندی کی قبیل کے معقولیت پسند دانشوروں نے المامون کے بعد المتوکل جیسے قدامت پرست خلیفہ کے تخت نشین ہونے پر فرار ہو کر جان بچائی۔اس کے زمانے میں تمام جامعات بند کر دیئے گئے۔ادب' سائنس اور فلسفہ کو کفر قرار دیا گیا اور معقولیت پسندوں کو بغداد سے کھدیڑ دیا گیا۔لیکن کسی دانشور کے فرار کا سبب ہمیشہ ہی نظریاتی اختلاف نہیں ہوتا تھا۔ابن سینا کی سوانح حیات سے پتہ چلتا ہے کہ طبیب کی زندگی اکثر ایک نازک دھاگے سے لٹکی ہوئی ہوتی تھی' خصوصاً اس وقت جبکہ شاہی خاندان کا کوئی شخص ناقابل علاج مرض میں مبتلا ہو جائے۔کبھی آدھی رات کے وقت گھوڑے پر بیٹھ کر فرار ہونا' کبھی درویش کا روپ دھار کر چپ چاپ نکل جانا۔۔۔۔۔اس طرح ابن سینا کا ایک دربار سے دوسرے دربار کو جانا' ایک طرح سے بھرپور ناول کا باب معلوم ہوتا ہے۔تاہم اس کے کچھ ہم عصر اتنے خوش قسمت نہیں تھے اور وہ اس دنیا سے طبعی زندگی ختم ہونے سے پہلے رخصت ہونے پر مجبور کئے گئے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف سائنس' بلکہ تمام دنیاوی علوم مسلم معاشرے کے اونچے طبقے کے روشن خیال دانشوروں تک محدود نہایت مخفی یا پراسرار مضامین سمجھے جاتے تھے۔یہ نتیجہ مندرجہ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ذیل دلائل کی روشنی میں معقول دکھائی دیتا ہے۔

1- سائنس کی امکانی عملیت (یعنی نظریاتی اصولوں پر مبنی علم کا باقاعدہ طریقہ) اتنی کم تھی کہ ہم عصر ٹیکنالوجی پر اس کا قابل ذکر اثر مرتب نہیں ہو سکتا تھا۔ سائنس نے اقتصادی اہمیت کے اداروں کو جنم نہیں دیا اور نہ ہی کسی بڑے معاشی عمل کی تحریک پیدا کی اور ماہرین کے مراکز بھی وجود میں نہیں آئے' اس لئے سائنس کو عوام تک پہنچانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

2- شاہی سرپرستی گو کہ قابل تعریف تھی' تاہم اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ دانشور یا سائنس دان اپنے سرپرستوں کی خوشی کو اولین اہمیت دیتا تھا' اس لئے عام آدمی کو سائنس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تھا۔

3- عام تعلیمی اداروں (مدارس) کے نصاب میں عقلی سائنسوں کے شامل نہ ہونے کی وجہ سے ان سائنسوں کے پھیلاؤ کے لئے کوئی نظام نہیں بنا۔

4- تمام بڑے حکماء یا فلسفیوں۔۔۔۔۔۔الکندی' ابن سینا' الرازی' ابن رشد وغیرہ۔۔۔۔۔۔ کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جاہل عوام الناس کے لئے اپنے دلوں میں بیک وقت خوف وحقارت کے جذبات رکھتے تھے۔ وہ بخوشی عوام کے لئے ایک اور خواص کے لئے دوسری سچائی پیش کرنے کی مصلحت کے وکیل تھے۔ یہ ان کے تحفظ ذات کے لئے ضروری تھا۔ وہ ازراہ مصلحت تقیہ کرنے پر مجبور تھے کیونکہ کٹر ملا ان کے خلاف عوام کو بھڑکا سکتے تھے۔

5-ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا اسباب نے سائنس کو انفرادی طور پر ہر دانشور کا نجی شوق بنا دیا تھا' جس کو وہ روشن خیال اشرافیہ کی سرپرستی میں پورا کرتا تھا اور عوام کا اس سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔ اس کے باوجود یہ معمہ حل طلب ہے کہ مسلم سائنس کا دور تقریباً چھ صدیوں پر محیط ہے اور سارٹون کی تحقیق کے مطابق یہ عرصہ یونانی' ازمنہ وسطیٰ کے عیسائی اور جدید سائنس کے دور سے بھی زیادہ ہے۔ انفرادی حیثیت سے مسلمان سائنس دانوں نے اتنے طویل عرصے تک سائنس کو کس طرح زندہ رکھا۔ یہ بات یقیناً باعث حیرت ہے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

باب نو

مذہبی کٹر پن اور مسلم سائنس

علم تاریخ سائنس نہیں ہے۔ طبیعیات میں ابتدائی حقائق مستقبل کے واقعات کی پیش گوئی کرتے ہیں یا ان کا تعین کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس، تاریخ کا علم ہمیں اس قابل نہیں بناتا کہ ہم یقین کے ساتھ پیش گوئی کر سکیں۔ تاریخ میں تعلیل یعنی یہ یقین کہ مخصوص واقعات مخصوص علل یا اسباب کا نتیجہ تھے، غلطی کے خطرے سے خالی نہیں کیونکہ اس میں یہ مفروضہ مضمر ہے کہ ایک سبب ہمیشہ ایک ہی اثر یا نتیجہ پیدا کرے گا۔ اس کے برخلاف کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ تاریخی اسباب یا تشریحات کا مطالعہ بے سود ہے کیونکہ تاریخ کوئی سبق نہیں سکھاتی۔ اس نظریے کی قبولیت کا منطقی مطلب یہ ہے کہ ہم نوع انسان کے تمام تجربات کو رد کر دیں، اس کے علاوہ ہر حادثے یا واقعے کو، خواہ وہ اہم ہو یا غیر اہم، مقدس غیبی منصوبے کا حصہ سمجھنا چاہیے یا پھر اسے محض حادثاتی سمجھ کر رد کر دینا چاہیے۔ اس طرح نہ صرف ماضی بلکہ زندہ حال بھی بے ربط اور ناقابل فہم ہو جاتا ہے۔

اسلامی تہذیب کی تاریخ میں سائنس کے زوال اور بالآخر اس کی مکمل تباہی پر غور (جو بالخصوص

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

موجودہ اسلامی دنیا میں سائنس کی حالت زار کے پس منظر میں ہوگا) کے نتیجہ میں کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ سائنس کا یہ مخصوص تاریخی دور تجزیہ سے بالا ہے یا وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ سائنسی دور خدائی ارادے کا محض ایک اظہار تھا' ایسی صورت میں مزید بحث بے سود ہوگی۔ اس کے برعکس یہ رویہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسلامی دنیا میں سائنس کے زوال کے اسباب معلوم کئے جائیں۔ مختلف جوابات پر اتفاق رائے کی توقع نہیں کرنی چاہیے۔ جواب کی تلاش میں مختلف تاریخ داں حقائق کے ایک ہی تھیلے میں ہاتھ ڈالیں گے اور ہر مورخ دوسروں سے مختلف جواب دے گا۔ مورخین کا ایک گروہ خارجی اسباب پر توجہ مرکوز کرے گا' مثلاً منگولوں کا حملۂ بغداد کی تباہی' صلیبی جنگیں وغیرہ۔ اور مجموعی طور پر فوجی شکست کو سائنس کے زوال کا خاص سبب قرار دے گا لیکن راسخ الاعتقاد مورخ اسلامی اقدار کے فقدان کو خاص سبب بتائے گا۔ میری رائے میں کسی ایک سبب کو زوال کا سبب قرار دینے کے بجائے ہمیں وہ اسباب تلاش کرنے چاہئیں جن کی گواہی تاریخ سے ملتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سائنس کا زوال بے روح اور منجمد مذہبیت کے عروج سے وابستہ ہے۔ اس مذہبیت کے باعث دنیاوی پیشوں میں ترقی مشکل سے مشکل تر ہوتی چلی گئی۔ سائنس کے خلاف کٹر پن کا ردعمل ہی اس کے زوال کا واحد سبب نہیں تھا' اقتصادی اور سیاسی اسباب بھی تھے لیکن یہ امر یقینی ہے کہ جیسے جیسے عدم رواداری اور کٹر پن کا شور بڑھتا گیا' دنیاوی سائنس زوال پذیر ہوتی چلی گئی اور آخرکار جب چودھویں صدی میں اسلامی دانش کا سنہری دور اختتام کو پہنچا تو سائنس کی شاندار عمارت خاکستر ہو چکی تھی۔ اس کے بعد مسلم ثقافت ایک شاندار ماضی کی سخت جان یادگار بن کر رہ گئی۔

سائنس کے خلاف کٹر مذہبیت کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ہمیں تیرہ سو سال پہلے اسلام کی پہلی صدی میں واپس جانا ہوگا۔ اس وقت اسلام کے نئے مذہب نے عربوں کو ایک شناخت' شعور اور دنیا کو دیکھنے کا ایک ایسا زاویہ نگاہ دیا جو قبیلے اور نسل کی تنگ حدود سے وسیع اور بالا تھا۔ اسلام کے ثقافتی انقلاب نے ان کو قدیم تہذیبوں کی دانش کے جگمگ کرتے خزانوں کا وارث بنا دیا۔ یونانی فلسفہ و سائنس' ایرانی ادب' ہندوستانی طب اور ریاضی اور مصری و بابلی سائنس کے بعض پہلو جن سے یونانی بھی ناواقف تھے۔ اسلام سے پہلے کی یہ سائنسیں' جن کو علوم الاوائل کہا جاتا تھا' اس زمانے کی تمام معلومات اور فنون پر حاوی تھیں۔ مثلاً طب' فلکیات' فلسفہ'

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ریاضی، قدرتی سائنس، موسیقی اور پراسرار علوم۔ سچ تو یہ ہے کہ علوم الاوائل دانش کے خزانوں کا بڑا ذخیرہ تھے۔ دنیاوی علم کے ان عناصر کو اسلامی ایمان میں جذب کرنا ایک چیلنج تھا اور اس دور کے مسلمانوں نے اس چیلنج کو قبول کر لیا تھا۔

ابتدائی دور کے مسلمان دانشور یونان کے قیاس منطقی پر مہارت سے سرشار ہو کر اسے مذہبی بحثوں میں استعمال کرنے لگے۔ اس کا پہلا قابل ذکر استعمال انسانی اختیار پر یقین رکھنے والوں اور تقدیر کے جبر کو ماننے والوں کے درمیان ہوا۔ ایک طرف ''قدری'' تھے جو ایک خالص مذہبی تفسیر پر ایمان رکھتے تھے، وہ انسان کے اختیار یا اس کی قدرت کو ثابت کرنے کے لئے ارسطو کی قیاسی منطق استعمال کرتے تھے۔ قرآنی آیات کے حوالے سے ان کا استدلال یہ تھا کہ انسان کے سامنے کئی راستے ہوتے ہیں، جن میں سے وہ اپنی پسند کا رستہ منتخب کر سکتا ہے۔ یہ دلیل محض مذہبی یا نظریاتی نہ تھی، یہ سیاسی بھی تھی۔ یہ یقین کہ انسان کو آزاد ارادہ اور فیصلے کی طاقت ودیعت کی گئی ہے، اس مفہوم کا ہی حامل تھا کہ خلفائے بنو امیہ کی حکومت کو مشیت ایزدی نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس لئے یہ ایک واضح انقلابی نظریہ تھا اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی دور میں اسلام سیاسی تبدیلی کا ذریعہ اور ظلم و ناانصافی کے خلاف لوگوں کو متحرک کرنے والا نعرہ تھا۔ اس تنازعہ میں فریق مخالف تین فرقے تھے۔ جہمیہ، نجاریہ اور ضراریہ۔ ان تینوں کو مجموعی طور پر جبریہ کہا جاتا تھا۔ جبری سخت تقدیر پرست تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر واقعہ اور عمل خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک کربلا میں حضرت امام حسین کی شہادت بھی عمل تقدیر یا مشیت ایزدی کا مظہر تھی، اس لئے ان کے قاتلوں کی مذمت کرنا یا ان کے قتل کا ماتم کرنا بے فائدہ ہے۔

''آزاد ارادے'' کے باغیانہ نظریے کی وجہ سے اموی حکمرانوں کے مفاد پر ضرب پڑتی تھی، اس لئے قدریوں پر ان کا عتاب نازل ہوا۔ مروان ابن عبدالملک کے دور حکومت میں قدریوں کے لیڈر، عابد الجہانی کا سر قلم کیا گیا۔ ایک عرصہ تک قدریوں کو اذیتیں دی گئیں اور انہیں صلیبوں پر چڑھایا جاتا رہا لیکن ان کا نظریہ نہ ختم ہو سکا۔ بلکہ اس نظریے نے معتزلہ تحریک کو جنم دیا جس پر ہم آئندہ صفحات میں روشنی ڈالیں گے۔

کٹر پن کے خلاف معتزلہ کی بغاوت:

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

بصرہ اور بغداد کی سڑکوں پر آزاد ارادے کے ماننے والوں اور جبر تقدیر پر یقین رکھنے والوں کے درمیان خونریز فسادات نے آخرکار عقل پرست فلسفیوں کے ایک انتہا پسند مکتب خیال کو جنم دیا جو معتزلہ (مخالفین) کے نام سے مشہور ہوا۔ معتزلہ کے فلسفہ کی گونج مسلمانوں کے مختلف مکاتیب فکر اور مسلم معاشرے میں صدیوں تک گونجتی رہی۔ خلیفہ مامون الرشید اور خلیفہ معتصم باللہ نے معتزلہ فلسفہ کو نظریہ مملکت کی حیثیت سے نافذ کیا اور دس صدیوں سے زیادہ کے عرصہ تک (جس میں یورپی نو آبادیاتی تسلط کا دور بھی شامل ہے) معتزلہ نظریات مسلمان مصلحین کے خیالات کو متاثر کرتے رہے۔ آج بھی ان کے نظریات مسلمانوں کی جدید فکر میں پائے جاتے ہیں۔

آٹھویں صدی کے اوائل میں امام حسن البصری کے سابق شاگرد واصل ابن عطا نے معتزلہ مکتب خیال کی بنیاد رکھی تھی۔ عام عقائد سے اختلاف کے باعث ابن عطا کو امام حسن البصری کے مدرسہ سے علیحدہ ہونا پڑا۔ بعد میں اس نے اپنا الگ مدرسہ قائم کیا۔ معتزلہ ایک علیحدہ فرقہ نہیں تھا اور اس میں سنی و شیعہ فرقوں کے لوگ شامل تھے۔ البتہ بعد میں معتزلہ میں بھی ایک علیحدہ فرقے کی خصوصیات پیدا ہوگئی تھیں' جبریہ فرقہ کے کٹر پن کے ردعمل میں معتزلہ نے مذہب کے عقائد اور عقلیت کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسلامی عقائد اور یونانی منطق کے امتزاج سے جو مذہبی سائنس وجود میں آئی' اسے علم الکلام کا نام دیا گیا۔ علم الکلام ہی مسلم علوم کی بنیاد قرار پایا اور صدیوں تک اسلامی فکر اس سے متاثر رہی۔ علم الکلام پر مبنی مذہبیت اسلامی عقائد کو منطقی دلائل سے ثابت کرنے اور مادہ پرستوں' نیز دین فانی کے ماننے والوں کے حملوں سے دفاع کے کام آتی رہی۔

اسلامی ایمان کو عقلی اور فلسفیانہ بنیادیں فراہم کرنے کی کوشش میں معتزلہ نے اخلاقیات اور عقلیت پر مبنی دلائل سے کام لیا۔ گو وہ اپنے دعاوی کے ثبوت میں قدرتی طور پر قرآنی آیات پیش کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایسے نتائج پر پہنچتے تھے جو راسخ العقیدہ ملاؤں کی نظر میں کفر یا شرک سے مترادف ہوتے تھے۔ معتزلہ عقائد کے بعض عناصر خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ تھے۔

☆ ارادے کی آزادی اور اختیار کا مسئلہ خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ معتزلہ کو اس اخلاقی مشکل کا

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

شدت سے احساس تھا جو کٹر ملاؤں کے اس دعوے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ خدا گناہ گاروں کو ڈھیل دیتا ہے' ان کی سیہ کاری پر فیصلہ صادر کرتا ہے اور پھر گناہوں کی پاداش میں انہیں جہنم کی آگ میں جھونک دیتا ہے۔ وہ پوچھتے تھے کہ وہ خدا جو رحمٰن اور رحیم ہے' ایک ایسے شخص کو ان کاموں کے لئے کیونکر سزا دے سکتا ہے جو اس نے خدا کے حکم سے ہی کئے تھے؟ معتزلہ کو یقین تھا کہ تقدیر کا جبر اللہ تعالیٰ کے مقدس اصول عدل کے منافی ہے' اس لئے وہ خود کو ''مقدس اصول عدل'' کے علمبردار سمجھتے تھے۔ گناہ کی سزا اور نیکی کی جزا کے مسائل کا حل ان کے نزدیک یہ تھا کہ خدا کو مطلق العنان آمر کے بجائے محض ایک قانون ساز سمجھا جائے۔ وہ یہ دلیل دیتے تھے کہ سزا و جزا کے مقدس فیصلوں کو معقول اور بامعنی بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھے اور برے میں تمیز کی صلاحیت عطا کی ہے اور اسے اچھے یا برے کو منتخب کرنے کا پورا اختیار دیا ہے۔ معتزلہ کے اس حل کو کٹر ملاؤں نے کفر و شرک قرار دیا۔ وہ کہتے تھے کہ انسان خالق (خدا) ہوئے بغیر اپنے اعمال کا خالق کیونکر ہو سکتا ہے۔

☆ معتزلہ کا نظریہ اس زمانے میں مقبول عام بشر سے مماثل خدا کے تصور کی نفی کرتا تھا۔ معتزلہ کہتے تھے کہ ''وہ (خدا) نہ جسم ہے نہ شے ہے' نہ حجم ہے نہ ہیئت ہے' نہ گوشت و پوست ہے نہ خون ہے' نہ شخص ہے نہ مادہ ہے۔۔۔۔۔۔ وہ (خدا) حواس کی پہنچ سے باہر ہے۔ انسان کسی تمثیل سے اسے نہیں سمجھا سکتا۔ آنکھیں اسے نہیں دیکھتیں' بصارت اس تک نہیں پہنچتی''۔

یہ عقائد معتزلہ کے مخالفین کے عقائد کی بالکل ضد ہیں۔ معتزلہ کے خلاف تحریک کا سربراہ الحسن الاشعری تھا۔ وہ پہلے عقلیت پسند تھا' بعد میں خود اپنے ماضی اور اپنے مرشدین کے ''کفر و شرک'' کا شدید مخالف ہو گیا۔ الاشعری کی ظاہر پرستی اور خدا کا بشر سے مماثل تصور سنی اسلام کے عقائد کا حصہ قرار پائے۔ الاشعری نے لکھا:

''ہم مانتے ہیں کہ خدا اپنے تخت پر متمکن ہے۔۔۔۔۔۔ یہ پوچھے بغیر کہ کیونکر اور کس طرح' ہم جانتے ہیں کہ خدا کے دو ہاتھ ہیں' دو آنکھیں ہیں۔۔۔۔۔۔ ہم مانتے ہیں کہ خدا کا چہرہ ہے۔۔۔۔۔۔ اور ہم تصدیق کرتے ہیں کہ وہ سنتا اور دیکھتا ہے''۔

معتزلہ نے مندرجہ بالا صفات سے انکار کیا۔ انہیں اصرار تھا کہ خدا خالص جوہر ہے۔ چنانچہ اس پر الزام عائد کیا گیا کہ وہ خدا کی ذات کو اصلیت سے محروم کر کے انسان کے لئے اس کی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

تفہیم اور پرستش کو مشکل بنا رہے ہیں۔

☆ معتزلہ احادیث (پیغمبر کی روایات اور اقوال) کو بے سود سمجھتے تھے' کیونکہ انہیں راویوں کی باتیں مشکوک معلوم ہوتی تھیں۔ وہ عقلی دلیل کو الہام و وحی کے برابر اہم سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے تفسیر کا ایک صرف ونحو پر مبنی طریقہ ایجاد کیا' جس کے ذریعہ وہ قرآن کے ایسے نکات کی تشریح کرتے تھے' جو بظاہر معقولیت کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے تھے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ طریقہ کافرانہ تھا' لیکن اس سے بھی بڑھ کر معتزلہ کا یہ دعویٰ تھا کہ قرآن ابدی نہیں بلکہ خدا کی تخلیق ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لئے انہوں نے کئی دلائل دیئے۔ مثلاً اگر قرآن تخلیق نہیں تو اسے خالق (یعنی خدا) ہونا چاہیے۔ جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم وحدانیت سے منکر اور شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ایک اور دلیل یہ تھی کہ قرآن میں حضرت موسیٰ کے اقوال درج ہیں اور حضرت موسیٰ دنیوی یا زمانی مخلوق تھے' اس لئے قرآن کیونکر ابدی ہوسکتا ہے؟

ابتدائی دور میں منطقی قیاس کی طاقت کٹر ملاؤں کی فہم سے بالا تھی' اس لئے معتزلہ کو کسی سنجیدہ نظریاتی اختلاف کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا۔ معتزلہ کے نظریات دور خلافت میں اشرافیہ کے درباروں میں پھیل گئے۔ اندلس میں بھی اسے اختیار کیا گیا۔ خلیفہ منصور نے گو اعلانیہ طور پر معتزلہ کا مسلک اختیار نہیں کیا لیکن اس کی حوصلہ افزائی کی اور مامون و معتصم کے دور میں نظریہ ریاست کی حیثیت سے اس کو عملاً نافذ کیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی تاریخ میں مامون الرشید فلسفہ وسائنس کا سب سے بڑا سرپرست تھا۔ اس کے دور میں بیت الحکمہ کا قیام ایک سنگ میل تھا۔ اس ادارے کے کتب خانہ میں کتابیں جمع کرنے کے لئے مامون نے بزنطین اور دیگر ملکوں میں اپنے سفیر بھیجے کہ وہ فلسفہ وسائنس کی کتابیں لائیں تاکہ ان کا ترجمہ کیا جائے۔

مساجد اور مدارس میں تعقل کے نظریہ کی تبلیغ کی گئی اور معقولیت تعلیم یافتہ ہونے کا نشان قرار پائی۔ اسے معاشرے کے دانشور طبقوں۔۔۔۔۔۔ شہزادوں' درباریوں' قاضیوں' پروفیسروں' معلموں' ڈاکٹروں اور تاجروں۔۔۔۔۔۔ نے ایک مسلک کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ معتزلہ حکمرانوں کے دور میں دنیاوی سائنسوں نے نہایت تیزی سے ترقی کی۔ زیادہ تر بڑے اسلامی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

دانشوروں اور سائنس دانوں نے یا تو اعلانیہ تعقل پسندی کو قبول کیا یا وہ اس سے متاثر ہوئے۔ الکندی، الرازی، ابن سینا، ابن الہیثم، ابن رشد اور کئی دوسرے دانشور اور سائنس دان معتزلہ نظریات رکھتے تھے۔

یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ معتزلیت اسلام کے دائرے میں ایک عظیم اسلامی تحریک تھی۔ یہ تحریک نہ تو اسلام کے دائرے سے باہر تھی اور نہ ہی اسلام کے خلاف تھی۔ لیکن آخرکار اس تحریک کو شکست دے کر اسے اسلامی عقائد کے دھارے سے الگ کر دیا گیا۔ کیوں؟ ممکن تھا کہ معتزلہ کا گروہ، جس میں شیعہ وسنی دونوں ہی شامل تھے، منظّم عقلیت، دلائل اور براہین کے ذریعہ اس جاری تفرقہ کو مٹانے میں کامیاب ہو جاتے جو خلفائے راشدہ کا عہد ختم ہونے کے بعد ہی شروع ہو گیا تھا، اس کا بھی امکان تھا کہ معتزلہ نظریات مذہب کو عقلی بنیاد فراہم کرتے۔

لیکن جن اسباب نے مل کر ان نظریات کو مسترد اور آخرکار ختم کر دیا، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا سبب یہ تھا کہ اقتدار مملکت تک رسائی نے سمعتزلہ کو بدعنوان اور ظالم ہونے کا موقع فراہم کیا۔ ایک ایسے نظام میں، جس کے تحت خلافت پر سازشوں، چالبازیوں یا فوجی کامیابیوں کے ذریعہ قبضہ کیا جاتا تھا اور جمہوری شرکت کا تصور وجود میں نہیں آیا تھا، ظلم اور زبردستی سے کام لینا حکومتوں کا معمول تھا اور طاقت کا استعمال حکمرانوں کی مرضی کے مطابق کیا جاتا تھا۔ معتزلہ حکمرانوں نے بھی طاقت کے استعمال میں مطلق العنانیت سے کام لیا۔ المامون نے ان تمام قاضیوں، مفتیوں اور علماء پر ظلم کیا، جنھوں نے تخلیق قرآن کے نظریے کو ماننے سے انکار کیا۔ ایسے لوگوں کو ''عدالت استیصال الحاد'' یا ''مذہبی احتساب کی عدالت'' کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، جن پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ وہ تخلیق قرآن کے معتقد نہیں ہیں۔

مذہبی بنیاد پر امام احمد ابن حنبل جیسے قدامت پرستوں نے معتزلہ کی مخالفت کی۔ وہ ان لوگوں میں سے ایک تھے جنہیں مخالفت کرنے کے جرم میں اذیت دے کر ختم کیا گیا۔ وہ مذہبی احکام کو جوں کا توں بجالانے پر پکا ایمان رکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ''ہر اس موضوع پر مباحثہ جسے پیغمبر زیر بحث نہ لائے ہوں، غلط ہے اور اس بات پر وہ آخر وقت تک قائم رہے۔ خلق قرآن کے نظریے کو تسلیم نہ کرنے میں استقامت کے باعث قدامت پرست امام حنبل کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ لیکن ایسے مسلمان بھی ہیں جو امام حنبل کو ہیرو نہیں مانتے۔ مثال کے طور پر

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

انیسویں صدی کے روشن خیال دانشور سید امیر علی کا نقطہ نظر امام حنبل کے متعلق مختلف ہے۔ وہ امام حنبل اور ان کی طرح کے دیگر جوشیلے کٹر مسلمان دانشوروں کو اس بات کا مورد الزام ٹھہراتے ہیں کہ انہوں نے معتزلہ کی زیادتیوں کو سادہ لوح اور پسماندہ مسلمانوں کو تعقل کے خلاف بھڑکانے کے لئے استعمال کیا۔

''اس موقع پر احمد بن حنبل سامنے آئے۔ وہ امام حنبل کے نام سے مشہور تھے۔ دین کی پابندی میں سخت احتیاط کے قائل تھے اور ہر اس شخص کو ابدی عذاب کی بددعا دیتے تھے جو ان کے نظریات سے اختلاف کرتا تھا۔۔۔۔۔۔انہوں نے علوم اور سائنس کی مذمت کی اور تعقل کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ عوام الناس نے ان کے جوش خطابت سے متاثر ہو کر اس اعلان پر لبیک کہا۔۔۔۔۔۔منبروں سے تعقل، فلسفہ اور سائنس کے علمبرداروں اور حامیوں کے خلاف آگ اگلی جانے لگی۔ بغداد کی سڑکوں اور گلیوں میں فساد ہونے لگے، خون بہنے لگا۔ عقل پرستوں کی ناکامی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے مخالفین کو عوام الناس میں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ راویوں کا کہنا ہے کہ احمد بن حنبل کے جنازے پر ڈیڑھ لاکھ لوگوں کا مجمع تھا، جو اس وقت کے اعتبار سے ایک بڑی تعداد تھی''۔

معتزلہ کے تعقل کی ناکامی کا دوسرا سبب اور غالباً زیادہ بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ استدلال کو الہام یا وحی پر فوقیت دیتے تھے، گو کہ ان کا یہ دعویٰ تھا کہ ان دونوں کے درمیان تضاد نہیں ہے۔ اس وجہ سے اکثر ناقابل برداشت مناظروں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ خلق قرآن کے مسئلہ پر بات بہت واضح ہو کر سامنے آئی۔ یہ نظریہ مذہبی عقیدے کے لئے ایک بنیادی خطرہ تھا۔ اے۔ جے۔ آربری کی رائے میں:

''قرآن کو خلق ہونے کی اجازت دینے سے ایک خطرہ یہ تھا کہ نوفلاطونی نظریات کے ماننے والے دوسرا دعویٰ یہ کریں گے کہ خدا کا کلام، جو فرشتے، جبرئیل کی وساطت سے حضرت محمد (صلعم) پر منکشف ہوا، ان خام تخلیق شدہ اشیاء کی طرح تمام ہو سکتا ہے کہ جن کا تعلق مادے سے ہے۔ اگر وحی کو اپنے ہی گڑھ میں تعقل کے زیر نگیں نہیں ہونے دینا ہے تو قرآن کے ''لاثانی معجزے'' کو ہر قیمت پر قائم رکھنا چاہیے''۔

خلیفہ المتوکل (جس کے متعلق سید امیر علی کا یہ بیان ہے کہ وہ ''قاضیوں اور ملاؤں سے گٹھ جوڑ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنے والا بے رحم پکا شرابی تھا)۔ کے برسر اقتدار آنے پر معتزلہ اور شیعہ مسلمانوں کے خاتمہ کا کام نہایت سنجیدگی کے ساتھ شروع ہوگیا۔ انہیں حکومت کے تمام عہدوں سے ہٹا دیا گیا۔ کفر و شرک کے الزامات عائد کئے گئے' اذیتیں دی گئیں اور سائنس دان' جو تعقل میں یقین رکھتے تھے' بغداد سے فرار ہو کر اسلامی دنیا کے دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ اس طرح اسلام میں تعقل اور الہام کے ملاپ کی ایک سنجیدہ کوشش ناکام ہوگئی۔ اس وقت سے اب تک انیسویں صدی کے مصلحین کی مختلف اور انفرادی کوششوں کو چھوڑ کر' اسلام میں دینی اور دنیاوی علوم کے درمیان علیحدگی قائم ہے۔

کٹر پن کا جوابی حملہ:

یونانی روایت کے عقلی اور دنیاوی رویے کے باعث اسلام کے ابتدائی دور میں سائنس اور علوم کی ترقی ہوئی۔ لیکن بعد میں مذہبی کٹر پن نے اس رویے کو چیلنج کیا۔ جلد ہی راسخ العقیدہ ملا علوم الاوائل کو کفر کے مترادف قرار دینے لگے اور فلسفہ کو مذہبی نقطہ نظر سے مشتبہ سمجھا جانے لگا۔ یہ رویہ عام نہیں تھا اور ابتدا میں اسلامی تہذیب میں دنیاوی سائنسوں کے ادغام میں اس کا چنداں زیادہ اثر نہیں پڑا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو مسلم سائنس وجود میں ہی نہ آتی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ دنیاوی علوم کے خلاف رویہ سخت ہوتا گیا۔ بیسویں صدی تک الاشعری کے قدامت پرست اور خلاف تعقل مکتب فکر نے معتزلہ کے اثرات کو ختم کر دیا۔

1916ء میں ہنگری کے عالم اسلامیات اگناز گولڈ زیہر نے علوم الاوائل اور مذہبی راسخ الاعتقادی کے درمیان تعلق پر سب سے اہم اور مفصل کتاب لکھی۔ عربی کے اصل ذرائع سے جو اسلامی تاریخ کے ایک وسیع عہد پر محیط تھے' حوالے دے کر گولڈ زیہر نے راسخ العقیدگی اور فلسفیانہ سائنسوں کے درمیان اختلافات کی تاریخ کو قلمبند کیا ہے۔ اس کی کتاب کا ترجمہ جرمن زبان سے انگریزی میں حال ہی میں ہوا ہے۔ گولڈ زیہر کے مطابق باوجودیکہ علوم الاوائل میں بعض اسلامی مذہبی حلقوں اور عباسی خلفاء نے دلچسپی لی' کٹر راسخ الاعتقاد نے ہمیشہ ان لوگوں کو شبہ کی نظر سے دیکھا' جو شافعی اور مالک کی سائنسوں کو چھوڑ کر ایبی ڈوکلیس کی آراء کو اسلامی قانون کا درجہ دینے پر مائل تھے''۔ یہ شبہ تنگ نظر راسخ الاعتقاد علماء کے بڑھتے ہوئے اثر کے ساتھ ساتھ شدت اختیار کر گیا اور اس کا اظہار کئی طریقوں سے ہوا:

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆ کئی راسخ العقیدہ دانشوروں کی تحریروں میں علوم الاوائل کو صریحاً علوم المجہورہ (رد کئے ہوئے علوم) قرار دیا گیا ہے اور انہیں حکمۃ مشوبہ بالکفر (کفر آلودہ عقل) کہا گیا ہے۔ ہسپانوی ابراہیم ابن موسیٰ (تاریخ وفات 1398ء) اس نتیجہ پر پہنچا کہ راسخ العقیدہ علمائے مذہب صرف ان سائنسوں کو اہمیت دیتے تھے جو دینی عمل کے لئے ضروری یا کارآمد ہوسکتی تھیں۔ ان کے علاوہ دیگر سائنسیں ناکارہ اور گمراہ کن سمجھی جاتی تھیں۔ امام حنبل کے پیروکار ابن تیمیہ علم سے مراد وہ علم لیتے تھے جو پیغمبر ﷺ سے اخذ کیا گیا ہو۔ باقی سب کچھ ناکارہ تھا' خواہ اس کو سائنس کا نام ہی کیوں نہ دیا جائے۔

☆ امام حنبل کے ایک اور پیروکار' زہابی' ایک دانشور کی فصاحت کو داد تحسین پیش کرنے کے بعد حسرت سے کہتے ہیں کہ ''کیا اچھا ہوتا اگر وہ علوم الاوائل کو ترقی دینے سے گریز کرتا۔ ان کی وجہ سے مذہبی معاملات میں اس عوارض اور بربادی کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ایسے بہت کم ہیں جو علوم الاوائل کو اپنا کر اس انجام سے محفوظ رہے''۔

☆ کٹر ملا ایسے دانشوروں کو انتہائی شبہ سے دیکھتے تھے' جنہوں نے اپنے آپ کو فلسفی اور علوم الاوائل پر مباحثوں سے داغدار بنا لیا تھا۔ اس لئے' اگر کوئی فلاسفر بستر مرگ پر بھی فلسفہ کی غلطیوں پر لعنت بھیجتا تھا اور ان دانشوروں سے منہ موڑ لیتا تھا' جن کو وہ عمر بھر مانتا رہا تھا' تو اطمینان کا اظہار کیا جاتا تھا۔ یہ اطلاع فاتحانہ انداز سے دی گئی کہ نابینا دانشور حسن ابن محمد بن نجا العربیلی (وفات 1268ء) فلسفہ سے تائب ہوگیا ہے۔ وہ ایک شیعہ فلسفی تھا اور دمشق میں اس کے مکان پر مسلمان اور دیگر اہل کتاب (عیسائی اور یہودی) فلسفی اس کے خطبات سننے جمع ہوتے تھے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ مرنے سے پہلے جو آخری بات اس نے کہی' وہ یہ تھی: ''خدائے بزرگ و برتر سچا ہے' ابن سینا جھوٹا ہے''۔

☆ 885ء میں بغداد کے تمام پیشہ ور نقل نویسوں سے قسم لی گئی کہ وہ فلسفہ کی کتابوں کو نقل نہیں کریں گے۔ اس کے متعلق ایک حقیقت کی طرف پروفیسر طباوی نے اشارہ کیا ہے کہ اگرچہ یورپ میں کاغذ کا استعمال عربوں نے شروع کیا لیکن کاغذ پر کتابیں چھاپنے سے تین صدیوں تک خود عرب گریز کرتے رہے۔ خدا کے لفظ یا اس سے متعلق مواد کو مشین کے ذریعہ نقل کرنے کو بے ادبی سمجھا جاتا تھا۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆ امام حنبل کے پوتے عبدالسلام نے فلسفہ میں دلچسپی ظاہر کی تو اس کے دشمنوں نے اسے برباد کر دیا۔ خانہ تلاشی کے دوران اس کے گھر سے اخوان الصفا کے رسالے جادو، جوتش اور نجوم پر کتابیں اور سیاروں کے لئے دعاؤں کے کتابچے برآمد ہوئے۔ یہ سب عبدالسلام کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ اس نے یہ بہانہ کیا کہ میں ان چیزوں پر یقین نہیں رکھتا اور میں نے تو یہ سب کتابیں ان کا رد لکھنے میں مدد کے لئے نقل کی تھیں۔ یہ سب کتابیں اور تحریریں علماء اور قاضیوں وغیرہ کی موجودگی میں خلیفہ کی مسجد کے صحن میں ڈھیر کی گئیں اور پھر مسجد کے منبر سے یہ کتابیں فاضل عمائدین کے سامنے آگ میں پھینکی گئیں۔ یہ منظر اس بڑے ہجوم نے بھی دیکھا جو مسجد کے سامنے جمع ہو گیا تھا۔ ایک شخص ہر کتاب کا عنوان پڑھ کر عبدالسلام کی موجودگی میں کہتا تھا کہ اس کتاب کے لکھنے اور اس پر یقین رکھنے والوں پر خدا کی لعنت ہو۔ ہجوم میں شامل لوگ لعنت بھیجتے تھے۔ یہ لعنتیں شیخ عبدالقادر اور امام حنبل پر بھی بھیجی گئیں کیونکہ عبدالسلام کو ان کا پیرو سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد عبدالسلام کو مرتد قرار دیا گیا، دستار فضیلت اس کے سر سے اتار لی گئی اور شیخ عبدالقادر کا مدرسہ، جس میں عبدالسلام درس دیتے تھے، ابن الجوزی کو دے دیا گیا۔ زنداں سے رہائی کے بعد عبدالسلام نے گناہوں کا اعتراف کر کے توبہ کی۔

☆ اقلیدس (جیومیٹری) علوم الاوائل کا حصہ تھی اور اس نے راسخ العقیدہ دماغوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ اقلیدسی اشکال سے وہ خصوصاً پریشان ہوتے تھے۔ ایک مقدمہ میں ایک ایسی کتاب کا مالک، جس میں اقلیدسی اشکال تھیں، مرتد قرار دیا گیا۔ ایک اور مثال اس کٹر مذہبی شخص کی ہے جو نجوم وفلکیات پر ابن الہثیم کی کتاب میں بنی ہوئی اشکال سے ڈر گیا تھا۔ اس نے شبہ کیا کہ یہ شکلیں بے حیائی کی ترغیب، خاموش آفت اور اندھی بدبختی کی نمائندہ ہیں۔ (ریاضی) کی تجریدی سوچ کئی راسخ العقیدہ دماغوں کے لئے تکلیف دہ تھی۔ فرہنگ نویس ابوالحسین ابن فارس نے تجریدیت پر تنقید کرتے ہوئے ان غیر عرب دانشوروں پر نکتہ چینی کی ''جو اعداد، خطوط اور نقاط کے ذریعہ اشیاء کی ماہیت سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔'' ان لوگوں کی معقولیت میں نہیں سمجھ سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایمان کو کمزور کر کے ایسے حالات پیدا کرتے ہیں جن سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے''۔

☆ کٹر ملا سائنسی طریقے سے نجوم وفلکیات کے مطالعہ کے خلاف تھے، گو کہ اس شعبے میں

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

معلومات قبلہ کا رخ اور نمازوں کے اوقات متعین کرنے کے لئے ضروری تھیں۔علم نجوم کے سلسلہ میں کچھ مفروضے قطعی مذموم تھے۔مثال کے طور پر' جب راسخ العقیدہ سلطان خوارزم شاہ کو نصف شب کے سورج کی سرزمین کے وجود کی اطلاع دی گئی تو اس نے اسے خاص الحاد قرار دیا کیونکہ اگر یہ صحیح ہوئی تو وہ تمام قاعدے مشتبہ ہو جائیں گے جن کے ذریعہ نمازوں کے اوقات متعین کئے جاتے ہیں۔ اس وقت عظیم البیرونی سلطان کے دربار میں ملازم تھا۔ اس نے سلطان کو یقین دلایا کہ سیاح کی رپورٹ صحیح ہے۔

☆ علم نجوم اور جوتش کے نقصان دہ اثرات ثابت کرنے کے لئے ابومشعرالبلخی کی مثال اکثر دی جاتی ہے۔ یہ مشہور عالم نجوم اپنی جوانی میں ایک پارسا مذہبی آدمی تھا۔ وہ خراساں سے مکہ جا رہا تھا کہ راہ میں اسے وزیر منجم کا مکتب خانہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ''وہ جوتش (اور یقیناً نجوم) پر تحریریں پڑھنے میں ایسا محو ہوا کہ ملحد ہو گیا اور یہ نہ صرف اس کے حج بلکہ مذہب اور اسلام کا بھی خاتمہ ثابت ہوا''۔

☆ ابن الصلاح (وفات 1251ء) سے جب یہ پوچھا گیا کہ آیا فلسفہ اور منطق کا مطالعہ جائز ہے تو اس نے اپنے فتوے میں فلسفہ کے متعلق کہا کہ یہ ''حماقت کی بنیاد اور ہر قسم کے انتشار' اغلاط اور کفر کا سبب ہے۔ جو شخص اس کے مطالعہ میں مصروف ہوتا ہے' وہ مذہبی قانون کے حسن کو نہیں دیکھ سکتا۔۔۔۔۔۔ جہاں تک منطق کا تعلق ہے' یہ فلسفہ تک رسائی کا ذریعہ ہے۔کسی خراب چیز تک رسائی کا ذریعہ بھی خراب ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔جن اشخاص کے بارے میں یہ شہادت ملے کہ وہ فلسفہ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں' ان کو دو میں سے ایک چارہ کار کے انتخاب پر مجبور کیا جائے یا ان کا سر قلم کیا جائے یا وہ اسلام قبول کریں تا کہ زمین کا تحفظ کیا جا سکے اور ایسے لوگوں اور ان کی سائنسوں کا نام ونشان بھی مٹا دیا جائے۔

☆ شافعی مکتب فقہ کے ایک نامور استاد تاج الدین السبکی (وفات 771ء) کے بقول منطق میں مہارت کا حصول اسی صورت میں گوارا ہوسکتا ہے جبکہ پہلے مذہبی سائنسوں پر عبور حاصل کر لیا ہو اور مذہبی حلقوں میں فقیہ یا مفتی کی حیثیت سے مقام پا لیا ہو۔لیکن ان لوگوں کے لئے منطق کا مطالعہ حرام ہونا چاہیے' جن کا علوم مذہب کا مطالعہ کم ہو''۔

☆ وہ مسلمان جونئی روشنی کے حامی ہیں' مذہبی کٹر پن کو زوال اور انحطاط کا سب سے زیادہ اہم

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سبب قرار دیتے ہیں۔ مثلاً رینان سے مشہور تبادلہ خطوط میں سید جمال الدین افغانی نے اپنے ایک خط میں لکھا:

''السیوطی کے مطابق خلیفہ الہادی نے مسلم ملکوں میں سائنس کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے پانچ ہزار فلسفیوں کو مار ڈالا۔ یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ مارے جانے والوں کی اتنی بڑی تعداد مبالغہ پر مبنی ہوسکتی ہے' یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ فلسفیوں کو قتل کیا گیا اور یہ اسلام اور اسلامی ملکوں کی تاریخ پر ایک خونی داغ ہے۔ میں عیسائی مذہب کی تاریخ میں بھی مماثل واقعات دیکھتا ہوں۔ مذاہب' خواہ انہیں کسی بھی نام سے پکارا جائے' ایک دوسرے سے مشابہ ہیں''۔

☆ گو ابن خلدون بعض لحاظ سے قدامت پسند تھے' تاہم علوم کے متعلق مسلمانوں کے منفی رویے سے مایوس تھے۔ انہوں نے لکھا:

''جب مسلمانوں نے ایران فتح کیا تو سعد ابن ابی وقاص کو بے شمار کتابیں اور سائنسی تحریریں ملیں۔ انہوں نے خلیفہ عمر ابن الخطاب کو لکھا کہ انہیں اجازت دی جائے کہ وہ یہ کتابیں اور تحریریں مسلمانوں میں مال غنیمت کے طور پر تقسیم کر دیں۔ جواب میں حضرت عمر نے لکھا' انہیں دریا برد کر دو۔ اگر ان میں صحیح ہدایت ہے تو اللہ نے ہم کو بہتر ہدایت دی ہے۔ اگر غلط ہے تو اللہ نے اس سے ہمیں محفوظ رکھا ہے''۔

ابتدائی دور کی راسخ الاعتقادیت یقیناً علوم الاوائل اور عقلی سائنسوں کے صریحاً خلاف تھی۔ اس کے باوجود اس کی نوعیت ایسی نہیں تھی کہ مسلم معاشرے میں سائنسوں کو فروغ نہ پانے دیتی۔ سائنسوں کے خلاف رویہ میں شدت کا نقطہ اس وقت آیا جبکہ راسخ الاعتقاد علماء میں سب سے زیادہ بزرگ اور با اثر عالم امام غزالی نے راسخ الاعتقادیت کو آخری فتح سے ہمکنار کیا۔ ہم اب امام غزالی کی تعلیمات کا مطالعہ کریں گے۔

الغزالی کے ہاتھوں عقل پرستوں کی شکست فاش

جیسا کہ ہم نے بیان کیا' یونانی علوم کی دنیاوی اور آفاقی خصوصیات کے باعث ان کے خلاف اس وقت سے ہی آوازیں اٹھنے لگی تھیں' جس وقت سے انہیں اسلامی تمدن میں روشناس کرایا گیا تھا۔ لیکن مختلف نظریات میں مسابقت کے انتشار' منطق اور سائنس کے طریقہ ہائے کار

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے آشنائی کے فقدان اور مسلسل باہمی چپقلش کے باعث عقلیت پسندی کے خلاف نہ مسلسل تحریک چلائی جا سکی اور نہ ہی فیصلہ کن حملہ کیا جا سکا۔ یہ اس وقت ہی ممکن ہو سکا جبکہ عالم دین الغزالی (جن کے متعلق سید حسین نصر نے تشکر کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ وہ شخصیت ہے جس نے ''سائنس کو زیر کر کے راسخ الاعتقادیت کو بچا لیا)'' نے فلسفہ تعقل کو مربوط اور سمجھ میں آنے والے طریقے سے رد کرنے کی کوشش کی۔ علمی اور مقصدی انہماک کے ساتھ الغزالی نے اسلامی تہذیب وتمدن کو یونانی تصورات وخیالات کے خارجی اثرات سے پاک کرنے کے لئے انتھک کام کیا۔

ابوحامد الغزالی 1058ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں ہی انہوں نے دینیات کی تعلیم شروع کر دی۔ وہ جلد ہی دینی معاملات ومسائل کے وسیع علم اور گہری فہم کے لئے مشہور ہو گئے۔ انہیں بغداد کے جامعہ نظامی میں مدرس کے عہدے پر مامور کیا گیا۔ یہاں انہوں نے ارسطا طالیسی دانشوروں کی سائنسی اور فلسفیانہ کتابوں اور تحریروں کا مطالعہ کر کے یونانی علوم اور طریق کار پر عبور حاصل کر لیا۔ اس کے بعد وہ ایک داخلی بحران میں مبتلا ہو کر تارک الدنیا ہو گئے۔ جب وہ دنیا میں واپس آئے تو ایک بدلے ہوئے انسان تھے۔ اب وہ تمام عقلیت پرست فلسفیوں' بشمول مادہ پرستوں' فطرت پرستوں اور ملحدوں کے شدید مخالف تھے۔ غزالی ارسطو کو دوسروں سے بہتر سمجھتے تھے کیونکہ اس نے موثر طور پر افلاطون اور سقراط کے بعض تصورات کو رد کیا تھا' تاہم وہ بھی کفر اور لادینیت سے خود کو آزاد نہیں کر سکا۔ ارسطو کے مسلمان پیروکاروں کی مذمت میں الغزالی نے لکھا:

''اس لئے ہمیں ان فلسفیوں اور اسلامی فلاسفہ میں ابن سینا' الفارابی جیسے پیروکاروں کو لادین سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ انہوں نے ارسطو کے فلسفہ کو پھیلایا ہے''۔

الغزالی کے نظریات کتابوں کی کئی جلدوں پر محیط ہیں اور ان تمام مسائل سے بحث کرتے ہیں جو ازمنہ وسطیٰ کے ذہنوں میں کارفرما تھے۔ علت ومعلول' تعقل' ریاضی اور منطق کے متعلق غزالی کے نظریات ہمارے لئے خصوصی دلچسپی کے حامل ہیں کیونکہ ان نظریات نے ہی سائنس کے متعلق مسلمانوں کے رویوں کو متعین کیا ہے۔ مندرجہ ذیل سطور میں ہم سائنس کے ارتقاء سے متعلق غزالی کے رویوں کا جائزہ لیں گے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

علت اور معلول کے متعلق غزالی کا نظریہ

آ گ باعث ہے جلنے کا، بجلی باعث ہے کڑک کا، ہوائیں باعث ہیں لہروں کا اور کشش ثقل کے سبب چیزیں زمین پر گرتی ہیں۔ علت اور معلول کے درمیان یہ رشتے سائنسی تفکر کی بنیاد ہیں، خواہ وہ تفکر جدید ہو یا قدیم۔ لیکن اس تصور کو الاشعری نظریہ نے خصوصاً مسترد کیا ہے اور مادی تعلیل کے سب سے زیادہ موثر مخالف الغزالی ہیں۔

الغزالی کے نزدیک یہ یقین کرنا بے سود ہوگا کہ دنیا مادی قوانین کی پابند ہے۔ ان کے بقول ہر لمحہ اللہ تعالیٰ دنیا کو مٹاتا اور بناتا ہے۔ اس لئے ایک لمحے اور دوسرے لمحے کے درمیان تسلسل نہیں ہوسکتا اور یہ مفروضہ غلط ہوگا کہ ایک مخصوص عمل کا ایک مخصوص نتیجہ ہی برآمد ہوگا۔ اس کے برعکس، کسی بھی واقعہ کو کسی خاص مادی علت کا نتیجہ قرار دینا بھی غلط ہوگا۔ الغزالی کی دینیات کے مطابق اللہ تعالیٰ تمام مادی واقعات وطریقہ ہائے کار کا براہ راست واحد سبب ہے اور وہ آفاق میں مسلسل دخل انداز ہے۔ وہ یہ بات اس مثال سے واضح کرتے ہیں کہ ایک ملحد روئی کے جلنے کا سبب آ گ کو قرار دیتا ہے لیکن:

''ہم اس سے انکار کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جلنے کا عمل خدا کی طرف سے ہے، جو اس نے روئی میں سیاہی پیدا کر کے اور اس کے حصول کو علیحدہ کر کے کیا ہے، اور یہ خدا ہے جس نے روئی کو جلایا اور اسے یا تو فرشتوں کے واسطے سے یا بلا واسطہ خاک کر دیا۔ کیونکہ آ گ بے جان چیز ہے جس میں بجائے اور کوئی حرارت نہیں ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہی (جلانے کی) عامل ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فلسفیوں کے پاس سوائے اس مشاہدے کے اور کوئی ثبوت نہیں ہے کہ آ گ کے لمس سے چیزیں جلتی ہیں، لیکن یہ مشاہدہ دو کاموں کا بیک وقت ہونا ثابت کرتا ہے، اس سے تعلیل ثابت نہیں ہوتی اور حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی سبب نہیں ہے سوائے خدا کے''۔

ریاضی اور سائنس پر غزالی کے خیالات

دیگر علماء کے برعکس الغزالی نے قدرت سے متعلق سائنسوں کا مطالعہ کیا تھا، اس لئے وہ اس قابل تھے کہ مذہب سے ان سائنسوں کے رشتہ کا مستند تعین کر سکیں۔ اس مسئلہ پر ان کا مقام قطعی مخالفت کا نہیں تھا۔ ان کے بقول ریاضی کا کوئی بھی نتیجہ مذہب سے متعلق یا مربوط نہیں

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے' اس لئے ریاضی ممنوعہ مضمون نہیں ہے۔ تاہم' الغزالی یہ دلیل دیتے تھے کہ ریاضی کئی خطرات کی طرف لے جاتی ہے اور اکثر و بیشتر عقیدے کو متزلزل کرنے کا باعث بنتی ہے:

''ریاضی سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔۔۔۔۔۔اول یہ کہ ہر طالب علم ریاضی کی صحت اور اس کے نتائج کے واضح ہونے کی تعریف کرتا ہے' اس لئے وہ فلسفیوں پر یقین کرنے لگتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ ان کی دیگر سائنسیں بھی وضاحت اور ثابت کرنے کی صفت میں ریاضی سے مشابہ ہوں گی۔ دوئم' اس نے پہلے ہی ہر شخص سے ان کے الحاد' خدا کی صفات سے انکار اور وحی کی صداقت کی تحقیر کے متعلق باتیں سنی ہوتی ہیں' اس لئے وہ ان کی سند کو مان کر خود بھی ان کی طرح کافر ہو جاتا ہے''۔

یہاں واضح دلیل یہ ہے کہ ریاضی امکاناً نہ کہ لازماً خطرناک ہے۔ خطرہ اس لئے ہے کہ وہ لوگ جو ریاضی کو پڑھتے ہیں' اس کی صحت کے حسن وقوت کے متوالے ہو سکتے ہیں اور اس طرح وحی پر ایمان کو فراموش کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک اور جگہ الغزالی زیادہ مضبوط رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ شدت سے اور لگی لپٹی کے بغیر ریاضی کی مذمت کرتے ہیں اور اس خیال کو مسترد کرتے ہیں کہ اس میں کوئی خوبی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ شراب بلاشک جسم کو طاقتور بناتی ہے۔ لیکن اس کے پینے کو واضح طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ شطرنج کے کھیل سے دماغ تیز ہوتا ہے' لیکن یہ بات اس کے کھیلنے کا جواز نہیں بن سکتی۔ الغزالی کہتے ہیں:

''یہی بات اقلیدس' المجسطی (فلکیات پر بطلیموس کی کتاب) اور ریاضی و جیومیٹری کی باریکیوں کے بارے میں صحیح ہے۔ وہ دماغ کو تیز کرتی ہیں اور ذہن کو طاقتور بناتی ہیں' پھر بھی ہم ان سے اس سبب سے پرہیز کرتے ہیں کہ وہ علوم الاوائل کے مفروضے ہیں اور ان (علوم الاوائل) میں ریاضی و اقلیدس کے علاوہ وہ سائنسیں بھی شامل ہیں جو خطرناک نظریات کو ماننے کا تقاضا کرتی ہیں۔ جیومیٹری اور ریاضی دینی عقائد کے لئے ضرر رساں تصورات کی حامل نہ ہوں تو بھی ہمیں ڈر ہے کہ ان کے ذریعہ طالب علم ضرر رساں نظریات کی طرف راغب ہو سکتا ہے''۔

ہمعصر راسخ الاعتقاد علماء کے برعکس' الغزالی اصولاً منطق کے خلاف نہیں تھے۔ تاہم اس سلسلہ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں وہ شدت اختیار کرنے پر مجبور تھے' کیونکہ یہ ڈر تھا کہ کہیں ان کو ارسطو کا مقلد قرار دے کر تنقید نہ کی جائے۔ اس وجہ سے انہوں نے ''منطق'' کی اصطلاح استعمال کرنے کے بجائے اپنی کتابوں کو مبہم عنوانات دیئے۔ محمد ابن طلملوس نے الغزالی کی سند کا حوالہ دیتے ہوئے منطق پر اپنی تحریروں کا دفاع اس طرح کیا ہے:

''ابو حامد نے اپنی کتابوں کے عنوانات اور ان میں استعمال کی گئی اصطلاحات کو تبدیل کر دیا۔ ایک مخصوص شعبے میں جو اصطلاحیں اس کے ماہرین عموماً استعمال کرتے ہیں' اس نے وہ تکنیکی اصطلاحات استعمال کیں۔ جن سے فقہا آشنا تھے اور جو اس عہد کے علماء اکثر و بیشتر استعمال کرتے تھے۔ یہ اس نے اپنے تحفظ اور ان دانشوروں کے تلخ تجربات سے بچنے کے لئے کیا' جنہوں نے عجیب اور غیر معمولی خیالات کا اظہار کیا اور جن کے باعث انہیں صعوبتیں اور ذلتیں برداشت کرنی پڑیں۔ اللہ کریم نے اس کو ان مصیبتوں سے محفوظ رکھا''۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ الغزالی کو آزاد خیالوں اور منطق کے حامیوں کے خلاف حملے کی قیادت کرتے ہوئے وہی ہتھیار استعمال کرنے پڑے جو مخالفوں کے پاس تھے۔ یعنی وہ یونانی طریق استدلال کے شدید مخالف ہونے کے باوجود بھی اپنی دلیلوں میں اسی طریق کو استعمال کرتے تھے۔

تجریدی علم پر غزالی کا نظریہ

کائنات کے متعلق ایسے نظریے کے عہد میں' جس کی رو سے تمام معلومات کا منبع وحی یا الہام ہو' ہر عقلی تحقیق و تفتیش کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ مقدس لفظ کو صحیح و صادق ثابت کیا جائے اور اس کی حمایت کی جائے۔ ایسا علم جو ذہن و عقل کو مطمئن کرنے کے لئے ہو یا وہ علم جو کسی حقیقت کو ثابت کرنے اور انعام کے لئے ہو' نا قابل اجازت اور ناجائز ہے۔ تجربی علم کی طرف ایک جوان دانشور کے رجحان کو دیکھ کر الغزالی نے ان الفاظ میں سرزنش کی تھی:

''اے جوان! کتنی راتیں تم نے سائنس کے ورد اور کتابیں پڑھنے میں جاگ کر گزاری ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ اگر اس کا مقصد دنیاوی وسائل کا حصول' اس کے جاہ و تکبر کی تحصیل' اپنے ہم عصروں پر فوقیت حاصل کرنا یا ایسی ہی دیگر چیزیں ہیں تو تم پر لعنت' بار بار لعنت''۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیونکہ سائنس اور ریاضی کی تعمیر تجریدی خیال کی بنیاد پر ہوتی ہے اور انسانی تجسس غیر جانبدارانہ اور ''بے فائدہ'' تحقیق کا منبع ہے۔ الغزالی کی تنبیہ یقیناً ایسے مضامین کے مطالعہ کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔

اگلے باب میں ہم یہ بتائیں گے کہ تحقیق و خیال کی آزادی کے لئے مسلم سائنس کے دانشور بہادروں نے کیا مصائب برداشت کئے ہیں اور کیسی کیسی رکاوٹیں سر کی ہیں۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

باب دس

پانچ بڑے بدعتی

ابتدائی طور پر اسلام کی اشاعت کے لئے جس طرح فتوحات اہم تھیں' اسی طرح دوسری تہذیبوں پر اسلامی تہذیب کی فوقیت قائم کرنے میں مسلمان دانشوروں کی شاندار کامیابیاں بھی خاص مقام رکھتی ہیں۔ ہمیں صرف یہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ منگول حملے' جو بظاہر عرب فتوحات سے مشابہ تھے' صرف ایک عارضی سلطنت قائم کر سکے لیکن کسی پائیدار اور مستقل تہذیب کو جنم نہ دے سکے۔ جب منگول حملہ آوروں کے جتھے بالآخر گوبی کے ریگستان واپس چلے گئے تو اپنے پیچھے تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہ چھوڑا۔ اس کے برعکس اسلامی فتوحات نے دنیا کو ایک نیا تمدن دیا اور یہ تمدن مسلمانوں کا غلبہ ختم ہونے کے بعد بھی صدیوں تک پھولتا پھلتا رہا اور جاری وساری رہا۔

پانچ صدیوں تک علم کی مشعل اسلامی تہذیب میں روشن رہی۔ دانشوروں کی ضوفشاں کہکشاں میں الکندی' ابن سینا' عمر خیام' ابن الہشیم' ابن رشد' ابن خلدون اور کئی دوسرے ستارے شامل تھے۔ ان نامور ہستیوں کے بغیر اسلامی تمدن وثقافت کے مرقع کی خوبصورتی میں کمی رہ جاتی اور

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس دعوے کی سچائی مشتبہ رہتی کہ مسلمانوں کا تمدن دنیا کے عظیم تمدنوں میں سے ایک ہے۔ آج یہی ہستیاں ماضی کے کارناموں کا زندہ ثبوت ہیں۔ مسلم ملکوں میں مدرسوں کے بچوں کو ان کے بارے میں معلومات ہونی چاہئیں۔ تاریخ اور سائنس کی نصابی کتب میں ان کے کارناموں کی تعریف ہونی چاہیے اور ان کے ناموں پر انجمنوں' نیز اداروں کے نام ہونے چاہئیں' لیکن اس عظمت کے باوجود ان کے شاندار کارنامے اور شاہکار الماریوں میں بند ہیں۔ اسلام کے ان عظیم دانشوروں کو نہ تو منگول حملہ آور کافروں سے اور نہ ہی مشرک عیسائیوں سے خطرہ تھا بلکہ ان کو تو اپنے گھر کے اندر ہی پروان چڑھنے والی راسخ الاعتقادی اور بنیاد پرستی نے مارا تھا۔

کٹر مذہبیت اور دنیاوی علوم کے درمیان کشیدگی' جیسا کہ ہم نے پچھلے باب میں ذکر کیا ہے' تقریباً اسی روز سے شروع ہوگئی تھی جبکہ اسلامی تہذیب میں یونانی علوم اور سائنسوں کا تعارف ہوا تھا۔ راسخ الاعتقاد علماء کی مخالفت' جو کبھی پوشیدہ اور کبھی اعلانیہ اور متشدد ہوتی تھی' ان دانشوروں کی زندگی کے لئے ہمیشہ خطرہ بنی رہی جو سائنس' فلسفہ اور منطق کا مطالعہ کرتے تھے۔ الجاحظ نے چیخ کر یہ کہا تھا کہ ''مذہبی علما کی پارسائی صرف اس میں رہ گئی ہے کہ وہ مخالفوں کو منکر قرار دینے میں عجلت سے کام لیں۔ چنانچہ دانشوروں نے روشن دماغ خلفا اور حکمرانوں کی حمایت پر انحصار کیا تا کہ وہ طاقتور مذہبی ملاؤں کے غیظ وغضب سے محفوظ رہ سکیں۔ عموماً مذہبی علماء ان کی تحریروں اور سائنسی تحقیق کو بدعت قرار دیتے تھے۔ لیکن شاہی سرپرستی رشک وحسد اور کشیدگی پیدا کرتی تھی۔ مذہبی علماء کہتے تھے کہ کم رتبہ دانشور آسانی سے با اختیار عہدے اور خلیفہ کی بارگاہ میں رسائی حاصل کر لیتا تھا۔ ایسے ماحول میں دانش اور سائنس کے کاموں میں رکاوٹیں اور مشکلیں حائل تھیں۔ عوام تک سائنس کو پہنچانا مشکل تھا۔ چنانچہ سائنس خواص تک ہی محدود رہی۔ شاید اسی وجہ سے ابن رشد نے یہ تعجب خیز اصول وضع کیا تھا کہ حکمران دانشوروں کی کتابیں عام لوگوں کے لئے ممنوع قرار دے دی جائیں۔

ہم اس باب میں یہ تذکرہ کریں گے کہ مذہبی کٹر پن کے مقابلے میں اسلامی دانشور کس طرح عہدہ برآ ہوئے۔

الکندی (873-801)

ابو یوسف یعقوب ابن اسحاق الکندی ''عربوں کے فلسفی'' کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ انہیں یہ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

نام اس لئے دیا گیا کہ انہوں نے فلسفہ کو مذہبی علماء کے لئے قابل قبول بنانے کے واسطے انتھک کوشش کی۔ وہ اسلامی ارسطا طالیسی مکتب فلسفہ کے بانی اور منطق' ریاضی' طبیعیات اور موسیقی جیسے مختلف النوع مضامین پر دوسوستر کتابوں کے مصنف تھے۔ وہ قدیم فلسفیوں میں شمار ہونے والے واحد عرب مسلم فلسفی ہیں۔ وہ پکے معتزلہ تھے۔ انہوں نے تحریر کیا کہ سچائی آفاقی اور اعلیٰ ترین ہوتی ہے۔ فلسفہ اس پیغام کی ایک اور شکل ہے جو پیغمبر لاتے رہے ہیں۔ الکندی کے نزدیک ''سچائی'' یا ''حق'' کے بہت واضح معنی تھے۔ وہ معنی جس کی تشریح افلاطون' ارسطو اور دیگر یونانی حکماء کرتے رہے ہیں۔ الکندی کے الفاظ میں دانشوروں کا کام ''اس کو اپنی زبان کے رائج قواعد اور اپنے زمانے کے دستور کے مطابق مقدور بھر مکمل کرنا ہے' جس کو قدماء نے پوری طرح واضح نہیں کیا تھا''۔

معقولیت پسند ہونے کی حیثیت سے الکندی نے یہ تجویز پیش کی کہ مقدس کتاب کی ان عبارتوں کو' جن کی لفظی تفسیر حقیقت کے خلاف ہو' خردمند انسانوں کی رہنمائی کے لئے امثالیہ یا کنائیہ سمجھنا چاہیے۔ سارے قدیم فلسفی' بشمول الکندی یہ مانتے تھے کہ سچائیاں دو تھیں' ایک سچائی احمق اور جاہل عوام الناس کے لئے تھی اور دوسری سچائی مہذب اور تعلیم یافتہ خواص کے لئے۔ الکندی کی رائے میں اول الذکر صرف سادہ بتوں کو سمجھ سکتے تھے' اس لئے انہیں راغب کرنے کے لئے حوروں اور دیگر مادی چیزوں کے تصورات ضروری تھے۔ دوسری طرف' آخر الذکر کو منطق اور تعقل سے نوازا گیا تاکہ وہ مقدس کتاب کے معانی کی گہرائیوں تک پہنچ سکیں۔ امثالی تفسیر کو جائز ثابت کرنے کے لئے الکندی نے عقلی دلائل پیش کئے۔

امثالی استدلال کی ایک مثال قرآن کی ایک آیت ہے۔ اس آیت میں ایمان لانے والے کو بتایا گیا ہے کہ سورج' چاند' تارے' پہاڑ' درخت اور درندے اللہ تعالیٰ کو ''سجدہ کرتے ہیں''۔

اس آیت کو سن کر ایک غیر مہذب یا ناشائستہ شخص کے سامنے یہ تصور ابھرتا ہے کہ تمام مخلوق واقعی سجدہ ریز ہوتی ہے۔ لیکن الکندی ایک تفصیلی لسانی تشریح سے یہ دلیل دیتے ہیں کہ سجدہ کرنے سے مراد ہے حکم ماننا' اس لئے عام پرستش کے تصور کا مطلب خدا کے احکام کی عام پیروی یا تابعداری ہے۔ اس استدلال کو مزید وسعت دے کر الکندی کہتا ہے کہ ایک کائناتی قانون کا وجود ہے جس کی تعمیل مادے کی تمام جاندار اور غیر جاندار انواع پر فرض ہے' اس لئے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

الکندی کے نزدیک کوئی چیز' جو بظاہر روزمرہ کے تجربہ کے مطابق نہیں ہے' ایک ایسی چیز میں تبدیل کی جاتی ہے جو معقول ہے اور اگر مناسب طریقے سے اس کی تفسیر کی جائے تو عقل کو بھاتی ہے۔

المامون کے دربار میں الکندی دنیا کے ثقافتی مرکز کا سب سے زیادہ چمکدار ستارہ تھا۔ اس کی علمی سرگرمیاں المامون کے بعد المعتصم اور پھر الواثق کی حکومتوں کے دوران اپنی پوری توانائی کے ساتھ قائم رہیں' لیکن اس کے بعد جب راسخ العقیدہ سنی خلیفہ المتوکل تخت پر بیٹھا تو روشن خیالی کا طویل عہد ختم ہو گیا۔ نئے خلیفہ کو اس بات کا قائل کرنا چنداں مشکل نہ تھا کہ یہ فلسفی بہت خطرناک عقائد کا حامل ہے۔ متوکل نے جلد ہی الکندی کے ذاتی کتب خانے' الکندیہ کو ضبط کرنے کا حکم صادر کیا۔ ساٹھ سالہ فلسفی کو سرعام پچاس سخت کوڑوں کی سزا دی گئی۔ ہر کوڑے پر ہجوم خوشی سے نعرے لگاتا تھا۔

3781ء میں بہتر سال کی عمر میں وفات پانے سے بہت پہلے الکندی پر اداسی اور خاموشی کے دورے پڑنے لگے تھے۔ گو اس کے ایک دوست نے کسی ترکیب سے اس کو کتب خانہ دلوا دیا تھا' لیکن سرعام کوڑوں کی سزا کا قلق الکندی کے دل میں بیٹھ گیا تھا۔ وہ اسلامی دانشوروں کے گروہ کا پہلا دانشور تھا جو عقلیت پسندی کے خلاف مذہبی کٹر پن کے ردعمل کا شکار ہوا۔

الرازی (865-925)

محمد ابن زکریا الرازی' اسلامی دنیا کے سب سے بڑے طبیب گزرے ہیں۔ طب کے شعبہ میں ان کے عظیم کارناموں کے باعث ان کو ''جالینوس عرب'' اور ازمنہ وسطیٰ کی ذہین ترین شخصیت کہا جاتا ہے۔ ایرانی النسل الرازی نے طب کی تعلیم بغداد میں حاصل کی اور بعد میں تہران کے نزدیک ایک شفا خانے کے مہتمم مقرر ہو گئے۔ وہ بہت ہمدرد معالج تھے۔ امیروں اور غریبوں کا یکساں خیال کرتے تھے۔

گو الرازی کی شناخت ان تحریروں سے ہوتی ہے جو انہوں نے زندگی سے متعلق علوم پر لکھی ہیں' تاہم وہ آزاد خیال فلسفی بھی تھے اور انہیں الکندی سے بھی زیادہ یونانی عقلیت سے لگاؤ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے مابعد الطبیعیاتی نظریات پیغمبرانہ صفات کے خلاف تھے کیونکہ وہ وحی والہام کو غیر اہم سمجھتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اپنی عقل کا ایک

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

حصہ اسے ودیعت کر دیا اور اس طرح اسے مادی کائنات کو سمجھنے کے قابل بنا دیا۔ کائنات کی تخلیق کے متعلق الرازی کا نظریہ یہ تھا کہ ابتدا میں صرف خدا' روح' مادے' فضا اور وقت کا وجود تھا' اس کے بعد روح کی ایک تکلیف دہ صورت حال خدا نے مادی دنیا کے وجود میں داخل کی اور جب تمام روحیں عرش پر اپنے اصلی مسکن میں لوٹ جائیں گی تو دنیا کا وجود بھی ختم ہو جائے گا۔ کائنات کی تقدیر اور روح کے تناسخ کا یہ تصور تخلیق کے عمومی تصور سے کوئی میل نہیں کھاتا تھا۔

مذہب کے متعلق الرازی کے غیر مقلدانہ نظریات نے اسے اکثر مسلم حلقوں میں غیر مقبول بنا دیا۔ بعد کے مصنفوں نے' گو اس کے علم وفضل اور تبحر کی تعریف کی لیکن اس کے کفر کی مذمت بھی کی کیونکہ وہ اعلانیہ عقلی استدلال کو وحی والہام سے برتر سمجھتا تھا۔ نصر خسرو جیسے غیر مقلد اسماعیلی بھی الرازی پر کفر کا الزام دھرتے تھے۔ الرازی نے اپنی آزاد خیالی کی بھاری قیمت ادا کی۔ دانشوری سے معمور اس کی زیادہ تر کتابیں گمنامی کی نذر ہو گئیں۔ البیرونی نے بھی غالباً اپنے راسخ الاعتقاد مربی کو خوش کرنے کے لئے الرازی کی اعلانیہ مذمت کی اور اس کی بینائی کے ضائع ہونے کو خدائی عذاب قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ بخارا کے قدامت پرست خاندان منصور کے ایک امیر نے الرازی کو ایسی سزا دی کہ اس کی بینائی ضائع ہو گئی۔

اس امیر نے طیش میں آ کر یہ حکم دیا کہ الرازی کے سر کو اس کی کتاب سے اتنا مارا جائے کہ یا تو اس کا سر یا کتاب ٹوٹ جائے' اس کے بعد الرازی کی بینائی ہی نہیں بلکہ زندگی کی خواہش بھی ختم ہو گئی۔ جب ایک معالج نے جراحی سے آنکھوں کے علاج کا مشورہ دیا تو الرازی نے جواب دیا ''میں نے اس دنیا کو بہت دیکھ لیا اور مجھے یہ خیال پسند نہیں کہ اسے مزید دیکھنے کے لئے جراحی کراؤں''۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد الرازی فوت ہو گیا۔

ابن سینا (890-1037)

ابوعلی الحسین ابن سینا جدید دور کے نور برٹ ویز کی طرح قبل از وقت تخلیق پانے والا غیر معمولی ذہین شخص تھا۔ اس کے کارنامے اور تحریریں علم کے کئی شعبوں پر محیط ہیں۔ دس سال کی عمر میں اس نے قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور سترہ سال کی عمر تک وہ ایک تسلیم شدہ طبیب بن گیا تھا۔ ایک دو سال کے اندر اس نے ارسطو کی مابعد الطبیعیات پر عبور حاصل کر لیا۔ اس کا

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

شاہکار اصول طب (القانون) اس وقت تک طب کے شعبہ کی نصابی کتاب رہی جب تک کہ جدید طب وجود میں نہیں آ گئی۔ لیکن اس زمانے کے حکیم صرف طبابت ہی نہیں کرتے تھے۔ ابن سینا قدیم اہل حکمت یا عقل مند شخص کی ایک بہترین مثال ہے۔ وہ انتھک کام کرنے والا تھا۔ اس نے فلسفۂ منطق اور طب کے شعبوں میں کام کیا اور اس کی کتابیں اور تحریریں علم کے ان شعبوں پر محیط ہیں۔

اسلام پر ابن سینا کا ایمان پختہ تھا لیکن وہ غیر مقلد تھا۔ اس کے ایمان کی قدرے غیر معمولی جھلک مندرجہ ذیل مثال سے واضح ہوتی ہے۔ علمی تحقیق کے دوران اس کو بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا

''اگر میرے لئے مسئلہ بہت مشکل ہوتا تھا تو میں مسجد جا کر دعا مانگتا تھا اور تمام چیزوں کے خالق سے اس وقت تک التجا کرتا رہتا تھا جب تک وہ در، جو مجھ پر بند ہوتا تھا، کھل نہیں جاتا اور پیچیدہ مسئلہ میرے لئے سادہ نہیں بن جاتا تھا۔ ہمیشہ رات کے وقت میں گھر واپس آتا اور چراغ سامنے رکھ کر پڑھنے لکھنے میں منہمک ہو جاتا۔ اگر مجھ پر نیند طاری ہو جاتی یا میں جسمانی کمزوری محسوس کرنے لگتا تو شراب کے جام کا سہارا لیتا تا کہ میں تازہ دم ہو جاؤں''۔

یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ابن سینا توانائی حاصل کرنے کے لئے جس چیز کا سہارا لیتے تھے، وہ ناجائز تھی اور ان کا یہ فعل غیر مقلدانہ تھا۔ اس سے ان کی شخصیت کی انفرادی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔

اپنے پیش روالکندی کی طرح ابن سینا بھی نہایت آزاد خیال معتزلہ فلسفی تھے۔ ان کو بھی عقلی استدلال کی برتری پر اصرار تھا۔ کچھ عرصہ وہ امیر ہمدان کے وزیر رہے۔ وہاں فوج کے کچھ راسخ العقیدہ افسروں سے مذہبی بحث چل نکلی۔ یہ افسر اتنے ناراض ہوئے کہ انہوں نے ابن سینا کے قتل کا مطالبہ کیا۔ سپاہی ان کے گھر آئے اور انہیں نہ پا کر گھر کو لوٹ لیا اور امیر سے ان کے قصاص کا مطالبہ کیا۔ ابن سینا کو اس کارروائی کی بروقت اطلاع مل گئی تھی، چنانچہ وہ اپنے دوست ابوسعید دفدق کے گھر میں روپوش ہو گئے اور یہیں انھوں نے اپنے شاہکار ''القانون'' پر کام کیا۔

ابن سینا کئی بار سزا سے بچنے کے لئے فرار ہوئے۔ ان کی کتابوں پر پابندی عائد کی گئی اور

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہت سے دشمن ان کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ چنانچہ دوستوں نے انہیں اعتدال کا مشورہ دیا۔ جواب میں ابن سینا نے کہا: ''میں کم طویل لیکن زیادہ وسیع زندگی کو زیادہ طویل مگر تنگ زندگی پر ترجیح دیتا ہوں''۔ اور ابن سینا انتہائی جرئات کے ساتھ اپنے راستے پر چلتے رہے۔ مذہبی عقائد اور سائنس نیز منطق کے درمیان امتزاج کی کوشش نے بار بار ابن سینا کو علماء کے غیظ وغضب کا مستوجب ٹھہرایا۔ بدعت کے الزام کا ابن سینا کو رنج تھا' اس نے اپنا دفاع ایک مشہور نظم میں کیا ہے:

''مجھے بدعتی قرار دینا اتنا آسان اور اتنی چھوٹی بات نہیں ہے۔ مذہب میں مجھ سے زیادہ راسخ العقیدہ کوئی نہیں۔ اگر میں بھی بدعتی ہوں تو میں دنیا کی عجیب وغریب شخصیت ہوں۔ اگر میں بھی بدعتی ہوں تو دنیا میں کہیں بھی کوئی مسلمان نہیں ہے''۔

ابن سینا کے مسلسل احتجاج کے باوجود اسے علماء کے حلقوں میں' نہ صرف اس کے اپنے عہد میں بلکہ بعد کی صدیوں میں بھی' بدعتی سمجھا جاتا رہا۔ قدامت پرست مذہبی علماء میں سب سے زیادہ با اثر عالم امام غزالی نے بھی ابن سینا کو منکر قرار دیا:

''ارسطو کے فلسفہ کی اشاعت و ترویج کی وجہ سے ہمیں دو فلسفیوں ابن سینا اور الفارابی نیز ان کے پیروکاروں کو منکر قرار دے دینا چاہیے''۔

موجودہ دور کے بنیاد پرست بھی مسلمان دانشوروں اور سائنس دانوں کو مطعون قرار دینے میں پرانے زمانے کے علماء سے پیچھے نہیں ہیں۔ لندن سے سعودی امداد سے شائع ہونے والے ایک رسالے نے مندرجہ ذیل عتاب نامہ شائع کیا ہے

''الکندی' الفارابی' ابن الہیثم اور ابن سینا جیسے مشہور مسلمان سائنس دانوں کی کہانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان ہونے کے سوا ان کی ذات یا کام میں کچھ بھی اسلامی معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس' انکی زندگیاں نمایاں طور پر غیر اسلامی تھیں۔ طب' کیمیا' طبعیات' ریاضی اور فلسفے میں ان کا کام یونانی مکتب خیال کی قدرتی اور منطقی توسیع ہے''۔

ایک ہندوستانی مسلم محمد کلیم الرحمان نے بھی کچھ ایسی ہی بات کہی ہے:

''فلسفیوں میں سے کئی یا تو معتزلہ یا لاادری تھے۔ ان میں سے کئی موسیقی' جوتش اور جادو کے شوقین تھے۔ جو اسلام میں یا تو ممنوع ہیں یا جن کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔۔۔۔۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

الرازی وحی پر یقین نہیں رکھتا تھا' الفارابی نیکی اور برائی میں تمیز کرنے کے لئے (شریعت پر نہیں) خالص عقلی استدلال پر انحصار کرتا تھا۔ الکندی صفات مقدسہ سے منکر تھا' ابن سینا روز قیامت قبر سے جسمانی طور پر اٹھائے جانے پر یقین نہیں رکھتا تھا گویا رفتہ رفتہ معاشرے میں اسلامی اقدار کا فقدان ہونے لگا''۔

جدید اور قدیم کٹر پن کے درمیان خیالات کا تسلسل یقیناً موجود ہے۔ یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اسلامی فلسفیوں کو معاف نہیں کیا گیا ہے۔ یہ بھی قابل غور امر ہے کہ ان فلسفیوں کے کارناموں کو محض یہ کہہ کر مسترد کر دیا گیا کہ ''یہ یونانی فلسفہ کی قدرتی اور منطقی توسیع ہے''۔ یہ انتہائی شدید تنقید چونکا دینے والی حد تک مغربی نکتہ چینوں کی اس تنقید سے مشابہ ہے جو وہ مسلمان سائنس دانوں کے کارناموں کو گھٹا کر بتانے یا ان کی تحقیر کے لئے کرتے ہیں' گو کہ ان کی اس تنقید کے اسباب بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ اگر کسی غیر مسلم نے یہ الزام عائد کیا ہوتا کہ مسلم سائنس تو یونانی سائنس کا محض چربہ ہے تو مسلم سائنس کے راسخ العقیدہ نکتہ چیں اس الزام کو چیلنج کرتے۔ لیکن چونکہ مسلم سائنس کی توہین خود اسلام کے نام نہاد محافظوں نے کی ہے' اس لئے اس پر کوئی ردعمل نہیں ہوا ہے۔

ابن رشد (1126-1198)

ارسطا طالیسی فلسفہ اور نشاۃ ثانیہ کے فلسفوں کے درمیان مضبوط رشتہ قائم کرنے کا اہم کام سرانجام دینے کے باعث ابوالولید محمد ابن رشد مغرب میں دیگر اسلامی فلسفیوں سے زیادہ مشہور ہیں۔ بین الاقوامی شہرت کے دانشوروں میں ابن رشد صف اول کے دانشور تھے۔ ازمنہ وسطیٰ میں فلسفیانہ' مذہبی اور دینی کشمکش کے دوران کٹر عیسائی اور مسلم علماء ابن رشد کی تحریروں کو الحاد اور بدعت قرار دے کر اکثر نذر آتش کرتے رہے۔ ابن رشد کی تحریریں ارسطو پر مفصل و مضبوط تبصرہ تھیں' اس لئے ان کو یورپی دانشوروں نے لاطینی اور عبرانی میں ترجمہ کیا۔ جلد ہی اس کے تبصروں پر تبصرے لکھے گئے۔ اس کی بیشتر تحریریں ان دو زبانوں میں ہی پائی جاتی ہیں۔ عربی میں لکھی گئی اصل تحریریں اور کتابیں ناپید ہو چکی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک عقلیت پسند فلسفی کی حیثیت سے ابن رشد نے کس حد تک اپنے عہد کو متاثر کیا تھا۔

دیگر معقولیت پسندوں کی طرح ابن رشد پر بھی کٹر مذہب پرست مخالفوں کا عتاب اس نظریے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی وجہ سے نازل ہوا تھا کہ عقل کو وحی یا الہام کا رہبر ہونا چاہیے۔ اس کی رائے میں عبادت کی بہترین شکل یہ ہے کہ دماغ کے ذریعہ خدا کا عرفان اس کے نظام کا مشاہدہ کر کے کیا جائے۔ اس نے عربی زبان کی پیچیدہ لسانی ساخت سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن کی تفسیر کے لئے ایک تفصیلی اسکیم تیار کی' لیکن ابن رشد کو الغزالی کے دلائل کے قاطع یعنی (دلائل کا رد) لکھنے کی وجہ سے بہت زیادہ شہرت ملی۔

الغزالی کا زمانہ ابن رشد سے ستر سال پہلے کا ہے۔ ابن رشد اور الغزالی کے درمیان اختلافات کے مطالعہ سے ان معاملات اور موضوعات کی ایک مسحور کن تصویر سامنے آتی ہے' جو آج سے آٹھ سو سال پہلے حکماء اور دانشوروں کی فکر کا محور تھے۔ ہم نے پچھلے باب میں الغزالی کے نظریات کا اجمالاً تذکرہ کیا ہے۔ خصوصاً علت اور معلول سے متعلق ان کے نظریے پر بحث کی ہے۔ الغزالی کے نزدیک ہر چیز' یعنی تمام اعمال' واقعات' طبعی و قدرتی مظاہر یا جو بھی ہے' وہ متواتر احکام خداوندی کی وجہ سے ہے۔ ان کی منطق کے مطابق آگ ایک روئی کے ٹکڑے کو اس وجہ سے نہیں جلاتی کہ یہ آگ کی ماہیت یا فطری خاصیت ہے' بلکہ مافوق الفطرت عمل' مثلاً فرشتوں کی دخل اندازی کی وجہ سے جلاتی ہے۔

لیکن ابن رشد کے نزدیک یہ صریح حماقت ہے کہ فرشتوں کے ہجوم یا دیگر مقدس عمال ہر بار روئی کو جلانے کے لئے نازل ہوں۔ طبعی علت کا طبعی اثر ہوتا ہے۔ روزمرہ کے تجربہ سے ہر شخص کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ آگ کو جو چیز چھوئے گی' وہ جلے گی اور اس کے برعکس نتیجہ کبھی بھی برآمد نہیں ہوگا۔ الغزالی کی کتاب ''تہافت الفلاسفہ'' (فلسفیوں کی بے ربطی) کے جواب میں ''تہافت التہافت'' (بے ربطی کی بے ربطی) میں ابن رشد نے لکھا:

''ایسے موثر علل سے انکار' جس کا مشاہدہ محسوس چیزوں میں کیا جاتا ہے۔ خود فریبی ہے۔۔۔۔۔۔علت سے انکار میں علم سے منکر ہونا پوشیدہ ہے اور علم سے منکر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں درحقیقت کسی چیز کو جانا ہی نہیں جا سکتا''۔

پہلے سیول (اشبیلیہ) اور بعد میں قرطبہ کے قاضی کی حیثیت سے ابن رشد کٹر علما کا ہدف تھا۔ وہ آخر کار سیاسی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا شکار ہو گیا۔ جب 1184ء میں خلیفہ ابو یعقوب کی موت کے بعد اس کا بیٹا ابو یوسف تخت نشین ہوا' تو ابن رشد شاہی مہربانیوں سے محروم ہو

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

گیا۔ خلیفہ کے حکم سے منطق اور سائنس کا مطالعہ ممنوع قرار دیا گیا۔ بعد میں ابن رشد کا قرطبہ میں داخلہ بند کیا گیا۔ اسے اور فلسفہ کے طلبا کو بغیر کسی وجہ کے ایک چھوٹے سے صوبائی قصبہ میں بھیج دیا گیا۔ اس کی تمام کتابیں' سوائے ان کتابوں کے' جو خالص سائنسی موضوعات پر نہیں تھیں' نذر آتش کر دی گئیں۔ بارھویں صدی کے آخر میں پھر اس پر شاہی کرم ہوا اور وہ مراکش آ یا جہاں اس نے وفات پائی۔ گو کہ ابن رشد نے الغزالی کی عقلیت دشمنی کا شد و مد سے مقابلہ کیا اور اس کا زوردار رد لکھا لیکن وہ اپنے عہد پر اثر انداز نہ ہو سکا۔

ابن خلدون (1332-1406)

مسلم تہذیب کا آخری عظیم دانشور عبدالرحمٰن ابن خلدون تھا۔ وہ انیسویں صدی تک گمنام رہا۔ اس صدی میں مغربی دانشوروں نے اسے انسانی کردار کی سائنس کے ماہر اور علم بشریات کے پیش رو عالم کی حیثیت سے دریافت کیا۔ خلدون سے مسلمانوں کی عدم توجہی کا سبب فلپ ہٹی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''یہ فلسفی غلط عہد میں اور غلط مقام پر پیدا ہوا۔ وہ اپنے لوگوں کو ازمنہ وسطیٰ کے خواب غفلت سے جگانے کے لئے بہت تاخیر سے آیا اور یورپی لوگوں میں اس کو اپنا مترجم بھی دیر سے ملا۔ اس کا کوئی بلا واسطہ پیش رو تھا نہ براہ راست جانشین۔ کوئی مکتب خیال ایسا نہیں تھا جسے خلدونی کہا جا سکے۔ اس کی حیات عمل شمالی افریقہ کے آسمان سے اس طرح شہابانہ گزری کہ اس نے اپنے پیچھے کوئی منعکس روشنی نہیں چھوڑی''۔

مورخ اور ماہر عمرانیات کی حیثیت سے اس کے کام پر تبصرہ کرتے ہوئے ٹوآئن بی نے لکھا ہے کہ ابن خلدون نے ''تاریخ کے فلسفہ کی تخلیق و تدوین کی۔ یہ کام بلاشبہ اپنی قسم کا سب سے بڑا کارنامہ ہے جو کسی بھی زمان و مکان میں سرانجام دیا گیا ہے''۔

ازمنہ وسطیٰ کے مسلم دانشوروں کی اکثریت کے برعکس ابن خلدون معتزلہ نہیں تھا۔ اس نے الفارابی اور ابن سینا جیسے مسلم نو افلاطونیوں کے مفروضوں کو یکسر مسترد کر دیا تھا۔ اس کی رائے میں علم الوجود' ظہور اور علمیات (علم انسانی کے ذرائع اور مواد کا علم) پر ان فلسفیوں کے نظریات مذہب کے خلاف تھے۔ وہ الکیمیا کا بھی شدید مخالف تھا۔ تاہم ایک ثبوتی (فلسفہ ثبوتیت کا قائل) کی حیثیت سے ابن خلدون نے اسلامی فکر میں قابل قدر اضافہ کیا۔ اس نے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

عمرانی کردار کے قوانین اور اصول دریافت کئے اور ارتقائے تہذیب کی سائنس بھی ابتدائی شکل میں پیش کرنے کا سہرا اس کے سر ہے۔ اس نے باقاعدہ تشریح کر کے یہ بتایا کہ کس طرح زمینی حالات جغرافیائی خصوصیات' انسانی آبادی کی صفات اور اقتصادی عناصر سماجی حالت کا تعین کرتے ہیں۔ ابن خلدون کا ایک قول خصوصاً بہت مشہور ہے۔ ''نسلوں کے درمیان جو فرق پایا جاتا ہے' وہ محض اس فرق کا اظہار ہوتا ہے جو ان کی اقتصادی حالتوں کے درمیان ہوتا ہے اور انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کرتا ہے''۔ اس قول کا مقابلہ مارکس کے اس قول سے کرنا چاہیے: ''زندگی کے مادی معاملات میں پیداواری طریقہ عمومی طور پر زندگی کے عمرانی' سیاسی اور ذہنی طریق کار کا تعین کرتا ہے''۔ بعض اہم اعتبارات سے ابن خلدون نشاۃ ثانیہ کے بعد آنے والے کئی یورپی حکماء کا پیش رو تھا۔

اس کے باوجود کہ ابن خلدون ایسے مسلم فلسفیوں کا سخت مخالف تھا جو یونانی فلسفہ سے متاثر تھے' بعض کٹر مذہبی علماء اسے ضرورت سے زیادہ عقلیت پسند سمجھتے تھے۔ خصوصاً یہ بات قابل اعتراض تھی کہ ابن خلدون نے عصبیہ (گروہ سے وفاداری) کے تصور کو پیغمبری پر لاگو کیا اور یہ کہا کہ مقدس وحی پر مبنی دین کو بھی اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے قبائلی یکجہتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ عرب دانشوروں کو یہ شکایت بھی تھی کہ ابن خلدون عربوں کے بے ڈھنگے پن (غیر مہذب برتاؤ) کے حوالے حقارت سے دیتا ہے۔ نیز یہ کہ سنہری دور کے شاندار کارناموں کا سہارا زیادہ تر غیر عربوں کے سر باندھتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ لکھتا ہے:

''یہ حقیقت قابل ذکر ہے کہ چند مستثنیات کو چھوڑ کر زیادہ تر مسلم دانشور' خواہ وہ دینیات کے ہوں یا عقلی علوم سے تعلق رکھتے ہوں' غیر عرب ہیں۔ اکثر و بیشتر عربی النسل دانشور زبان اور نشوونما کے اعتبار سے غیر عرب ہوتے ہیں یا پھر ان کے اساتذہ غیر عرب ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت اس بات کے باوجود ہے کہ اسلام ایک عرب مذہب ہے اور اس کا بانی عرب (پیغمبر) تھا''۔

ابن خلدون ایک ایسے یمنی خاندان کا چشم و چراغ تھا' جس نے اندلس (اسپین) میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ کبھی کبھی اس کے نکتہ چین اسے ازراہ حقارت ''جاہل بربر'' کہتے تھے۔ جواب میں ابن خلدون عربوں کو ایسی ''وحشی قوم'' کہتا تھا' جس میں لوٹ مار اور غارت گری کے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

رجحانات پائے جاتے ہیں۔

زیادہ تر مسلم دانشوروں نے ابن خلدون کو نظر انداز کیا ہے' لیکن بعض نے اس پر شدید تنقید کی ہے۔ مثلاً۔

☆ سمیع شوکت (عراق میں تعلیم کا ڈائریکٹر جنرل اور جوانوں کی تنظیم کے فوجی شعبہ کا سربراہ) نے 3391ء میں بغداد میں اپنی ایک تقریر (جس کا عنوان ''موت کا پیشہ'' تھا) کے دوران کہا کہ ابن خلدون کی قبر کو کھود کر مسمار کیا جائے اور تمام عرب دنیا میں جہاں کہیں بھی اس کی کتابیں ہوں' ان کو جلایا جائے۔

☆ طہٰ حسین (جدیدت کا حامی مصری دانشور) ابن خلدون کو قابل نفرت' انا پرست اور ایسا بے ایمان عقلیت پسند قرار دیتا ہے جو مسلمان کا بہروپ دھارے ہوئے تھا۔

مسلمانوں میں علم و دانش کی روایت پر یہ حقیقت ایک داغ ہے کہ ابن خلدون اس وقت تک گمنام رہا جب تک کہ اس کو مغربی مستشرقین نے دریافت نہیں کیا۔ اور اب جبکہ اس پر ان مستشرقین نے اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے' تو (عرب نسل پرستوں اور کٹر علما کو چھوڑ کر) کئی دانشور اس کی تعریف کرنے میں باہم مسابقت کر رہے ہیں۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

باب گیارہ

اسلامی دنیا میں سائنسی انقلاب کیوں نہیں آیا؟

ہر عظیم تہذیب اپنی تاریخ آپ لکھتی ہے۔ ماضی سے مخصوص حقائق کا انتخاب کر کے یہ ثابت کرتی ہے کہ بڑائی یا عظمت میں اس کا کوئی مقابل یا حریف نہیں ہے۔ ہمارے عصر کی غالب مغربی تہذیب نے بھی ثقافت، تمدن اور دانش کی تاریخ کا ایک ایسا تصور پیش کیا ہے جس میں یورپی نشاۃ ثانیہ کے عہد میں سائنسی اور تہذیبی ارتقا یونانی اور رومی افکار کی سیدھی اور تیز پیش رفت کے طور پر نظر آتا ہے۔ لیکن گزشتہ چند دہائیوں کے دوران تاریخ کا پس منظر پہلے سے زیادہ وسیع ہوا ہے اور اب اس تقسیم کا آغاز ہو گیا ہے کہ سائنس کی جڑیں مختلف تمدنوں اور دنیاوی تہذیبوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ سارٹون اور نیدھم جیسے مورخین کے کام کی روشنی میں اب یہ ناممکن ہے کہ سائنس کے ارتقاء میں اسلامی، چینی اور ہندو تہذیبوں کے کردار کو نظر انداز کر دیا جائے۔

اس حقیقت کے پیش نظر کہ ہر بڑی تہذیب نے اپنے دور عروج میں انسانی علم میں قابل قدر اضافہ کیا ہے، یہ مفروضہ درست معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی تہذیب سائنسی انقلاب لا سکتی تھی۔ لیکن تاریخی حقیقت یہ ہے کہ مغرب میں جدید سائنس کا آغاز ہوا لیکن مغرب ہی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیوں؟ ماہر عمرانیات ویبر (جس کی تحریروں نے مشرقی تہذیبوں کے متعلق مغربی خیالات و نظریات کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے) کے خیال میں اس کا سبب یورپ کے اجتماعی ذہن کی برتری ہے۔ ویبر نے یہ تک کہنے سے گریز نہیں کیا کہ نسلی اعتبار سے یورپی لوگوں میں مقابلتاً زیادہ معقولیت یا عقل ہوتی ہے۔ اس لئے وہ معقول سرمایہ دارانہ اخلاقیات کی عاجلانہ ترقی کے اہل ہیں۔

اس قسم کے نسلی تعصب پر مبنی دلائل سنجیدہ بحث کے قابل نہیں ہیں' کیونکہ کئی غیر یورپی ملکوں میں جس تیزی سے سائنسی کلچر کی نشوونما ہوئی ہے وہ اس دعوے کی نفی ہے کہ سائنسی سوچ پر یورپی دماغ کو اجارہ داری حاصل ہے۔ پھر بھی کئی سوال ایسے ہیں جو جواب طلب ہیں اور جن پر بحث ہوسکتی ہے۔ خصوصاً یہ سوال کہ نویں اور تیرہویں صدیوں کے درمیانی عرصہ میں سائنسی انقلاب اسلامی تہذیب میں کیوں رونما نہیں ہوا؟

یہ سوال مہمل نہیں ہے۔ پانچ صدیوں تک اسلامی سائنس دان اور دانشور دنیاوی علوم میں رہنمائی کرتے رہے لیکن ان کی رسائی جدید سائنس تک نہ ہوسکی۔ آخر کیوں؟ اس ناکامی کے اسباب کی وضاحت ظاہر ہے قیاس پر مبنی ہوگی۔ کیونکہ کوئی ایسی تجربہ گاہ نہیں ہے جس میں یہ مشاہدہ کیا جا سکے کہ مختلف سماجی ماحولوں میں سائنسی ترقی کے جراثیم کیا اثر پیدا کرتے ہیں اور ان کی پرورش کے لئے کس قسم کے حالات اور قوت بخش عناصر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر انسانی معاشرے کی داخلی پیچیدگی اور اس پر خارجی اثرات کی مختلف النوع ماہیت کسی واحد عنصر کی علیحدگی کو خارج کر دے تو بھی دلائل اور وضاحت کی جزوی کوششیں بہت اہم ہوسکتی ہیں۔ ان سے مسلمانوں کی خصوصاً سائنسی پس ماندگی اور اس کے نتیجے میں سیاسی غلامی کے اسباب سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ یہ تقسیم اس لئے اہم اور ضروری ہے کہ مسلمانوں کی تعداد دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہے۔ اس باب کا عنوان جو ایک سوال ہے' اس کا جواب دینے کے لئے اسباب کی پانچ امکانی اقسام پر غور کرنا شاید مفید ثابت ہو سکے۔

☆ وہ اسباب جو فلسفہ اور رویوں سے متعلق ہیں۔

☆ وہ جو تعلیم کے ایک خاص تصور کا نتیجہ ہیں۔

☆ وہ جو اسلامی قانون کی مخصوص نیچر کا نتیجہ ہیں۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆ وہ جن کا وجود بعض معاشرتی و معاشی اداروں مثلاً خود مختار شہروں یا پیشہ وارانہ تنظیموں کے فقدان یا ان کی کمزوری کی وجہ سے ہے۔

☆ وہ اسباب جو اسلام میں مخصوص سیاسی کردار کا نتیجہ ہیں۔

یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ ان اسباب میں سے کوئی بھی غیر مرکب اور بنیادی نہیں ہے، ہر سبب دوسرے پر اثر انداز ہے۔ مثلاً رویے اور فلسفے کسی معاشرے میں پیداواری قوتوں کی نفاست و شائستگی کی ترقی کے درجہ سے تشکیل پاتے ہیں۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ شہروں میں رہنے والے دیہات کے باسیوں سے سوچ، برتاؤ اور گفتگو وغیرہ کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔

کسی معاشرے کی اقتصادی ساخت میں جدید پیداواری قوتوں کے کامیاب انضمام کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ بعض ضروری رویے پہلے سے موجود ہوں۔ اسی طرح تعلیم ناگزیر طور پر موجودہ عقائد کی عکاسی کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی تبدیلی کا ذریعہ بھی ہوسکتی ہے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ ہم اس بحث میں الجھ جائیں کہ کیا علت ہے اور کیا معلول، ہمیں ان اسباب کی نشاندہی سے مطمئن ہو جانا چاہیے جو زیادہ معقول اور منطقی معلوم ہوتے ہیں۔

رویوں یا انداز فکر پر مبنی اسباب

مثبت و معقول علم کا حصول یا دوسرے الفاظ میں سائنس کی تحصیل کم و بیش اس مجموعی نظام فکر سے متعین ہوتی ہے، جو کسی معاشرے میں کسی خاص وقت میں رائج ہوتا ہے۔ مجموعی نظام فکر میں عقائد، رویے، سماجی رسوم، عام مفروضے اور مخصوص مذہبی اور نظریاتی نقطہ ہائے نگاہ شامل ہیں۔ اور یہ وہ عناصر ہیں جن کو انسانی تاریخ میں بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ جولین ہکسلے ان عناصر کو وہی اہمیت دیتا ہے جو حیوانی ارتقا میں ڈھانچے کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ ساخت فراہم کرتے ہیں، جس سے زندگی کی نشوونما کے لئے راستہ ملتا ہے اور جس سے طریق حیات متعین ہوتا ہے۔

عقلیت کا تصور نہ صرف سائنس کے لئے کلیدی حیثیت رکھتا ہے بلکہ ہر نظام فکر میں موجود ہوتا ہے گو کہ اس کی اہمیت مختلف نظاموں میں کم یا زیادہ ہوسکتی ہے۔ عقلیت یا معقولیت کا مطلب کیا ہے؟ انیسویں صدی کے فلسفی نطشے نے ایک واضح تعریف پیش کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

عقلیت تعلقات ربط کا وہ سانچہ ہے جو معلول (اثر) کے لئے علت (سبب) کا تعین کرتا ہے۔ معقولیت کی جڑیں تلاش کرنے کے لئے نطشے علمیات کی نفسیاتی وحیواناتی گہرائیوں میں جاتا ہے۔ اس کا استدلال یہ ہے کہ عقلیت یا معقولیت انسان کے ''ارادہ برائے طاقت'' کا ناگزیر نتیجہ ہے۔ اس کے نزدیک انسانی نفس میں یہ خواہش تسخیر تمام تخلیقی عمل کا نفسیاتی سرچشمہ ہے۔ اس خواہش کی تہذیب کے لئے عقلیت ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی بھی حیوانی مخلوق اپنے ماحول کو تسخیر کرنا تو کجا، سمجھ بھی نہیں سکتی۔ ''ارادہ برائے طاقت'' سے محروم ہو کر انسان کی حیثیت محض ایک ایسے پہیئے کی ہو جاتی ہے جو سمندر کی موجوں کے رحم و کرم پر ادھر سے ادھر تیرتا رہتا ہے۔

اس فلسفہ سے مسلح ہو کر ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ وہ کیا محرکات ہیں جو ایک معاشرے کو دوسرے معاشرے سے کم یا زیادہ درجہ تک سائنس کو پروان چڑھانے کے لئے اکساتے ہیں؟ اگر سائنس کو انسان کے ''ارادہ برائے طاقت'' کا نتیجہ سمجھا جائے تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ افراد کی طرح معاشرے بھی اس داخلی قوت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ اگر ایک بار یہ مان لیا جائے کہ خدا کی مرضی (رضائے الٰہی) تمام تعلقات یا روابط کے سانچے کا حصہ ہے تو یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ روابط علل یا معقولیت کے لئے تلاش کی شدت میں کمی آ جائے گی یعنی خارجی دنیا کے معاملات میں خدا کی مرضی کا جتنا زیادہ دخل ہوتا ہے اور رضائے مقدس پر فانی انسان کے ارادے کا جتنا کم اثر ہوتا ہے، ''ارادہ برائے طاقت'' کی کارکردگی کے لئے اتنی ہی کم گنجائش ہوتی ہے۔ اگر رضائے مقدس کا دخل کلی ہو تو تجسس، تخیل، تصور اولوالعزمی جیسے الفاظ غیر ضروری ہو جاتے ہیں۔ وہ معاشرہ جو تقدیر پر صابر و شاکر ہو یا وہ سماج، جس میں روابط علل کے سانچے کا ضروری جزو و دنیاوی معاملات میں دخیل کوئی مقدس ہستی ہو تو اس میں لازمی طور پر سائنسی ذرائع سے نامعلوم کی کھوج کرنے والے افراد کم پیدا ہوں گے۔ جب دانش و سائنس کی ترقی عروج پر تھی، تب اسلامی معاشرہ تقدیر پرست نہیں تھا۔ انسانی اختیار ماننے والوں (قدریہ) اور پہلے سے طے شدہ تقدیر پر یقین رکھنے والوں (جبریہ) کے درمیان شدید بحثیں عموماً اول الذکر کی فتح پر منتج ہوتی تھیں۔ لیکن رفتہ رفتہ تقدیر پرست الاشعری نظریات کو غلبہ حاصل ہوتا گیا، جس کے باعث اسلامی معاشرہ کا ''ارادہ برائے طاقت'' کمزور ہوتا گیا اور

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سائنسی روح معدوم ہونے لگی۔ اشعر عقیدے کا تقاضا تھا کہ علت اور معلول کے درمیان تعلق سے انکار کیا جائے اور اس طرح عقلی خیال اور استدلال کی نفی کی جائے۔ اس عقیدے نے ''ثانوی علیت''، یعنی اس خیال کو بھی مسترد کیا کہ آخرکار خدا ہر چیز کے لئے ذمہ دار ہے لیکن یہ ذمہ داری ان قوانین کے ذریعہ ہے جو اس نے کائنات کے لئے وضع کئے ہیں۔

اشعری نظریات کی سائنس مخالف ماہیت ان کے اس اعتقاد سے ظاہر ہوتی ہے کہ کسی بھی قسم کی پیش گوئی ناممکن ہے۔ اشعری کہتے تھے کہ ایک تیز رفتار سے جاتے ہوئے تیر کے متعلق بھی یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ وہ کسی ہدف تک پہنچے گا یا نہیں' کیونکہ اس کے راستے میں اللہ تعالیٰ دنیا کو ایک لمحہ میں مٹاتا ہے اور دوسرے لمحے میں دوبارہ پیدا کرتا ہے۔ اس کے باوجود کہ ایک لمحہ میں تیر ایک خاص مقام پر تھا' یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے لمحے میں کہاں ہوگا' کیونکہ صرف خدا ہی جانتا ہے کہ دوسرے لمحہ میں وہ دنیا کو کیسی پیدا کرے گا۔ پچھلے ایک باب میں ہم نے سب سے زیادہ با اثر الاشعری' الغزالی کے نظریات کا بھی تفصیل سے مطالعہ کیا ہے۔ جبھی روابط کے وجود کو شد و مد سے رد کرنے کی کوشش میں انہوں نے یہ تک کہہ دیا کہ روئی اس وجہ سے نہیں جلتی کہ اس کو آگ لگائی جاتی ہے بلکہ اس وجہ سے جلتی ہے کہ خدا دخل انداز ہوکر یا تو براہ راست یا اپنے فرشتوں کے ذریعے روئی کو جلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں الغزالی اپنے ایک استدلال کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کرتے ہیں:

''اور یہ دلیل ان لوگوں کے دعوے کی نفی کرتی ہے جو جانتے ہیں کہ آگ جلانے کی عامل ہے' روٹی شکم سیری کی عامل ہے' دوا تندرستی کی عامل ہے' علی ہذا القیاس''۔

تقدیر پرست رویوں اور فیصلہ کی آزادی سے انکار کے غلبہ کے علاوہ سنہری دور کے بعد اسلامی سوسائٹی کے بڑھتے ہوئے افادیت پرست کردار نے بھی محض علم کے لئے حصول علم کی حوصلہ شکنی کی۔ ان اسباب کی بنا پر سائنسی انقلاب تو کیا آتا' دانشوری کے میدان میں آگے قدم بڑھانا بھی مشکل ہوگیا۔

علم و دانش کی ترقی کے ابتدائی دور میں افادیت پرستی (یعنی صرف فائدہ مند چیزیں اچھی ہیں) کو اسلامی معاشرہ پر غلبہ حاصل نہیں تھا۔ مثال کے طور پر' جب خلیفہ المامون نے بغداد میں بیت الحکمہ قائم کیا اور علوم و سائنس سے متعلق مخطوطات کی تلاش میں دور دراز کے ملکوں میں

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

سفیر بھیجے۔ اس کا مقصد مادی مفاد حاصل کرنا نہیں بلکہ عام بہبود و ترقی کا حصول تھا۔ ترقی یافتہ یا جدید ٹیکنالوجی کی صورت میں مادی فائدے کے امکان کا کوئی خیال نہیں تھا کیونکہ اس زمانے میں قدیم سائنس اور قدیم ٹیکنالوجی کے درمیان وہ رشتہ نہیں تھا جو آج ہے۔ گو کچھ استثنا بھی ہیں جیسے الکیمیا یا علم الادویات۔ علم کی قدر خصوصاً افادیت کی وجہ سے نہیں تھی۔ لیکن آخرکار یہ خیال تمام اسلامی معاشرے میں سرایت کر گیا کہ صرف عملی علم ہی فائدہ مند ہے اور اس طرح نظریاتی علم کی قدر میں کمی ناگزیر ہوگئی۔ رویہ میں یہ تبدیل مذہبی اعتقادات میں سختی اور دینیاتی تحقیق و تجسس کی ممانعت کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئی۔

مسلمانوں میں نظریاتی علم میں عدم دلچسپی کا آغاز چودھویں صدی کے لگ بھگ ہوا اور ہمارے عہد تک جاری ہے۔ مسلم قرون وسطیٰ کا سب سے زیادہ مشہور مفکر' ابن خلدون تک ان واقعات میں ہلکی سی دلچسپی ظاہر کرتا ہے جو اس کے عہد میں آس پاس کی دنیا میں ہو رہے تھے۔

''اطلاعات کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ فرانسیسیوں کے ملک کے شمالی ساحلی علاقے میں فلسفیانہ سائنسیں بہت مقبول ہیں۔ ان کے اصولوں کا احیا ہو رہا ہے۔ ان کی تعلیم کے کئی حلقے ہیں اور ان کے طلبا کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے''۔

لیکن ابن خلدون نے اسے نہ تو خطرناک واقعہ سمجھا اور نہ ہی فرانسیسیوں کے اتباع کی ضرورت محسوس کی۔ اس کے برعکس وہ فلسفہ اور الکیمیا کے مطالعہ کا شدید مخالف رہا۔ اس کا یہ رویہ اس زمانے کے عام رجحان کا عکاس ہے۔ یہ وہ عہد تھا جس میں مسلمان تحقیق و تجسس کی صفات سے محروم ہو چکا تھا۔

بعد کی نسلوں میں بھی تجسس کا فقدان رہا۔ عثمانی ترک بھی تجسس کی خصوصیت سے محروم رہے' گو کہ سولہویں عیسوی صدی میں انہوں نے ایک وسیع اور شاندار سلطنت قائم کر لی تھی۔ عثمانی حکمرانوں نے مغرب کی کچھ تکنیکی ایجادات کی افادیت کو ضرور تسلیم کیا اور ان میں کچھ کو حاصل بھی کیا' لیکن وہ خیال کی آزادی کی اجازت دینے یا یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ ٹیکنالوجی سائنسی سوچ کا نتیجہ تھی۔ یہ بات استنبول میں ہولی رومن ایمپائر کے سفیر غلسن دی بیق کے مشاہدے میں آئی تھی۔ 1560ء میں اس نے اپنے ایک خط میں لکھا:

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

''کوئی ایسی قوم نہیں جس نے دوسروں کی مفید ایجادات اختیار کرنے میں اتنی بے دلی اور تامل سے کام لیا ہو۔ مثال کے طور پر' انہوں نے ہماری بڑی اور چھوٹی توپیں اور کئی دیگر دریافتیں اپنے استعمال میں لے لی ہیں۔لیکن نہ تو وہ کتابیں چھاپ سکے ہیں اور نہ ہی انہوں نے عوام کے لئے بڑی گھڑیاں نصب کی ہیں۔ان کا خیال ہے کہ انہوں نے مقدس صحیفے (یعنی مقدس کتابیں) اگر چھاپ لئے تو وہ مقدس صحیفے نہیں رہیں گے اور اگر انہوں نے عوام کے لئے بڑی گھڑیاں نصب کر دیں تو ان کے موذنوں کے اختیار اور قدیم مذہبی رسوم کی تقدیس میں کمی ہو جائے گی''۔

سائنس کی عجیب وغریب دریافتوں اور ایجادوں سے عثمانی ترکوں کی عام عدم دلچسپی کا اظہار سفیر مصطفےٰ حطی آفندی کی رپورٹ سے بھی ہوتا ہے جو اس نے 1748ء میں ویانا سے لکھی تھی۔ جب وہ وہاں تھا تو ترکی وفد کو شہنشاہ نے ایک رصدگاہ دیکھنے کی دعوت دی۔اس رصدگاہ میں مختلف چیزیں رکھی گئی تھیں۔ ان سائنسی ایجادات سے آفندی اور اس کے ساتھی چنداں متاثر نہیں ہوئے۔

''۔۔۔۔۔۔تیسری اختراع شیشے کی چھوٹی بوتلوں پر مشتمل تھی۔ جن کو ہم نے یہ دیکھا کہ پتھر اور لکڑی پر ماری جاتی تھیں مگر وہ ٹوٹتی نہیں تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے چقماق کے ٹکڑے ان بوتلوں میں (جن کا حجم انگلی سے زیادہ نہیں تھا) ڈالے تو وہی بوتلیں' جنہوں نے پتھر کی ضرب برداشت کی تھی' آٹے کی طرح ریزہ ریزہ ہوگئیں۔ جب ہم نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ جب آگ سے نکال کر شیشے کو سرد پانی میں ٹھنڈا کیا جائے تو وہ ایسا ہو جاتا ہے۔ہم اس بے ہودہ جواب کو فرانسیسی کرتب سے تعبیر کرتے ہیں''۔

افادی رویہ ہندوستان کے مغلوں میں بھی تھا۔ جنہوں نے 1480ء سے 1857ء تک حکومت کی۔1857ء میں انگریزوں کی مکمل فتح کے بعد ان کا دور حکومت ختم ہوا۔ اکبر کے دور حکومت میں خاص طور پر فائدہ مند ٹیکنالوجی کا شوق تھا۔ زاویہ قائمہ کے دندانوں والے پہیے' شراب اور خوشبو کی تقطیر' چشموں اور دوربینوں کے شیشے' شورے سے پانی کو ٹھنڈا کرنا وغیرہ کی طرف اکبر کے دور میں توجہ دی گئی۔ سترہویں صدی کے وسط میں شاہی بیڑے کے لئے بڑی تعداد میں موجودہ دور کے جہازوں سے مشابہ جہاز بنائے گئے۔لیکن اس سب کے باوجود

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور مغل طرز تعمیر کی مسلمہ شان وشوکت کے باوصف' تاریخ مغلوں کو دانش اور تعلیم کے شعبوں میں قابل ذکر کارناموں' مثلاً یونیورسٹیوں' تجرباتی مشاہدہ گاہوں کو قائم کرنے یا مثبت مکتب خیال کی حوصلہ افزائی کرنے کا اعزاز نہیں دیتی۔

موجودہ دور میں بھی افادیت پرستی اور مخفی خلاف دانش رویہ مسلمانوں میں عام ہے۔ اس ضمن میں صدر ضیاء الحق کے مشیر سائنس ایم۔اے۔قاضی نے صاف صاف کہا ہے کہ:

''۔۔۔۔۔اسلام میں سائنس کے لئے سائنس اور علم کے لئے علم نہیں ہے۔ ہر چیز ایک ہی مقصد کے لئے ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ سائنسی علم کو عام انسانیت کی بھلائی کے لئے استعمال کیا جائے''۔

سعودیوں کو جدید ٹیکنالوجی کی فراہم کردہ آسائشیں تو بہت پسند ہیں لیکن سائنس کے اصولوں اور نظریات کے علم سے انہیں چڑ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سائنسی علم کی اس خاصیت سے ڈرتے ہیں کہ وہ انسانی ذہن کے دریچے کھولتا اور اسے سوچ کی آزادی بخشتا ہے۔ اس لئے وہ ایسے معاشرے کے لئے خطرناک ہے جس میں طبقاتی اور وراثتی معاشی وسیاسی نظام رائج ہے اور جہاں سیاسی ارباب اختیار اپنے اقتدار کو مذہبی بنیاد پر جائز ٹھہراتے ہیں۔

مسلم معاشرے میں افادی اقدار کا موجودہ غلبہ سائنس کی ترقی کے لئے اچھی فال نہیں ہے۔ جب لوگ صرف ان چیزوں کی پرواہ کریں جو کھلے طور پر اور بلاواسطہ فائدہ مند ہوں تو وہ مجرد خیال کو ترقی دینے کے قابل نہیں رہتے اور سائنس کے لئے ذہنی ذرائع تخلیق کرنے کی اہلیت بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ مجرد خیال اور ذہنی صلاحیتیں ناگزیر طور پر ظاہر اور مفید سے دور ہی ہوتی ہیں۔ ایک ایرانی ماہر طبیعیات نے نہایت واضح طریقے سے یہ مسئلہ اس طرح بیان کیا ہے:

''صرف سچے روحانی معاشرے ہی سائنس کو ترقی دینے کے اہل ہیں۔۔۔۔۔ افادیت پرست معاشرے کی جبلت میں یہ بات ہوتی ہے کہ وہ سچی روحانی اقدار کا ہمدرد نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ جس قوم میں بڑے فلسفی نہیں ہوتے' وہ کبھی بھی بڑے سائنس دان پیدا نہیں کرتی۔ ہیڈیگر کے بقول فلسفی وہ شخص ہے جو تحیر کے قابل ہے۔ یہی خصوصیت سائنس دان کی بھی ہوتی ہے۔ افادیت پرست شخص میں معجزے کی اہلیت نہیں ہوتی' اس لئے یہ توقع مشکوک ہوگی کہ وہ سائنس کو ترقی دے گا''۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

مسلم تعلیم کا کردار

کسی معاشرے کے مقاصد اور اقدار کا اظہار اس کے طریقہ تعلیم سے ہوتا ہے۔ طریقہ تعلیم کو دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ آیا معاشرہ تبدیلی یا انقلاب کو اہمیت دیتا ہے یا حال یا ماضی سے منسلک رہنا چاہتا ہے۔ نفس مضمون کی تفہیم کے لئے ہمیں واضح روایتی مذہبی تعلیم کا مقابلہ جدید دنیاوی تعلیم سے کرنا چاہیے کیونکہ ان کے تعلیمی فلسفوں اور ان کے مقاصد اور طریقوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

عمرانیات کی اصطلاح میں یہ (Ideal Types) یا تصوری نمونے ہیں۔ ہم روایتی مذہبی تعلیم کے خالص نظریہ بیان کا مقابلہ جدید تعلیم کے تصور سے کریں گے۔ مندرجہ ذیل گوشوارے میں فرق کو اختصار سے پیش کیا گیا ہے۔

روایتی تعلیم

1- عقبیٰ (اگلی دنیا) کی طرف مائل۔

2- اسلامی عمرانیات میں شامل کرنے کا مقصد۔

3- قرون وسطیٰ سے نصاب تعلیم نہیں بدلا۔

4- علم کا انکشاف غیب سے ہوا ہے' اس لئے علم نا قابل تغیر ہے۔

5- مقدس حکم کی وجہ سے علم حاصل کیا جاتا ہے۔

6- فرامین' ہدایات اور مفروضوں کی نکتہ چینی اچھی نہیں سمجھی جاتی۔

7- تعلیم دینے کا طریقہ بنیادی طور پر حاکمانہ ہے۔

8- حفظ کرنے کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

9- طالب علم کی ذہنی ساخت مجہول اور اکتسابی ہوتی ہے۔

10- تعلیم عمومی ہوتی ہے۔

جدید تعلیم

1- مائل بہ دنیا یا دنیاوی۔

2- انفرادیت یا خودی کو ترقی دینے کا مقصد۔

3- مضمون میں تبدیلی کے مطابق نصاب میں تبدیلی۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

4- علم مشاہدے' تجربے اور استنباط کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔
5- علم چونکہ مسئلہ حل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے' اس لئے حاصل کیا جاتا ہے۔
6- فرامین' ہدایات اور مفروضوں کی نکتہ چینی کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔
7- تعلیم دینے کے طریقے میں شاگرد کی شرکت ہوتی ہے۔
8- اہم تصورات کی تفہیم کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔
9- طالب علم کی ذہنی ساخت عملی اور مثبت ہوتی ہے۔
10- تعلیم تخصیص کی حامل اور کئی مضامین میں منقسم ہے۔

مثالی نمونے کا خیال ناگزیر طور پر غیر حقیقی ہوتا ہے' تاہم مذکورہ ابتدائی نمونے موثر انداز میں تعلیم کے بنیادی طور پر دو مختلف نظاموں کے درمیان فرق ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عصری مسلم معاشرے کے تعلیمی نظام میں تفہیم کے بغیر حفظ کرنے کی عادت ان رویوں کی دین ہے جو روایتی نظام تعلیم سے ورثہ میں ملے ہیں۔ اس روایتی نظام میں (پہلے سے حاصل شدہ) علم کا اکتساب کیا جاتا ہے' نئے علوم کو دریافت نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ ذہن کا رویہ مجہول اور اکتسابی ہوتا ہے' تخلیقی اور متجسس نہیں ہوتا۔ روایتی حاکمانہ ماحول کا عمرانی تلازمہ یہ ہوتا ہے کہ تمام معلومات کو ناقابل تغیر سمجھا جاتا ہے۔ جائز قرار دیئے گئے علوم کو حفظ کیا جاتا ہے اور انہیں ایک حد تک مقدس سمجھا جاتا ہے۔ روایتی انداز فکر میں مسائل حل کرنے کے ذریعہ کی حیثیت سے دنیاوی علوم کا تصور تک ناجائز ہے۔

استاد کے اقتدار و اختیار کا منبع چونکہ ایسا تھا' جسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا' اس لئے روایتی طریقہ تدریس ناگزیر طور پر حاکمانہ تھا۔ مغلوں کے عہد میں ـــــــ اور گاؤں کے مکتب میں آج بھی ـــــــ معلم یا استاد کے سامنے طلباء نیم دائرہ بنا کر قطاروں میں بیٹھتے تھے۔ کتاب کے متن پر تبصرہ کرنے یا تشریح و تبصرہ لکھوانے کے بعد وہ ان الفاظ کے ساتھ درس کا اختتام کرتا ہے کہ "اور خدا بہتر جانتا ہے"۔ اس کے بعد طلبا استاد کے دائیں ہاتھ کو بوسہ دے کر رخصت ہوتے ہیں۔

غیر متغیر اور حافظہ کو اہمیت دینے والے تعلیمی نظام کی جڑیں درس نظامیہ میں ہیں جو گیارہویں صدی میں نافذ کیا گیا تھا۔ درس نظامیہ کا نصاب نسل در نسل چلتا رہا۔ ہندوستان میں بھی اسے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کسی تبدیلی کے بغیر اپنایا گیا۔ زیادہ تر زور قرآن حکیم اور احادیث کو حفظ کرنے پر دیا جاتا تھا۔ چودھویں صدی میں مسلم مملکتوں میں تعلیم کا تقابلی مطالعہ کر کے ابن خلدون نے کہا تھا کہ صرف مسلم ہسپانیہ اور ایران میں شاعری' صرف ونحو اور ریاضی جیسے مضامین تعلیمی نصاب میں شامل ہیں۔ دوسرے مسلم ملکوں میں ایسے مضامین' جن کا تعلق قرآن سے نہیں تھا' اتنے زیادہ دنیاوی سمجھے جاتے تھے کہ انہیں بچوں کو پڑھانا مناسب نہ تھا۔ شاگرد اپنی تختی یا سلیٹ پر ایک شعر لکھ کر اسے حفظ کر لیتا تھا اور پھر اسے مٹا کر اس کی جگہ دوسرا شعر لکھ لیتا تھا۔ ایک پرانی کتاب میں لکھا ہے کہ عباسی خلفاء کے دور میں مدرسہ کے طلباء دن کے اول وقت قرآن پڑھتے تھے اور باقی وقت میں لکھتے رہتے تھے۔ درمیان میں تھوڑا سا وقفہ کھیل کود کے لئے ہوتا تھا۔ منگل کی سہ پہر اور جمعرات کی صبح اپنے لکھے ہوئے کی غلطیاں درست کرتے تھے۔

روایتی تعلیم نظام کے (جس میں رٹنے پر زیادہ زور تھا) اپنے معیار' کارکردگی کے اپنے درجے اور اپنے مثالی نمونے تھے۔ اس سلسلہ میں جن لوگوں کا حوالہ دیا جاتا ہے' ان میں کوفہ کے محمد ابن زیاد العربی بھی شامل ہیں۔ انہوں نے 840ء میں سمرہ میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سو طالب علموں کو درس دیا۔ وہ دس سال تک طلبا کو کتابوں کے حفظ کردہ متن اور اپنی تشریح لکھواتے رہے۔ ان کا حافظہ اتنا اچھا تھا کہ دس سال کے دوران کسی بھی طالب علم نے ان کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب' مخطوطہ یا تحریر یا کاغذ نہیں دیکھا۔ ایک اور مثال نویں صدی کا ایک مصنف بیان کرتا ہے۔ وہ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''مراج کا حافظہ کئی لوگوں سے بہتر ہے۔ اس نے مجھ سے ایک تحریر لی اور اسے رات بھر میں یاد کر کے دوسرے دن مجھے سنا دیا۔ یہ تحریر تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل تھی''۔ ایک اور واقعہ ایک دانشور کے متعلق ہے جو درس دینے کے لئے بغداد سے سیستان گیا تھا۔ کتابیں لاد کر لے جانے کی زحمت سے بچنے کے لئے اس نے وہ تمام احادیث حفظ کر لیں جن کا حوالہ وہ لیکچروں کے دوران دینا چاہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے پیغمبر ﷺ کے متعلق تیس ہزار احادیث کا حوالہ دیا' لیکن جن لوگوں نے ان احادیث کی تصحیح کی وہ صرف تین غلطیاں نکال سکے۔

تیرہویں صدی عیسوی کے لگ بھگ اسلامی دنیا میں علوم اور سائنس کے سنہری دور کا اختتام ہوا۔ اس کے بعد سے مسلم نظام تعلیم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ نصاب تعلیم اتنا محدود تھا کہ کٹر

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

قدامت پسند مغل شہنشاہ اورنگزیب نے بھی اپنے استاد پر مندرجہ ذیل الفاظ میں سخت نکتہ چینی کی:

''آپ نے مجھ کو کیا پڑھایا؟ آپ نے مجھ کو بتایا کہ فرانسیسیوں کا ملک ایک چھوٹا جزیرہ ہے جہاں گزشتہ زمانے میں سب سے بڑا بادشاہ پرتگال کا حکمران گزرا' پھر ہالینڈ کا بادشاہ ہوا اور اب انگلینڈ کا بادشاہ ہے۔ آپ نے فرانس اور ہسپانیہ کے بادشاہوں کے بارے میں بتایا کہ وہ ہمارے چھوٹے حکمرانوں کی طرح ہیں۔۔۔۔۔۔ معاذ اللہ! آپ نے جغرافیہ اور تاریخ کے علم کا کیسا مظاہرہ کیا' کیا یہ آپ کا فرض نہیں تھا کہ مجھے اقوام عالم کی خصوصیات' ان کے ملکوں کی پیداوار اور وسائل' ان کی عسکری قوت' جنگ و جدل کے طریقوں' رسم و رواج' حکومت کے طریقوں اور سیاسی حکمت عملیوں سے آگاہ کرتے؟ آپ نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ ایک شہزادے کو کس قسم کے علوم کی تعلیم اور کیسی تربیت درکار ہے۔ آپ نے میرے لئے صرف اتنا ضروری سمجھا کہ میں صرف و نحو کا ماہر بن جاؤں اور ایسے مضامین پڑھ لوں جو ایک قاضی (منصف) یا فقیہ (قانون دان) کے لئے مناسب ہیں''۔

اورنگزیب نے جس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے' وہ تعلیم کا تنگ دائرہ ہے' جس میں عام معلومات اور طبعی سائنس یا مادی نظام فطرت کے متعلق علوم شامل نہیں ہیں۔ تعلیم پر دینیات کا غلبہ تھا۔ صرف و نحو اور ادب دینی تعلیم کے معاون مضامین کی حیثیت سے شامل تھے۔ شاہ ولی اللہ (وفات 1761ء) کا نجی نصاب تعلیم کا دائرہ پرانے نصاب کی بہ نسبت زیادہ وسیع تھا اور اس میں کچھ ریاضی' فلکیات اور طب کے مضامین شامل تھے۔ تاہم برصغیر کے مسلمانوں کی ترجیحات میں دنیاوی علوم کا درجہ ہمیشہ کم رہا۔ اس کے علاوہ' جہاں کہیں بھی کسی حد تک آزاد تحقیق' مشاہدہ یا تجربہ کی اجازت دی گئی' اسے مادے تک محدود رکھا گیا اور اس کو مذہبی یا ثقافتی شعبوں میں دخیل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ تعلیم کی یہ حالت انیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک جاری رہی تا آنکہ انگریزوں نے ''یورپی سائنس'' کو متعارف کرایا اور برصغیر کے اسکولوں میں جدید انتظام اور حساب کتاب کے طریقے پڑھانے کا آغاز کیا۔ اس فیصلہ پر برصغیر کے دو بڑے فرقوں' ہندو اور مسلم کا ردعمل مختلف تھا۔ ہندوؤں نے اس فیصلہ کو خوش آمدید کہا اور انگریزوں سے تقاضا کیا کہ وہ بنیادی علوم کے مزید اسکول اور کالج قائم کریں۔ اس

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے برعکس، مسلمانوں نے برطانوی فیصلہ پر شک وشبہ اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ یہ ردعمل اس وجہ سے بھی تھا کہ انگریزوں نے مسلمانوں کے صدیوں پرانے دورِ حکومت کو زبردستی ختم کیا تھا۔ اس لئے ''یورپی سائنس'' کو مسلمانوں کے مذہب اور ثقافت کی تباہی کا پرفریب ذریعہ سمجھا گیا۔ دوسری طرف انگریز سامراجیوں کے مخصوص تکبر نے بھی مسلمانوں میں انگریزی زبان سے نفرت اور سائنسی تعلیم کی مخالفت میں شدت پیدا کی۔ انگریز سامراجیوں نے اعلانیہ مسلمانوں کے پرانے سائنسی کارناموں کا مذاق اڑایا۔ مثال کے طور پر، 2 فروری 1835ء کو لارڈ میکالے نے اپنی ایک تقریر میں حقارت سے مسلم طبی نظریات کا حوالہ دے کر کہا کہ یہ نظریات ''ایسے ہیں جن سے ایک انگریز بیطار (مویشی کا علاج کرنے والا) بھی شرمندہ ہوگا۔ علم فلکیات ایسا ہے کہ جس پر انگلش بورڈنگ ہاؤس اسکول کی لڑکیوں کو ہنسی آئے گی اور تاریخ ایسے بادشاہوں سے بھری پڑی ہے جو تیس فٹ اونچے تھے اور جنہوں نے تیس ہزار سال تک حکومت کی اور جغرافیہ ایسا جس میں سمندر شیرے اور مکھن کے ہوتے ہیں''۔

مجروح عزت نفس، انگریزی راج کے خلاف سرکشی اور قدامت پسندی کی وجہ سے مسلمانوں نے جدید تعلیم کو مسترد کر دیا۔ خصوصاً مسلم علماء شدید مخالف تھے۔ اور 1835ء میں میکالے کے اس فیصلے کے بعد کہ تمام ہندوستان میں جدید تعلیم کا آغاز کیا جائے کلکتے میں آٹھ ہزار علماء نے ایک درخواست پر دستخط کئے، جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کو جدید تعلیم سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ 1857ء کے خون خرابہ کا ایک سبب جدید تعلیم کے متعلق قانون بھی تھا۔ والدین نے اپنے بچوں کو جدید اسکولوں سے دور رکھا۔ وہ بچوں کو یا تو گھر میں رکھتے تھے یا مدرسوں میں بھیجتے تھے۔ بہت کم تعداد میں ایسے والدین تھے، جنہوں نے جدید تعلیمی ادارے پر پابندی کی خلاف ورزی کی۔ ایسے والدین کو سماجی دباؤ، دھمکیوں اور لعنت ملامت کا شکار ہونا پڑتا تھا، گزشتہ عہد مغلیہ کی شان وشوکت کے عادی مسلمان علمی پیشوں، حساب کتاب اور کھاتہ داری کو کم ذات ہندوؤں کا کام سمجھتے تھے۔ ایسے علم مخالف ماحول میں سید احمد خاں نے مسلمانوں میں تعلیمی اصلاح کے لئے جدوجہد شروع کی اور اس جدوجہد میں وہ صرف جزوی طور پر کامیاب ہوئے۔

روایتی تعلیم کا ناگزیر نتیجہ یہ تھا کہ تفہیم کے بغیر رٹ لیا جائے اور حاکمیت کی خصوصیت کو فروغ

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیا جائے۔ اس قسم کی تعلیم ایسے معاشرے کے لئے فطری ہوتی ہے جو بذات خود متوازن ہو۔ لیکن جب معاشرہ ترقی کر کے پیچیدہ ہو جائے تو وہ پرانے نمونوں اور طریقوں کی سختی سے پابندی نہیں کر سکتا اور اسے ایسے حل تلاش کرنے پڑتے ہیں جو تاریخی اور ثقافتی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے ترقی کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ روایتی نظام تعلیم بدلتی دنیا کے تقاضوں کو کما حقہ پورا کرنے کے قابل نہیں تھا اور غالباً یہ وہ اہم ترین سبب تھا جس نے مسلمانوں کو سائنسی انقلاب کی قیادت سے محروم کر دیا تھا۔

مسلم قانون کا رول

یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے بعد سائنسی اور صنعتی انقلاب لانے والے صرف فلسفی اور دانشور ہی نہیں تھے۔ یہ ایک نہایت پیچیدہ معاشی اور عمرانی عمل بھی تھا۔ ٹیکنالوجی کے شعبہ میں ترقی نے یقیناً بہت طاقتور جدید وسائل پیداوار کو جنم دیا' لیکن یہ یورپ کے سرمایہ داروں کا طبقہ تھا جس نے ٹیکنالوجی کی ترقی کو کام میں لا کر آخر کار جاگیرداری معاشرہ کو جدید سرمایہ دار معاشرہ بنا دیا۔ مارکس کی زبان میں سرمایہ دار طبقہ وہ ہے جو پیداواری وسائل کے درمیان تال میل پیدا کرنے اور جدتیں کر کے نیز صنعتوں میں سرمایہ لگا کر بنیادی ساختیاتی یا تنظیمی تبدیلیاں لانے کا اہل ہوتا ہے۔ مارکس معاشرے کی تبدیلی میں سرمایہ دار طبقے کے اہم کام کو مانتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس طبقہ کو محنت کش کا استحصال کرنے والا اور ان کا فطری دشمن بھی قرار دیتا ہے۔

یہ سوال کہ سائنسی انقلاب اسلامی معاشرے میں کیوں نہیں آیا؟ عملاً اس سوال کے مترادف ہے کہ اسلام نے ایک سرمایہ دار طبقہ کیوں پیدا نہیں کیا؟ خصوصاً ویبر اور اس کے پیروکار کا استدلال یہ ہے کہ اسلامی قانون کی نیچر اور اس قانون پر عمل پیرا ہونے کا انداز ایسا رہا ہے کہ سرمایہ دار طبقہ کی پیدائش اور ابتدائی سرمایہ دارانہ طریق پیداوار کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ ہم اب اس استدلال کو پرکھیں گے۔

ویبر کا استدلال کچھ اس طرح ہے! سرمایہ دار طبقہ کے وجود کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ایک نظام قانون ہو جس کے تحت حقوق جائیداد' معاہدوں کے فرائض' بینکنگ اور مالی سودوں کے سلسلہ میں پیدا ہونے والے تنازعات نپٹائے جا سکیں۔ منصفوں کے من مانے شخصی احکام

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی بنیاد پر نہیں بلکہ عقلی قوانین کے تحت ہونے چاہئیں اور ان قوانین کا دائرہ اتنا وسیع ہونا چاہیے کہ ایک پیچیدہ اقتصادی ماحول میں پیدا ہونے والے معاملات اور تنازعات پر حاوی ہو سکے۔ حالات کی نئی صورتوں کے لئے نئے قوانین کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ نئے قوانین موجودہ قوانین کی روح سے ہم آہنگ ہونے چاہئیں۔ قانونی عقلیت جدید سرمایہ داری نظام کی پیشگی شرط ہے۔ اگر قانونی نظام باقاعدہ اور ہمہ گیر نہ ہوتو اقتصادی نظام منتشر ہو جاتا ہے۔

ویبر مزید دلیل دیتا ہے کہ سرمایہ داری نظام کے آفرینش کے لئے جس دنیاوی اور عقلی قانونی دروبست کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اسلامی قانون کی نیچر سے میل نہیں کھاتا۔ اسلامی قانون مذہبی اخلاقیات اور عقائد سے علیحدہ نہیں ہوسکتا، اس لئے یہ ایسے اصولوں پر مبنی نہیں ہے جن کی واضح تعریف کی جا سکے۔ یہ کلی طور پر وحی اور پیغمبر کی احادیث پر مبنی ہے۔ قاضی کی قانونی کارروائی یہ ہوتی ہے کہ وہ متعلقہ مقدمہ پر لاگو ہونے والی مقدس قانونی روایت دریافت کرے۔ ویبر کے پیروکاروں کا دعویٰ ہے کہ اسلام میں قانون سازی نہیں ہوتی، صرف قانون کی دریافت ہوتی ہے۔ اسلامی اخلاقیات اور قانون کے درمیان واضح امتیاز نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ دار طبقہ کی نجی جائیداد کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے کوئی ہمہ گیر اور عقلی قانون نظام بروئے کار نہیں آ سکتا۔ چنانچہ ویبر کہتا ہے کہ:

''مذہبی عدالتوں کو زمین سے متعلق مقدمات پر اختیار تھا، زمین کا سرمایہ دارانہ استحصال (استعمال) ناممکن تھا، مثلاً تیونس میں۔۔۔۔۔۔۔تمام صورت حال اس طریقہ کا نمونہ پیش کرتی ہے جس میں مذہبی عدالتی عمال ایک عقلی اقتصادی نظام میں دخیل ہوتے ہیں اور لازمی طور پر دخل اندازی کرتے ہیں''۔

اگر خالص متن اور قواعد کی رو سے دیکھا جائے تو غالباً ویبر کے پیروکاروں کی یہ دلیل صحیح ہے کہ اسلامی شریعت سرمایہ داری نظام کے اہم عناصر کے خلاف ہے۔ نیز شریعت تقریباً غیر متغیر قوانین کا مجموعہ ہے۔ یہ قوانین وقت کے ساتھ تبدیل نہیں ہو سکتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فقہ کے چار مکاتب، جو امام مالک ابن انس (وفات، 795) امام ابوحنیفہ (وفات، 767) امام محمد ابن ادریس الشافعی (وفات 820) اور امام احمد بن حنبل (وفات 855) کے ناموں سے مشہور ہیں، اپنی تواریخ نفاذ سے آج تک تبدیل نہیں ہوئے۔ ان مکاتب میں جو باہمی فرق ہے، وہ کلی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

طور پر اس فرق پر مبنی ہے جو مختلف قرآنی آیات کو کم یا زیادہ اہمیت دینے کے باعث پیدا ہوا ہے یا پیغمبر کی مختلف احادیث کو کم یا زیادہ صحت کا درجہ دینے کے سبب وجود میں آیا ہے۔ ان مکاتب فقہ کے درمیان اسلامی قانون کے تمام بڑے مسائل گیارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک طے کر لئے گئے تھے۔ اس کے بعد اجتہاد کا دروازہ باقاعدہ اور ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔

بایں ہمہ مسلم معاشرے میں اقتصادی ارتقا کی سمت طے کرنے کے سلسلے میں شریعت کے واقعی اثر کا استنباط محض دلائل سے نہیں کیا جا سکتا۔ عملاً صدیوں سے یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ جب کبھی بھی اہم اقتصادی یا سیاسی مفادات داؤ پر لگے ہیں، مسلمانوں نے شریعت کے مختلف اوامر و نواہی کو نظر انداز کر دیا ہے۔ فرانسیسی ماہر اسلامیات میکس روڈسن کہتا ہے کہ مثال کے طور پر روپیہ قرض دینے کی اسلامی ممانعت پر کبھی بھی بڑے پیمانے پر عمل نہیں کیا گیا اور مسلم معاشرے سے سود خوری ختم نہیں ہوئی۔ اس ممانعت کا عملی اثر یہ ہوا کہ اسے ناکام بنانے کے لئے عجیب و غریب تاویلات اور طریقے اختراع کئے گئے۔ ایسے طریقے کا عربی نام ''حیل'' یعنی حیلہ سازی ہے۔ کتابیں، جن میں بعض نویں صدی تک کی ہیں، حیل کی مختلف شکلوں پر لکھی گئی ہیں۔ روڈسن کی کتاب ''Islam and Capitalism'' (اسلام اور سرمایہ داری) میں ''حیال'' کی گزشتہ اور موجودہ عملی صورتوں کا مسحور کن بیان ملتا ہے۔ تاہم اس سے انکار ناممکن ہے کہ شریعت نے بینکنگ کے ادارے کو اسلامی معاشرے میں اس طرح ارتقا پذیر نہیں ہونے دیا جس طرح وہ اس زمانے میں یورپ میں ہو رہا تھا۔

یہ دیکھ کر ویبر کے استدلال کی کلی صحت پر شک ہونے لگتا ہے کہ جدید دور میں شریعت کے اوامر و نواہی پر عملی یا کاروباری مفادات کا موثر غلبہ رہا ہے۔ بین الاقوامی تجارت، مشترک سرمایہ کمپنیاں، غیر ملکی قرضے، محصول کے اصول وغیرہ میں بھی اسلامی قانون کے اوامر و نواہی متاثر ہوتے ہیں، لیکن ان کو طے کرنا تو کجا، انہیں نہ تو سنجیدگی سے اٹھایا گیا اور نہ ہی زیر بحث لایا گیا۔ تاہم تمام اسلامی ملکوں میں غیر مبہم قاعدے قوانین ان اقتصادی معاملات و مسائل کے متعلق وضع کئے گئے ہیں جو دنیاوی اور آفاقی قانونی اصولوں پر مبنی ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی قانون کے تحت اسلامی ملکوں پر غیر اسلامی یا اسلامی ملکوں سے سودی قرضے لینے پر

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

پابندی ہونی چاہیے لیکن عملاً شریعت اس مسئلہ کے متعلق رویوں پر اثر انداز نہیں ہوئی ہے۔ عملی طور پر جدید اسلامی ریاستیں داخلی معاملات میں شریعت نافذ کرنے کے متعلق صرف زبانی جمع خرچ کرتی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر، بعض راسخ الاعتقاد یا بنیاد پرست علما تصویر کھنچوانے پر پابندی کے لئے اصرار کرتے ہیں۔ تاہم، اس اصرار کے باوجود جدید ریاستوں نے نہ تو تصویری شناختی کارڈوں کا اجرا بند کیا اور نہ ہی ٹیلی ویژن کا نظام ترک کیا۔ گو علما ضبط تولید کو خلاف مذہب قرار دیتے ہیں لیکن خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعہ آبادی میں اضافے کو قابو میں رکھنا ہر ریاست کی ضرورت ہے۔

ایسی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں مذہبی ارباب اختیار نے بھی شریعت کی روح کی خلاف ورزی کی ہے۔ حالیہ مثال پاکستان میں نہایت سخت مذہبی صوبہ سرحد کے مقامی علما کی ہے، جنکی بھاری اکثریت نے ہیروئن کی تجارت کو جائز قرار دیا ہے۔ منشیات کی تجارت کی حمایت کے لئے علما نے جو دلائل دیئے ہیں، وہ کلی طور پر غلط تاویل کے مترادف ہیں۔ ظاہر ہے کہ وقت آنے پر مادی مفادات اخلاقی اور دینی اصولوں پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔

آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر اسلامی علاقوں میں نسبتاً زیادہ عقلی اصولوں پر مبنی مقررہ قواعد و قوانین ہوتے تو وہ سرمایہ داری نظام کے ارتقاء میں مددگار ثابت ہوتے، تاہم ایسی کوئی مضبوط شہادت موجود نہیں ہے کہ عملاً صرف شریعت نے اس ارتقاء میں کوئی رکاوٹ ڈالی ہو۔ اس لئے جدید صنعتی اسلامی کلچر کے عدم ارتقاء کے اسباب کا پتہ لگانے کے لئے ہماری تحقیق یہاں ختم نہیں ہوتی۔

اقتصادی اسباب

جب اٹھارہویں صدی عیسوی میں سامراجی طاقتوں نے مسلم علاقوں کو فتح کر کے اپنی نو آبادی بنایا تو اس وقت مسلم معاشرہ قرون وسطی کی منجمد کیفیت میں تھا۔ کوئی ایسا مسلم سرمایہ دار طبقہ موجود نہیں تھا جو جاگیرداری معاشرے کو سرمایہ دار معاشرے میں تبدیل کرسکتا۔ تاہم، بعض اوقات یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ نو آبادی بنائے جانے کے وقت ہندوستان اور مصر سرمایہ دارانہ سماجی و معاشی نظام کی طرف پیش رفت کر رہے تھے۔ سامراج کے نو آبادیاتی غلبہ نے ان کی اس پیش رفت کو روک دیا۔ یہ دعویٰ مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن دو اہم عناصر دیسی سرمایہ دار

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

طبقہ کے ارتقاء میں رکاوٹ تھے: اول ایسے شہری حکمران طبقہ کا وجود جو کسانوں کے استحصال پر مبنی تھا' دوئم' خود اختیاری کے حامل شہروں اور پیشہ وارانہ تجارتی انجمنوں کا فقدان' جنہوں نے یورپ میں سرمایہ داری نظام کے ارتقاء میں کلیدی کام کیا تھا۔ ہم ان دو عناصر کا مندرجہ ذیل سطور میں تفصیلی جائزہ لیں گے۔

استخراجی اقتصادیات

خواہ وہ عثمانی ترکوں کے زیرنگیں عرب ممالک ہوں' خواہ مغلوں کے تحت ہندوستان ہو' اسلامی تہذیب قطعی طور پر مدنی یا شہری رہی ہے۔ گاؤں کے لوگ شہروں کو اپنی زرعی پیداوار ضرور فروخت کرتے تھے لیکن شہری تہذیب سے ان کا تعلق بہت کم رہتا تھا اور وہ تہذیبی مرکز سے دور اپنی الگ تھلگ دنیا میں پس ماندہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خلفاء اور بادشاہ مقامی صوبیداروں اور افسروں کا تقرر کرتے تھے۔ جن کا کام یہ ہوتا تھا کہ کسانوں سے مالیہ اور غلہ وصول کر کے مرکز کو بھیجتے رہیں۔ قحط سالی میں بھی شہروں کی حالت گاؤں سے بہتر ہوتی تھی۔

دیہات پر شہروں کے طفیلی انحصار اور مالیہ و غذا کی یقینی فراہمی کے باعث پیداوار میں ٹیکنالوجی کے ذریعہ اضافہ کی ضرورت کا احساس بہت کم تھا۔ قبل از سرمایہ داری نظام کے اس معاشرے میں پیداوار کا مقصد فوری استعمال تھا' گو کہ یہ مقصد معاشرے کے رواج اور مروجہ سلسلہ مراتب پر مبنی سماجی نظام کے تابع تھا' نئی پیداواری قوتوں کی بہتری یا ارتقا مقصد نہیں تھا۔ اقتصادی استخراج یا استحصال کے نظام کی پائیداری سے یہ واضح ہوتا ہے کہ گو مغلوں کے دور میں ہندوستانی معاشرہ کئی اعتبار سے بہت اچھا تھا' لیکن بنیادی طور پر یہ قرون وسطیٰ کا جاگیردارانہ نظام تھا۔ ہندوستان میں سائنس کی تاریخ پر علی گڑھ یونیورسٹی کے مشہور دانشور عرفان حبیب نے کافی تحقیق کی ہے۔ وہ اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ مغل اشرافیہ اور دانشوروں نے مشینی آلات کے متعلق علم حاصل کرنے میں عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیوں کیا؟

''اس کی ایک وضاحت مغل اشرافیہ کی معاشی حالت سے ہوتی ہے۔ مغل حکمران طبقہ ایک ایسے پائیدار داخلی نظام پر منحصر تھا جس میں فاضل زرعی پیداوار بزور حاصل کی جاتی تھی۔ فروخت کے ذریعہ خام پیداوار اور غذائی اجناس شہروں میں منتقل کی جاتی تھیں اور شہروں میں ایسے لوگوں کی بڑی مدنی آبادی رہتی تھی جو دستکاریاں' مصنوعات اور ہر قسم کی خدمات پیش

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرتے تھے۔ جب تک داخلی زرعی بحران پیدا نہیں ہوا' اس وقت تک مغل حکمران طبقہ کو نہ تو وسائل کی کمی کا سامنا ہوا اور نہ ہی یورپ کے مشینی آلات حاصل کرنے کی محرومی کا احساس پیدا ہوا۔ صرف جنگی اسلحہ کے سلسلہ میں (مشینی آلات کی) کمی محسوس ہوئی' جسے یورپ سے بندوقوں / توپوں کو ہی نہیں بلکہ انہیں چلانے والوں کو بھی درآمد کر کے پورا کر لیا گیا''۔

ایک امکان یہ بھی ہوسکتا تھا کہ سوداگری سرمایہ کی کافی بڑی رقم نئی ٹیکنالوجی کے حصول کے لئے صرف کی جاتی اور اس طرح ہندوستانی سماج خود بخود سرمایہ دارانہ ارتقاء کی راہ پر چل پڑتا۔ حبیب نے اس امکان کی تحقیق بھی کی اور وہ اس منفی نتیجہ پر پہنچے:

''ان کے ملکیتی کارخانے بھی موجود تھے لیکن۔۔۔۔۔۔۔ یہ خاص طور پر اس وقت قائم کئے گئے تھے جب خام مال اتنا مہنگا ہو گیا تھا کہ اسے گھر پر کام کرنے کے لئے کاریگروں کو نہیں دیا جا سکتا تھا۔ تاہم کام کرنے کے اوزار کاریگروں کے ہی ہوتے تھے۔ اس طرح ابتدائی مشینی سرمائے کا بھی ارتقا نہیں ہوا۔ اگر ہوتا تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ٹیکنالوجی کی ترقی کے لئے سرمائے کی لاگت بڑھتی جاتی۔ ایک ممکن وجہ یہ بھی تھی کہ بہت زیادہ دولت مند چھوٹے سے طبقہ کے لئے سامان تعیش اور ایسی اشیاء فروخت کر کے' جن کی اس طبقہ کو ضرورت تھی' سوداگر اور تجار اتنا زیادہ منافع کما لیتے تھے کہ انہیں ایسی مشینوں یا اوزار کی تیاری کے لئے سرمایہ لگانے کی ضرورت نہیں تھی جو تجارتی طور پر منافع بخش اشیا بنانے کے لئے درکار تھے۔ چنانچہ ہم اپنے اس بڑے دعوے کی طرف لوٹتے ہیں کہ کامیاب زرعی استحصال کی وجہ سے مغل سلطنت کے اقتصادی نظام کو یورپی ٹیکنالوجی نقل کرنے کی ترغیب نہیں ہوئی اور جب ہوئی تو بہت دیر ہو چکی تھی''۔

خودمختار ادارے

یورپی سرمایہ داری کی آفرینش کے بیان میں ویبر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ آزاد جماعتی زندگی نیز تجارتی اور پیشہ ورانہ انجمنوں کی نشوونما کے لئے یورپ میں خودمختار شہر نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ خودمختار شہر کے وسیلہ سے ہی متحد عمرانی اور قانونی سماج پیدا ہوا۔ ازمنہ وسطٰی میں زیادہ تر یورپی شہر قانونی طور پر خودمختار محافظ فوج رکھتے تھے اور بیرونی خطروں کے مقابلے کے لئے اندرونی طور پر متحد ہوتے تھے۔ یہ سب کچھ اس لئے ممکن ہو سکا تھا کہ عمرانی ادارے کسی مقررہ'

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

مستقل اور سخت سرپرستانہ نظام کے تحت نہیں تھے۔ سرمایہ داری نظام کی نشوونما کے فروغ کو ویبر عیسائیت کی مخصوص نیچر کے کھاتے میں بھی ڈالتا ہے لیکن اس دعوے کی حمایت میں اس کے دلائل قائل کرنے والے نہیں ہیں۔ البتہ یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے کہ خودمختار عمرانی اداروں نے سرمایہ داریت کی نشوونما پر اثر ڈالا ہے۔

اس سیاق وسباق میں اسلامی شہری زندگی کی روایت یورپی شہری زندگی سے مختلف رہی ہے۔ مسلم ملکوں میں شہروں پر حکمران خاندان کا خارجی اختیار ہوتا تھا۔ فوج' معاملات اور مواصلات ان کے تحت ہوتے تھے۔ خارجی اختیار کا مطلب یہ تھا کہ بلدیاتی ادارے (Municipal Institutions) یا تو وجود میں نہیں آئے یا شہری زندگی کے کاروبار میں ان کو بہت کم دخل تھا۔ اس لئے عرب ملکوں اور مغل ہندوستان میں شہر ایک متحدہ کل نہیں تھا بلکہ مختلف قسم کے خلیوں کا ایک مجموعہ تھا اور یہ خلئے مسجدوں یا دیگر سماجی سہولتوں کا انتظام کرتے تھے۔ کسی خاص گروہ یا فرقہ سے تعلق عمرانی شعور کا اہم جز تھا۔ اس عمرانی ساخت کے عناصر آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

یہ کہا جاتا ہے کہ گو شہری زندگی کی انتشاری نیچر کے باعث جماعتی ادارے نشوونما نہیں پا سکے' تاہم مسلمانوں کی دستکاری انجمنیں یورپی شہروں کی پیشہ ورانہ انجمنوں سے مماثل تھیں۔

درحقیقت اسلامی معاشرے میں پیشوں کی انجمنیں یا جماعتیں نویں صدی عیسوی سے موجود رہی ہیں۔ ان میں جوہریوں (سناروں) طبیبوں (ڈاکٹروں) استادوں' بہشتیوں' تاجروں ہی نہیں بلکہ طوائفوں اور چوروں تک کے پیشوں کی انجمنیں شامل ہیں۔ تاہم پیشہ وروں کی انجمنوں پر خارجی حکمرانوں کو نسبتاً کافی زیادہ اختیار حاصل تھا۔ غالباً اس اختیار کا خاص مقصد یہ تھا کہ انجمنوں کو محصول کی ادائیگی کے مخالف مراکز بننے سے روکا جائے۔ چنانچہ پیشہ ورانہ انجمنوں کو ریاست قائم کرتی اور ان پر اختیار رکھتی تھی۔ ریاست ہی ان کے فرائض' دائرہ کار' تنظیم' تربیت' مصنوعات کی اقسام اور معیار اور قیمت فروخت کا تعین کرتی تھی۔ ریاستی اختیار کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ 1807ء میں استنبول کے موچیوں کو سختی کے ساتھ یہ حکم دیا گیا تھا کہ جوتے کا پنجہ نوک دار نہ بنائیں کیونکہ اس شکل کے جوتے قدیم روایت کے مطابق نہیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی پیشہ ورانہ انجمنیں کاریگروں نے اپنے حقوق اور پیشے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے تحفظ کے لئے نہیں بنائی تھیں، ان کی تنظیم ریاست نے پیشوں اور مزدوروں کی نگرانی اور ریاست کو ان خودمختار اداروں سے تحفظ فراہم کرنے کے لئے کی تھی۔

یورپی تجربہ سے قطع نظر، یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ خودمختار اداروں کا وجود اسلامی ملکوں میں صنعتوں کی نشوونما کی حوصلہ افزائی کرتا اور اسلامی دنیا کو ترقی میں وہ پیش روی قائم رکھنے کے قابل بناتا، جو اسے چودھویں صدی عیسوی تک حاصل تھی۔ اس عہد میں اسلامی دنیا کی صنعتیں یہ تھیں:

عراق، شام، شمالی افریقہ اور ہسپانیہ میں کاغذ بنانے کی صنعت، کپڑا بننے، کپڑے سینے، قالین اور جوتے بنانے کی صنعتیں جو مختلف مسلم ملکوں میں قائم تھیں۔ ہسپانیہ میں لوہے اور تانبے کی کھلی مشینیں بنانے کی صنعت نہیں تھی، اس لئے اسلامی ملکوں کا صنعتی مال مغربی ملکوں کی تیز رفتار صنعتوں سے مقابلہ نہیں کر سکا۔ گو چند قدیم دستکاریوں (مثلاً شیشہ بنانا، دھاتوں پر کام کرنا وغیرہ) نے اپنا اعلیٰ معیار قائم رکھا، لیکن اٹھارہویں صدی کے آغاز میں مشرق و مغرب کے درمیان وہ برابری بالکل ختم ہوگئی جو اس سے پہلے پائی جاتی تھی۔

سیاسی اسباب

1258ء میں منگول غارت گر ہلاکو خان نے بغداد کو برباد کیا، حکمران خلیفہ کو لاتیں مار کر شہید کیا اور عباسی خلافت کو ختم کر دیا۔ اس عہد کے مورخوں کا کہنا ہے کہ سڑکوں پر آٹھ لاکھ لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ نہری نظام تباہ کر دیا گیا اور قحط کے حالات پیدا ہو گئے۔ وہ شہر جو کبھی اسلامی تہذیب وتمدن کا مرکز تھا، ناپید ہو گیا۔ لیکن یہ بات غور وفکر کے قابل ہے کہ منگول حملہ کی تباہی اس وقت نازل ہوئی جبکہ اسلامی تہذیب انحطاط کی سرحد میں پہلے ہی داخل ہو چکی تھی۔ دنیاوی شعبہ جات میں سلطان با اختیار تھے اور خلیفہ کا حکم نہیں چلتا تھا۔ خلافت کی عمارت پہلے ہی گرنے کے قریب تھی، منگول حملہ تو آخری دھکا تھا۔ گو منگول حملوں کی تباہی بہت زیادہ تھی، لیکن ان کا اثر عراق اور کسی قدر شام تک محدود تھا۔ ہسپانیہ اور مغرب (شمالی افریقہ) میں مسلم تہذیب منگول حملوں سے محفوظ رہی۔ علاوہ بریں منگول غارت گروں نے بھی رفتہ رفتہ اسلام قبول کرنا شروع کر دیا اور اب ان کے تحت ثقافتی و اقتصادی ترقی ہونے لگی۔ اس لئے معاشی، سیاسی اور علمی ارتقا کی رکاوٹ کا قصور صرف خارجی سیاسی عناصر پر عائد نہیں

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتا' اس کے لئے معاشرے کے داخلی عناصر زیادہ ذمہ دار تھے۔

طاقتور اسلامی سرمایہ دار طبقہ کے وجود میں نہ آنے اور شہروں نیز پیشہ وروں کی انجمنوں کے کمزور ہونے کا قریبی تعلق اس حقیقت سے تھا کہ (پہلے چار خلفائے راشدین کے سوا) خلیفہ کا تقرر کسی واضح دستوری قاعدے کے تحت نہیں کیا جاتا تھا جس کے نتیجہ میں پالیسیوں کا تسلسل یقینی نہیں تھا اور نہ ہی متبادل مراکز اختیار کی حوصلہ افزائی ممکن تھی۔ اصولی طور پر الماوردی کے نظریہ خلافت کے مطابق خلیفہ کو تقویٰ اور عدل کی اعلیٰ صفات کا حامل ہونا چاہیے تھا۔ لیکن عملاً حکومت کی باگ ڈور چالبازوں' سازشیوں یا ان لوگوں کے ہاتھ آ جاتی تھی جو سب سے زیادہ اختیار رکھتے تھے۔ الغزالی نے اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ دنیاوی معاملات میں خلیفہ کا عمل اخلاقی معیار پر پورا نہیں اترتا تھا:

''جس طرح امیر کی تابعداری کی جاتی ہے' اسی طرح ایک بدکردار اور وحشی سلطان کی تابعداری بھی اس وقت تک ناگزیر ہو جاتی ہے۔ جب تک کہ اس کو فوج کی حمایت حاصل ہے کیونکہ فوجی حمایت کے باعث اس کو تخت سے اتارنا مشکل ہوتا ہے اور اسے معزول کرنے کے لئے ناقابل برداشت جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ اس زمانے میں حکومت صرف فوج کے بل پر چل رہی ہے اور فوجی طاقت رکھنے والا جس کسی کا بھی وفادار ہو جائے' وہی شخص خلیفہ ہوتا ہے''۔

جب اسلامی سیاسی تاریخ کا موازنہ یورپ کی سیاسی تاریخ سے کیا جائے تو فوراً ہی سیاسی میدان میں مذہب کے داخلے کے طریقہ ہائے کار کا واضح فرق نظر آتا ہے۔ عیسائی کلیسا ایک ایسا ادارہ تھا جس کے پاس تمام اختیارات تھے اور اس کو رعایا کی پوری وفاداری اور تابعداری حاصل تھی۔ روم میں واقع پاپائی مرکز انگلستان اور فرانس جیسے ملکوں میں بادشاہوں کو تخت نشین یا معزول کر سکتا تھا۔ کلیسا کا استبداد ایسا تھا کہ اس سے اختلاف کی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے مشتبہ بدعتیوں سے نپٹنے کے لئے جو ادارے بنائے تھے' انہوں نے انسانی تاریخ میں خوفناک ترین باب رقم کیے ہیں۔ لوتھری اصلاح کے بعد ہی کلیسا کے اختیار میں کچھ کمی اور نرمی واقع ہو سکی۔

عیسائیت کے برعکس اسلام میں کلیسا جیسا کوئی ادارہ نہیں پایا جاتا۔ اسلامی عقیدے کی نیچر میں

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

تفسیر، تشریح اور توضیح کی زیادہ آزادی ہے۔ اس آزادی کی وجہ سے ایسا کوئی مرکزی، سیاسی و مذہبی مقتدرہ نہیں پیدا ہوا جو تنازعات کی صورت میں منصف یا ثالث کے فرائض انجام دیتا۔ کوئی فرد غاصب مملکت کے اقدار و طاقت کو حاصل کر کے مذہبی امامت کا بھی دعویدار ہو جاتا تھا اور اقتدار یا علاقائی ملکیت کے دنیاوی تنازعات کے لئے جنگ کو بھی ''جہاد'' یا مقدس جدل قرار دیتا تھا یا پھر اقلیت یا حکمران سے مختلف مذہبی عقائد رکھنے والوں کو دبانے کے لئے عوام کے مذہبی تعصب کو ابھارتا تھا۔ مرکزی مذہبی ادارہ نہ ہونے کی وجہ سے نئے مذہبی فرقے بھی بہت تیزی سے پیدا ہوئے۔ اسلام میں فرد کو مذہبی ملاؤں کی مدد کے بغیر ایمان کی تفسیر کا حق حاصل تھا اور یہ ایک برتر اخلاقی بات تھی لیکن بدقسمتی سے اس وجہ سے تنظیمی کمزوری بھی پیدا ہوئی جو بالآخر سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے لئے ہی نہیں، بلکہ سیاسی اور اقتصادی استحکام کے لئے بھی مہلک ثابت ہوئی۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

باب بارہ

مستقبل کے لئے کچھ معروضات

مسلم معاشرہ مغرب کی فوجی قوت سے دب جانے کے بعد انحطاط کا شکار ہو گیا۔ جہاں اس پر اندرونی طور پر رجعت پسندی نے غلبہ پا لیا۔ وہاں ساتھ ہی سخت اختلافات اور مخاصمت نے انتشار بھی پیدا کیا۔ اسی طرح ایک طرف تو تاریخ کے فیصلہ کردہ نصیب سے مایوسی ہوئی اور دوسری طرف ماضی سے لگاؤ بڑھنے لگا۔ ایسے حالات میں اگر سائنس اور انسانی احترام بحال کرنا مقصود ہو تو اس معاشرے کو سیاسی' سماجی اور تعلیمی اصلاحات کی سخت ضرورت پڑے گی۔

سارے کرہ ارض پر اسلامی تحریکیں نمودار ہو چکی ہیں۔ اس طرح کی اصلاحات کی ضرورت سخت غصے اور بے چینی کا اظہار ہیں جو اسلامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ اس ابھار کے مختلف محرکات ہیں۔ ایسی تحریکوں کی ایک شکل (جیسے کہ فلسطین اور کشمیر کی ہے) معاشرتی اور سیاسی ناانصافی کے خلاف احتجاج کو ظاہر کرتی ہے۔ دوسری قسم (جس کی مثال امام خمینی کے ایران کی ہے) ثابت کرتی ہے کہ اسلام بھی انقلابی پلیٹ فارم پر لوگوں کو متحرک کر سکتا ہے اور یہ تحریک سیکولر طبقے کی زیادتیوں کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ تیسرے درجے پر پاکستان میں جماعت اسلامی اور مصر کی اخوان المسلمین جیسی تحریکیں ہیں جس کا منبع پھیلتے ہوئے درمیانی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

طبقے کا وہ حصہ ہے جو سیاسی طاقت حاصل کرنے کا خواہاں ہے لیکن جاگیردارانہ اور سرپرستانہ نظام کے اندر وہ کوئی جگہ نہیں بنا سکا۔ اور آخری قسم اس بین الاقوامی تحریک کی ہے جس کی بنیاد مغربی ملکوں میں مسلمان آباد کار ہیں اور جو بنیادی طور پر ان ممالک کے ثقافتی و سماجی ماحول کے خلاف ایک احتجاج کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس طرح کے احیاء دین کے سربراہ اور رہنما مغرب کو اسلامی دنیا کی زبوں حالی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ ان کے خیال میں تمام خرابیوں کا سرچشمہ مغربی فکر و ثقافت ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی دنیا کی پسماندگی مغربی قوتوں کے گٹھ جوڑ اور سازش کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ ان کے بقول حالات کی اصلاح کے لئے اسلامی راہ اختیار کرنا ضروری ہے اور مغربیت سے ماخوذ ہر چیز کو رد کرنا چاہیے۔ اس میں سائنس، ٹیکنالوجی، جمہوریت اور فکر سب شامل ہیں۔ اس نقطہ نظر کے حامی یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ احیاء دین کی اہمیت انقلاب فرانس سے زیادہ ہے۔

اگرچہ مغرب کی بالادستی اور تسلط کے خلاف جدوجہد قابل تحسین ہے لیکن اسلامی تحریکوں میں جو روش اور سوچ پائی جاتی ہے، کچھ تشویش ناک بھی ہے کیونکہ ان تحریکوں کی رہنمائی ایسے افراد کے ہاتھوں میں رہی ہے جن کی سوچ محدود اور دقیانوسی ہے۔ چنانچہ بیشتر اسلامی ملکوں میں ان تحریکوں پر بنیاد پرستوں کا غلبہ ہے اور جدیدیت پسند مسلمان یعنی وہ لوگ جو سائنس اور عقلیت کو اسلام کے منافی نہیں سمجھتے تھے وقت کے ساتھ ساتھ پسپا ہو گئے۔ لہٰذا یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ پچاس سال سے پہلے کے مقابلے میں بہت سے اسلامی ملکوں میں سیاست، ثقافت اور تعلیم کے شعبوں میں روشن خیالی کی بجائے دقیانوسیت پروان چڑھی ہے اور بنیاد پرستوں کی کوشش ہے کہ وہ معاشرے کی ڈور سنبھال لیں تاکہ وہ اس کے مستقبل کا تعین کر سکیں۔ اگر ان کا نسخہ کامیاب ہو گیا تو اس سے ایسی تباہی و بربادی کا سلسلہ شروع ہو گا جو مسلمانوں کو ایک اور تاریک دور میں دھکیل دے گا۔ اس کی مثال موجودہ افغانستان کی صورت حال سے دی جا سکتی ہے جہاں مدرسوں میں تربیت پانے والے طالبان نے افغان معاشرے کو صدیوں پیچھے دھکیل دیا ہے۔ نو آبادیاتی نظام کو رد کرنے کے بہانے آج سائنس اور جدید علوم کو پرزور انداز میں مسترد کیا جا رہا ہے۔ آنکھیں بند کر کے ماضی کی طرف لوٹنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ایسے اقدامات سے مسلمانوں کے خلاف طاقت کا توازن مزید بگڑنے کا احتمال ہے کیونکہ دور حاضر

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں کسی ملک یا قوم کی طاقت کا سرچشمہ اس کی سائنس' ٹیکنالوجی اور فکر ہوتے ہیں۔ لہذا بنیاد پرستوں کے پروگرام کے بجائے ایک ایسا لائحہ عمل طے کرنے کی ضرورت ہے جو جدید علوم پر مبنی ہو اور اسلامی ممالک کی اپنی ثقافت سے ہم آہنگ ہو۔ اسی پر عمل کرنے سے اسلامی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے گا۔

اول

ہمیں اس خیال کو مسترد کرنا پڑے گا کہ سماج کے ہر مسئلے کا کوئی سادہ اور آسان حل ہوتا ہے اور یہ کہ ڈھونڈنے سے یہ حل کہیں نہ کہیں ماضی میں مل جائے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جدید معاشروں کے مسائل نہایت پیچیدہ ہوتے ہیں اور ایسے فیصلے کرنے پڑتے ہیں جن سے ماضی میں کبھی نہیں نپٹنا پڑا۔ مثال کے طور پر

1- صنعت کاری سے روزگار کے مواقع اور ذرائع پیدا ہوتے ہیں اور ملکی پیداوار بڑھتی ہے لیکن اس سے ہوائی اور دریائی آلودگی پیدا ہوتی ہے جو صحت کے لئے مضر ہے۔ ایسے تضاد کا حل کیا ہے؟

2- مشینوں کے استعمال سے پیداوار بڑھتی ہے لیکن ان کے استعمال سے بہت سے مزدور بے روزگار ہو جاتے ہیں۔ اس کا منصفانہ حل کیا ہے؟

3- بین الاقوامی بینکوں اور صنعت و حرفت کے اداروں کے لئے ایک نہایت پیچیدہ ضابطہ کار ہے جو ماضی میں کہیں نہیں پایا جاتا۔

4- کمپیوٹر کے ذریعے بین الاقوامی مواصلات میں ایک انقلاب برپا ہوا ہے جو کرہ ارض کے تمام انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لینے والا ہے۔ اس کے طور طریقے' ضابطے اور اخلاقیات کو متعین کرنے کے لئے ماضی میں کوئی نمونہ موجود نہیں ہے۔

دور حاضر میں معاشرتی مسائل اور ان کے حل دونوں بہت پیچیدہ ہوتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں کوئی واحد اور مکمل طور پر تسلی بخش حل تلاش کرنا بے سود ہوگا۔ پسماندہ معاشروں کی ایک پہچان یہ ہے کہ ان میں صرف سیاہ وسفید کی تمیز ہوتی ہے۔ مثلاً سچ اور جھوٹ۔ صحیح یا غلط۔ اچھا یا برا' وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جدید معاشروں میں مختلف درمیانی راستے بھی ممکن ہوتے ہیں۔

چونکہ جدید معاشروں کے ضابطے اور قوانین مطلق نہیں ہوتے اس لئے تجربات کی روشنی میں

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ان میں مناسب تبدیلی لائی جاتی ہے تا کہ ان میں سے خامیاں دور ہوتی رہیں۔ اصلاح ایک دم نہیں کی جاتی بلکہ کئی مراحل پر محیط ہوتی ہے۔ اس کے برعکس بنیاد پرست یہ خواب دیکھتے ہیں کہ تلوار کے ایک وار سے وہ تمام خرابیوں کو چشم زدن میں ختم کر سکتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس مسائل کے حل کے لئے ایک جامع اور مفصل منصوبہ ہے جو کسی کے پاس نہیں۔ چونکہ ایسے منصوبے ان کے لئے ایمان کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے کسی کو ان کی تبدیلی وتنقید کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اس لئے ان کے رویے جابرانہ اور آمرانہ ہوتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ایسے افراد جو اپنے آپ کو صحیح اور تمام دوسروں کو غلط سمجھتے ہیں بنی نوع انسان کے لئے تباہی و بربادی کا باعث بنتے ہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فرقہ وارانہ ماحول میں فروعی تنازعات پر قتل و غارت کی جاتی ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ بہتر یہ ہوگا کہ کسی ایک جامع منصوبے کی خواہش رکھنے کے بجائے ہر مسئلے کو سوچ و بچار کر کے اسے جزوی طور پر حل کیا جائے۔ یہ احساس کہ کوئی ہمہ گیر حل موجود نہیں ان معاشروں میں پروان چڑھتا ہے جن میں پختگی اور تدبیر کی خاصیت ہوتی ہے۔ اور یہ تدبیر ان معاشروں کی میراث ہوتی ہے جن میں دانش، مذہبی رواداری اور آزادی فکر کو تحفظ ملتا ہے۔

دوم

جدیدیت اور مغربیت میں تمیز کرنا اشد ضروری ہے اگرچہ ہمارے ہاں دونوں ہم معنی سمجھتے جاتے ہیں۔ لیکن یہ لازم و ملزوم نہیں۔ اسلامی تاریخ و ثقافت میں ہمیں ایسے مفکروں اور دانش وروں کی مثالیں ملتی ہیں جو جدید خیال کے بانی سمجھے جا سکتے ہیں۔ ان میں ابن سینا، ابن رشد اور الرازی شامل ہیں۔ جدیدیت کو تسلیم کرنے کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ روحانیت کو رد کیا جائے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ماضی کے بجائے حال اور مستقبل کو ترجیح دی جائے اور نئے خیالات و تجربات کے لئے گنجائش پیدا کی جائے۔ جدید سوچ کا حامل شخص عقل کی بالادستی کو قبول کرتا ہے اور اسے اعتماد ہوتا ہے کہ منصوبہ بندی اور عمل سے حالات بدلے جا سکتے ہیں۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ دوسرے ایسی رائے رکھ سکتے ہیں جس سے وہ اختلافات رکھتا ہے اور وہ فرد کے حقوق اور خصوصیات کی حیثیت مانتا ہے۔ اس کے نزدیک ہر سبب کا مسبب ہے اور یہ کہ سائنسی طریق کار پر عمل کر کے ہر مظہر کی وجہ معلوم کی جا سکتی ہے۔ ایک جدید معاشرہ ایسے افراد سے

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہی بنتا ہے۔ اسی صورت میں تشدد کے بغیر مسائل حل ہو سکتے ہیں اور گوناں گوں معاشرتی سہولتوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

جدیدیت ہمارے لئے ایک منزل ہونی چاہیے۔ یہ محض مغربیت نہیں بلکہ انسان کی عقل و دانش کی ترقی کا مظہر ہے۔ عوام الناس میں جدیدیت کو بڑھانے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ان میں مغرب میں تیار ہونے والی اشیاء کی خواہش پیدا کی جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوکا کولا پینے' نئے فیشن اپنانے' ٹیلی ویژن خریدنے اور جہازوں میں سفر کرنے سے کوئی شخص جدید ہو جائے بلکہ یہ ہوا ہے کہ جدید ساز و سامان کی بھرمار سے کئی معاشروں کے تشخص کو نقصان پہنچا ہے اور وسائل ضائع ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر مغرب میں نومولود بچوں کو بوتل سے دودھ پلایا جاتا ہے اور اس کو جدید سمجھتے ہوئے دوسرے معاشروں کے لوگ اس کی اندھی تقلید کرنے لگے۔ لیکن یہ ایک نامناسب اقدام تھا کیونکہ یہ دودھ مہنگا ہونے کے ساتھ ساتھ ماں کے دودھ کا نعم البدل نہیں بن سکتا تھا۔ چنانچہ اسے مغربی تو کہا جا سکتا تھا لیکن جدید نہیں۔

جدیدیت اور سائنس کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور سائنس خردمندی کا نہایت نفیس مظہر ہے۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ نو آبادیاتی ملکوں میں عوام نے سائنس کو اس سے پیدا کردہ اشیاء سے جانا تھا۔ نہ کہ ایک طرز فکر کے طور پر۔ یہ بات آج بھی صحیح ہے کیونکہ ہم آج مغرب کے تاجرانہ جال میں پھنسے ہوئے ہیں اور پاکستان جیسے ملکوں میں سائنس کو جدید ہتھیار' جہاز' ٹیلی ویژن' کاروں اور دواؤں کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ ملک کا بالائی طبقہ بھی سائنس کی اصلیت سے واقف نہیں اور نہیں جانتا کہ جدید ساز و سامان کی پیداوار کے پس پردہ کیا سائنسی اصول کارفرما ہیں۔ چنانچہ وہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ملک میں سائنسی تعلیم کا خاطر خواہ نظام بنایا جائے۔ نتیجتاً ایسے ملکوں میں تعلیم کے لئے بہت کم رقم مختص کی جاتی ہے اور اس کے نصاب پر موزوں توجہ نہیں دی جاتی۔ ایک جدید معاشرے میں تعلیم کا مقصد واضح طور پر ایسے اشخاص پیدا کرنا ہوتا ہے جو تنقیدی سوچ رکھتے ہیں اور عقل کی قوت کے قائل ہوتے ہیں۔

سوئم

اگرچہ سائنس کے استعمال پر بحث و مباحثے کی بہت ضرورت ہے اور سائنس کا مصرف صرف

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

انسان کی بہتری کے لئے ہونا چاہیے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم سائنسی طریقہ کار کو قبول کر لیں اور بے جا اعتراضات سے گریز کریں۔ بہت سے عظیم سائنسدانوں اور روشن خیال مذہبی راہنماؤں نے یہ اقرار کیا ہے کہ سچے مذہب اور سائنس میں کوئی ٹکراؤ نہیں اور دونوں ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں۔ انسان کی روحانیت یعنی اس میں تحیر اور خود بینی کی صلاحیتیں نہایت نفیس اور اعلیٰ و ارفع خوبیاں ہیں اور ان کی ترویج ہونی چاہیے۔ دوسری طرف سائنس ہمارے اخلاقی اقدار کو بہتر بنا سکتی ہے کیونکہ اس کا اصرار یہ ہے کہ ہر موقع اور ہر نہج پر سچ تلاش کیا جائے۔ جوں جوں ہمارے سائنسی علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ کائنات کی پراسرار اور پیچیدہ حقیقتوں کا احساس اور شدت سے ہوتا ہے۔

چنانچہ عالم و فاضل دانشوروں اور سائنس دانوں نے یہ اقرار کیا ہے کہ سائنس اور مذہب میں تصادم ہونا ضروری نہیں۔ لیکن اس کی ایک شرط ہے، یعنی لازم ہے کہ مادی اور روحانی دنیاؤں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کیا جائے۔ بظاہر تو یہ بات اسلامی تعلیمات کے منافی نظر آتی ہے لیکن مسلمان جدت پسند مفکروں نے ٹھوس دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اسلام ان دونوں کو الگ الگ رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہاں تک کہ سرسید احمد خان کی زندگی کا یہ مشن تھا کہ اس فرق کو واضح کیا جائے اور مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کو اس سے روشناس کیا جائے۔ ان کے علاوہ کئی دانشوروں نے علم کے اصل معنی معلوم کرنے کی کوشش کی۔ ایک عرب عالم نے اس کے 316 مختلف معانی نکالے اور یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن شریف میں بنیادی طور پر روحانی اور مادی علوم میں فرق کیا گیا ہے۔

سائنس اور مذہب کے دائروں کو الگ کرنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ سائنس دراصل عقل اور منطق پر مبنی ہے اور اس کا مقصد مادی دنیا کو سمجھنا ہے۔ دوسری طرف مذہب اور روحانیت کا مقصد ان سوالوں کا جواب تلاش کرنا ہے جو مادی دنیا سے باہر ہیں۔ مثلاً ''کائنات کیوں وجود میں آئی؟'' یا ''زندگی کا مقصد کیا ہے؟'' وغیرہ۔ جدید سائنس کسی بھی مذہب، روحانی سوچ یا ملحدانہ فکر کے ساتھ ساتھ چل سکتی ہے یعنی اس کی تفہیم کئی طریقوں سے ممکن ہے۔ تضاد کا امکان اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ان دونوں کو ملانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر جب کوئی عالم دین قدرتی مظاہر کی توجیہ اس طرح کرتا ہے جو سائنسی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اعتبار سے غلط ہوتی ہے۔ یہ بھی مان لینا چاہیے کہ اگر کسی مذہب میں وقت کے ساتھ تبدیلی آتی ہے تو اس کا فلسفہ باطل نہیں ہو جاتا۔ جیسا کہ تاریخ میں دیکھا گیا ہے۔ سائنسی نظریات میں تبدیلی کے باوجود سائنس کی بنیادی سچائی قائم رہتی ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ مذہبی سوچ میں تبدیلی کو اس مذہب کی شکست کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ دراصل سائنس اور مذہب میں تبدیلی و تغیر ناگزیر ہے بلکہ یہ انسان کی ترقی کا تقاضا ہے۔

معاشرتی ترقی اور خرد افروزی دونوں کے لئے سائنس کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ واضح رہے کہ سائنس مذہب کا نعم البدل نہیں اور اخلاقیات کے معاملات کے بارے میں یہ بالکل خاموش ہے' نہ اس کا عدل و انصاف' خوبصورتی اور احساس جمال سے کوئی تعلق ہے۔ ایک خاص مشینی کلچر میں نفیس جذبات کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی تباہ کن اسلحوں کی پیداوار اور دوڑ کو روکا جا سکتا ہے' ایسے معاشرے میں معاشرتی و سماجی ناہمواری یا روز افزوں ماحولیاتی آلودگی پر کوئی بندش نہیں۔ چنانچہ یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ بنی نوع انسان کے تمام مسائل کا حل سائنس میں مضمر ہے۔ یہ بجا ہے کہ مغربی دنیا میں سائنس کو ہی تمام مسائل کا حل سمجھا جاتا ہے اور اس نے ایک عقیدے کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ اگرچہ یہ سوچ غلط ہے لیکن اس کے خلاف جدوجہد مغرب ہی میں ہونی چاہیے۔ نہ کہ ہمارے جیسے ملکوں میں جہاں سائنس کا پودا ہنوز پنپ نہیں سکا۔

چہارم

یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ قدرت کا کوئی قانون نہیں کہتا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی صرف مغرب ہی میں ممکن ہے۔ سائنس دراصل آفاقی اور عالمی ہے اور سائنسی علوم کے حصول پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہو سکتی اور نہ ہی مختلف ممالک میں فرق ابدی ہے۔ مناسب اور موزوں کوششوں سے یہ فرق ختم کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ تسلط کے نظام کو ختم کیا جائے۔ نہ صرف یہ کہ ایک ملک کا دوسرے پر غلبہ ختم ہو بلکہ ایک ہی معاشرے میں کوئی طبقہ دوسرے طبقات کو دبا نہ سکے۔ ترقی پذیر ملکوں میں اکثر اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ افسر شاہی اور عسکری ادارے جدید اور سائنسی اصولوں پر منظّم ہیں لیکن عوام الناس ابھی تک دقیانوسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ جدید معاشرے کی طرف سفر شروع کرنے کے لئے ضروری

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے کہ عوام کو اس منصوبہ بندی اور عمل میں شامل کرنے کی حتی الامکان کوشش کی جائے۔ عوام پر بھروسہ کرنا ثقافت و روایات کی پاسداری کرنے کے مترادف ہے۔ ویسے بھی عوام ہی ثقافتی ورثے کو قائم و دائم رکھتے ہیں۔ البتہ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ تمام روایات مثبت نہیں ہوتیں اور ترقی کے لئے معاون نہیں ہوتیں۔

حالانکہ کئی اسلامی ملکوں میں آج عقل وخرد پر سخت حملے جاری ہیں لیکن خرد کی فتح کے لئے ہمیں پر امید رہنا چاہیے۔ عقلی دلائل بظاہر تو کمزور ہوتے ہیں لیکن ان میں بڑی قوت پوشیدہ ہوتی ہے کیونکہ یہ ہمیں ایک ہی سمت میں لے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس غیر عقلی قوتیں باہم متصادم ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو زائل اور کمزور کر دیتی ہیں۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان نے ترقی کی طرف ایک ساتھ پیش قدمی نہیں کی بلکہ ہمیشہ ہر اگلا قدم خرد مندی اور نا معقولیت کے مابین جدوجہد کے بعد بڑھایا گیا۔ دراصل یہ جنگ دو فریقوں میں لڑی جاتی ہے' ایک طرف وہ جو روشنی کے متمنی ہوتے ہیں اور دوسری طرف اس سے گھبرانے والے۔ تقدس انسانیت برقرار رکھنا' انسان کی تخلیقی صلاحیت کو ابھارنا' فکر کو آزاد کرنا اور زندگی کو حسین بنانا۔۔۔۔۔۔ یہ ہماری منزل مقصود ہے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

باب تیرہ
ضمیمہ نمبر 1

اسلامی سائنس کیا ہے؟

(یہ باب اس اضافہ شدہ مضمون پر مشتمل ہے، جو کراچی سے شائع ہونے والے ماہنامے ''ہیرلڈ'' کے جنوری 1988ء کے شمارے میں چھپا تھا اور ان کی اجازت سے اس کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے)۔

پاکستان میں حالیہ چند برسوں کے دوران کٹر مذہبیت کا ایک نیا اور عجیب مظاہرہ دیکھنے میں آیا ہے۔ اب یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ اسلام کے دائرہ کار کو عمرانیات سے آگے بڑھا کے مظاہر قدرت تک وسیع کیا جائے۔ وہ اسے اسلامی سائنس کہتے ہیں۔

یہ نئی سائنس صدیوں پہلے گزرے ہوئے زمانہ اوسط کی خاک سے ابوالہول کی طرح یکا یک ابھری ہے۔ اس سائنس کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ ہر معلوم سائنسی حقیقت اور مظہر قدرت کا پیشگی ادراک چودہ سو سال پہلے کیا گیا تھا، نیز یہ کہ تمام سائنسی پیش گوئیاں درحقیقت کتاب مقدس کے مطالعہ پر مبنی ہیں۔ اس طرح، ایک بار پھر زمانہ اوسط کی طرح مذہبیت کی تاج پوشی سائنسوں کی ملکہ کے طور پر کی جا رہی ہے۔

سائنس کے اس نقطہ نظر کو ریاست کی فیاضانہ سرپرستی، اہم شخصیتوں کی حمایت اور مختلف افراد

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور جماعتوں کے بے حد وحساب عطیات حاصل ہیں۔اس کے نتیجے میں ایک ایسی چیز پیش کی جا رہی ہے جسے جدید سائنس کے چیلنج کا جواب سمجھا جا رہا ہے۔ اسلامی سائنس کے داعی یہ کہتے ہیں کہ اس پاک سرزمین میں معمولی دنیاوی سائنس کا کوئی کام نہیں ہے۔ ملحدانہ دنیاوی تہذیبوں کے پیدا کردہ نظام سرمایہ داری یا سوشلزم یا جمہوریت کے ساتھ جدید سائنس کو بھی ملک بدر کر کے اس کے اصل وطن یعنی مغرب کو ارسال کر دینا چاہیے۔

سائنسی معجزات کی کانفرنس

حال ہی میں مجھے نئی ''اسلامی سائنس'' کو قریب سے دیکھنے کا موقع ''قرآن وسنت کے سائنسی معجزات کی کانفرنس'' کے انعقاد کی وجہ سے میسر آیا۔ اس کانفرنس کا افتتاح جنرل ضیاء الحق نے 18 اکتوبر 1987ء کو اسلام آباد میں کیا تھا۔ یہ بڑی کانفرنس اسلام آباد کی عالمی اسلامی یونیورسٹی نے مکہ کی ''تنظیم معجزات اسلامی'' کے تعاون سے منعقد کی تھی۔ انتظامات کی شان وشوکت پر نکتہ چینی محال تھی لیکن خوش قسمتی سے اس کا مالی بوجھ پاکستان پر کم ہی پڑا' کل خرچ چھیاسٹھ لاکھ روپے (چار سو ہزار ڈالر) آیا' جس کا نصف سعودی عرب کی حکومت نے برداشت کیا۔ سعودی حکومت اکثر اس قسم کے کاموں کے لئے رقوم فراہم کرتی ہے۔ یہ کانفرنس کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھی کیونکہ چند ماہ پہلے اس قسم کی کانفرنس کراچی میں ہو چکی تھی اور اس سے بھی پہلے چند ایسی ہی کانفرنسیں منعقد ہو چکی تھیں۔

سائنسی معجزات کی کانفرنس سے مجھے ان مسائل ومشکلات کی جھلک دیکھنے کا موقع ملا' جو جدید ''اسلامی سائنس'' کو درپیش ہیں۔ بہتر ہے کہ قاری خود ان کانفرنسوں میں پڑھے گئے۔ علمی مقالات کا مطالعہ کرے۔ تاہم مقالات کے صرف عنوانات پڑھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سائنسی معجزات کی اس کانفرنس کی نوعیت کیا تھی

1- قرآن شریف کی سورۃ النحل کی آیت 66 کے حوالے سے دودھ کی کیمیائی ساخت۔

2- قرآن میں بلند آسمان پر انسان کی کیفیت کا بیان۔

3- قرآن میں بارشی بادلوں کا بیان۔

4- کیا تم نے آگ کا مشاہدہ کیا ہے؟

5- قرآن شریف میں کچھ بحری جغرافیہ کے جدید مظاہر کا الہامی انکشاف۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس قبیل کے دیگر 65 مقالات پارسا و پرہیز گار شرکا نے پیش کئے۔ ہر مقالہ پر باقاعدہ پڑھے جانے کے بعد سنجیدہ مباحثہ بھی ہوئے۔ محض ایک مبصر کی حیثیت سے بھی میں نے خود کو اجنبی محسوس کیا کیونکہ بعض اجلاسوں کے عنوانات تک میری فہم سے بالا تھے۔ مثلاً ایک عنوان تھا ''ان چیزوں پر گروہی مباحثہ' جن کا علم صرف اللہ کو ہے''۔ یہ مباحثہ مغرب کی نماز کے بعد کسی وقت ہونا تھا۔ میں نہیں سن سکا۔ تاہم' میں اکثر تعجب سے سوچتا ہوں کہ وہ کیا راز تھے جن کے راز داں بحث کرنے والے گروہ کے ارکان تھے۔

''اسلامی سائنس'' کے عجیب وغریب نتائج

کہا جاتا ہے کہ جدید سائنس کے کارناموں کو سمجھنا مشکل ہے۔ شاید ایسا ہی ہو۔ لیکن نئی ''اسلامی سائنس'' کے کارناموں کو سمجھنا مشکل تر ہے۔ تاہم' میں قاری سے درخواست کروں گا کہ وہ مختلف اسلامی سائنس کی کانفرنسوں میں پیش کردہ بعض نمایاں نتائج پر غور کر کے اپنی رائے خود قائم کرے۔ البتہ ایک انتخاب مندرجہ ذیل ہے:

مصر کی مشہور الازہر یونیورسٹی میں ارضیاتی علوم کے استاد ڈاکٹر محمد مطلب نے قرآنی آیات سے ارضیاتی حقائق ومظاہر کے تعلق پر ایک انتہائی فاضلانہ مقالہ سائنسی معجزات کی کانفرنس میں پیش کیا۔

یہ مقالہ معمولی قسم کے سائنس داں کے لئے سمجھنا مشکل تھا اور سچ بات تو یہ ہے کہ یہ اب تک میری گرفت میں نہیں آ رہا ہے۔ فاضل ڈاکٹر نے کہا کہ پہاڑوں کی جڑیں زمین میں ہوتی ہیں اور اللہ نے انہیں ان میخوں کی طرح بنایا ہے جو خیمے کو زمین سے جڑا ہوا رکھتی ہیں اور آندھی سے اڑنے نہیں دیتیں۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ اگر پہاڑ نہ ہوں تو زمین کے گھومنے سے ہر چیز ادھر ادھر اڑنے لگے اور قیامت برپا ہو جائے۔ گویا پہاڑوں کے بغیر زمین کا وجود ناممکن ہے۔

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ نتیجہ ذرا عجیب وغریب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنف کو اس مظہر قدرت کا علم نہیں ہے جسے نیوٹن کشش ثقل کہتا تھا۔ علم طبیعیات جس کا ہم سب کو تھوڑا بہت علم ہے' یہ بتاتا ہے کہ زمین کے اندر مرکزی کشش ثقل مرکز گریز قوت سے زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم میں سے ہر ایک فضا میں پھینکا جا چکا ہوتا' بلکہ ہر شخص خلا میں بجائے خود خلائی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

جہاز ہوتا۔ اس لئے معمول کے اصول طبیعیات کے مطابق اگر تمام پہاڑوں کو کاٹ کر ساری زمین ہموار کر دی جائے تو بھی زمین منتشر نہیں ہوگی۔ بہرحال یقیناً کوئی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ کیونکہ پہاڑوں کو ختم کرنا ایک ماحولیاتی المیہ ہوگا۔ لیکن بات یہ ہے کہ پہاڑوں کو خیمے کی میخیں کہنا ایک استعارہ تو ہوسکتا ہے' لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر کائنات ڈاکٹر مطلب کی غیر معمولی طبیعیات کے مطابق چلتی ہے اور معمولی طبیعیات سے اسے کوئی واسطہ نہیں ہے تو فاضل ڈاکٹر کے نظریے پر میں نے جو اعتراض کیا ہے وہ بے بنیاد ہے۔

ایک اور مقالہ میں ایک نظریاتی اہمیت کے مسئلہ کو اس طریقے سے پیش کیا گیا جو بہت ہی غیر معمولی تھا۔ مصر کے انجینئر عبدالفتیح نے یہ مقالہ پیش کیا۔ انہوں نے 1976ء میں مصری فوج میں خدمات کے دوران ٹینک شکن گولہ بارود کے متعلق اپنے تجربہ کی بنیاد پر یہ خوفناک شہادت پیش کی کہااللہ تعالیٰ تانبے کے خالی خولوں کو ایسے انسانوں اور جنوں کو تباہ کرنے کے لئے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جو خلائی جہازوں میں بیٹھ کر آسمانوں کے ممنوعہ علاقوں میں جانے کی جرئات کریں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خالی خول ہی کیوں' بھرے ہوئے خول کیوں نہیں؟ پارسا انجینئر کی دلیل یہ ہے کہ خالی تکون میں ٹھوس تکون کی بہ نسبت تباہ کن صدماتی لہر زیادہ شدت کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ حکمت مقدس ہر لحاظ سے مکمل ہے' اس لئے وہ خلائی پر تابوں (میزائل) کی تباہی کے لئے موزوں مادہ منتخب کرے گی' اس لئے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تانبے کے خالی خول ہی منتخب کرے گا۔

ہوسکتا ہے کہ یہ سب کچھ ٹھیک ہو' لیکن اگر برائی پر محمول نہ کیا جائے تو ایک چھوٹی سی بات عرض کی جائے۔ وہ یہ کہ وہ لوگ جو اسلحہ کی تجارت کا علم رکھتے ہیں' یہ کہتے ہیں کہ تانبے کے خول رفتہ رفتہ بیکار ہوتے جا رہے ہیں اور اسلحہ کی صنعت آج کل ایک نئی دھات استعمال کر رہی ہے کیونکہ یہ زیادہ دھماکہ خیز ہوتی ہے۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا بہشتی پرتابے (Missiles) پرانی طرز کے تانبے کے خول کے بنے ہوں گے یا اس نئی دھات کے۔ یہ یقیناً ایک مشکل سوال ہے۔

منافقت ہمارے معاشرے کا ایک عام مسئلہ ہے۔ اس بات کو اکثریت مانتی ہے لیکن ایسے ذہین یا بہادر لوگ بہت کم ہوں گے جو منافقت کو ناپنے کے لئے ریاضی کے قاعدے استعمال

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنے کی جسارت کر سکتے ہوں۔لیکن پاکستان ایسوی ایشن آف سائنٹسٹس اور سائنٹیفک پروفیشن کے زیر اہتمام جون1986ء میں قرآن اور سائنس پر منعقدہ بین الاقوامی سیمینار میں ایک دلیر سائنس دان نے منافقت کے بارے میں ایک نظریہ پیش کیا۔ پاکستان کونسل فار سائنٹیفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ کے ایک سینئر سائنس دان' ڈاکٹر ارشد علی بیگ نے ریاضی کا ایک فارمولا پیش کیا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اس فارمولے کے ذریعہ کسی معاشرے میں منافقت کے درجہ کا تعین کیا جا سکتا ہے۔اس اسلامی سائنس دان کا یہ فارمولا اس مفروضے پر مبنی ہے کہ ہر چیز کیمیائی ردعمل کے ذریعہ واقع ہوتی ہے۔مثلاً

کفار + تعلیمات پیغمبر ---> مذہبی معاشرہ

تفصیلات سے صرف نظر کر کے (کیونکہ تفصیلات سے تو قاری مقالہ پڑھ کر واقف ہوسکتا ہے) میں مصنف کے اخذ کردہ نتائج بیان کروں گا۔ فاضل مصنف کے حساب سے مغربی معاشرے میں منافقت کی قدر22 ہے جبکہ ہسپانیہ اور پرتگال میں 14 ہے۔ یہ ایک پراسرار بات ہے کہ پاکستانی معاشرے کے لئے منافقت کی کوئی قدر متعین نہیں کی گئی حالانکہ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ اس ملک کے معاشرے کی باگ ڈور ہی منافقوں کے ہاتھ میں ہے۔ بایں ہمہ قاری یقیناً ڈاکٹر بیگ کی جدت کو سراہے گا اور ان کی چھوٹی موٹی غلطیاں معاف کر دے گا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''اسلامی سائنس'' کے حالیہ معتقدوں میں پاکستان کی خلائی تنظیم "Suparco" (جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ NASA کے مماثل ہے) کے چیئر مین بھی شامل ہیں۔ کراچی میں منعقدہ قرآن اور سائنس کانفرنس میں پڑھے گئے ایک مقالے میں جناب سلیم محمود نے یہ تجویز پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کی تشریح آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت میں تلاش کی جائے۔

جیسا کہ ہر صاحب ایمان مسلمان جانتا ہے' معراج میں تقریباً کوئی وقت صرف نہیں ہوا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آئے تو ان کے دروازے کی زنجیر ہنوز ہل رہی تھی۔ اس بظاہر کم وقفہ کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے کہ یہ اضافیت کی توسیع وقت کی ایک مثال ہے' حال میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی نے اس موضوع پر ایک فلم بھی بنائی ہے۔توسیع وقت کے مظہر کو طبعیات کے ماہر بخوبی جانتے ہیں: چلتی ہوئی گھڑیوں کی رفتار

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

آہستہ معلوم ہوتی ہے۔

بدقسمتی سے اس وضاحت میں ایک چھوٹا سا مسئلہ حائل ہے۔ نظریہ اضافیت درحقیقت اس کے بالکل برعکس ہے جو چیئر مین صاحب سمجھتے ہیں۔ افسوس کہ اضافیت پر ہر نصابی کتاب واضح طور پر یہ کہتی ہے کہ ایک جگہ ساکن رہنے والے شخص کے لئے زیادہ وقت لگے گا بہ نسبت اس شخص کے جو تیز رفتاری سے لمبے سفر پر جا کر واپس آئے گا۔ کاش کہ چیئر مین صاحب نے اضافیت کو مذہبی اسرار و رموز سلجھانے کی کنجی کے طور پر استعمال کی تجویز پیش کرنے سے پہلے اس کا مطالعہ کرنے میں کچھ وقت صرف کیا ہوتا۔ اگر ہم روحانی تحقیقات کے بجائے خلائی سائنس کے مادی پہلو پر زیادہ توجہ دیں تو ہمارے چھوٹے سے خلائی پروگرام کے حق میں بہتر ہوگا۔

اسلام آباد سے شائع ہونے والا سہ ماہی رسالہ "Science and Technology in the Islamic World" (اسلامی دنیا میں سائنس اور ٹیکنالوجی) جدید اسلامی سائنس کا اہم وکیل اور مبلغ ہے۔ اس کے ایڈیٹوریل بورڈ میں پاکستان میں سائنس کے شعبہ کی افسر شاہی کے بڑے بڑے نام ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں کے ذریعہ پاکستان میں سائنس کا مستقبل طے کرتے ہیں، سائنسی منصوبوں کے لئے رقوم دیتے ہیں اور نئے ادارے قائم کرتے ہیں۔ نمونے کے طور پر ان چند مضامین کے عنوانات درج ذیل ہیں جو اس رسالے نے حالیہ شماروں میں شائع کئے ہیں:

1- چند قرآنی آیات جن میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے حوالے ہیں۔

2- کائنات کی متناسب اور موزوں پیکری اور زوجین کی تخلیق کا قرآنی اصول۔

3- چند احادیث جن میں جہاد کے حوالے ہیں۔

4- دو مقبول پاکستانی بینکوں کے طغرے اور ان کی معنویت۔

5- انس و جن کی دوفرعیت (Dichotomy) اور ان کی تقدیر۔

ظاہر ہے اس بہت عالمانہ رسالے کو مادی سائنس اور ٹیکنالوجی سے بہت کم واسطہ ہے۔ لیکن یہ رسالہ رواجی سائنس کے شعبے میں جو کچھ کھوتا ہے اس کی تلافی خالص جدت سے کر لیتا ہے۔ مثلاً مذکورہ بالا مضامین میں سے مضمون نمبر 5 کو لیجئے۔ اس مضمون کے مصنف ڈاکٹر صفدر جنگ راجپوت ہیں جو ڈیفنس سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے سینئر سائنس دان ہیں۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

جیسا کہ ہر قاری یقیناً جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جن کو آگ سے اور انسان کو خاک سے (بعض کے بقول کالی کیچڑ سے) بنایا۔ ڈاکٹر راجپوت کے نزدیک یہ آتشی مخلوق زندہ حقیقت ہے جس سے وہ گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ جنات ان کی تحقیق کا موضوع ہیں۔ جناتیات پر ان کے مذکورہ بالا مضمون کی تلخیص حسب ذیل ہیں:

(ا) گمان اغلب ہے کہ جنات کا تخلیقی منبع میتھن گیس بمعہ دیگر سیر شدہ جاذب ہائیڈرو کاربن ہے، کیونکہ ان کو جلانے سے دھوئیں کے بغیر شعلہ نکلتا ہے۔ یہ نتیجہ ان معلوم حقائق پر مبنی ہے کہ اللہ نے جن کو آگ سے بنایا اور کبھی بھی ایسا جن نہیں دیکھا گیا جس سے دھواں نکل رہا ہو۔

(ب) حوران جنت کا حسن اور پاکیزگی معلوم حقائق ہیں۔ ان میں اس حقیقت کا اضافہ بھی کر دیجئے کہ حوروں کو استعمال کے لئے پیدا کیا گیا کیونکہ ان کو استعمال کرنے والے انسان یا جنات ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جن و انس دونوں مشابہ اور اہم اصل ہیں۔ (پس ثابت ہو گیا)۔

(ج) کافی بحث و تمحیص کے بعد جنات کی ماہیت کے بارے میں آخری نتیجہ یہ نکلا: ''میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ جنات سفید نسلیں ہیں''۔

اعلیٰ رتبہ رکھنے والے پاکستانی سائنس دانوں میں صرف ڈاکٹر راجپوت ہی جنات کو انتہائی اہمیت نہیں دیتے۔ پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ڈائریکٹر جناب بشیر الدین محمود نے 1990ء میں یہ سفارش کی کہ آگ سے بنے ہوئے جنات کو توانائی کے منبع یا وسیلہ کے طور پر استعمال کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان کے مسئلہ توانائی کا آخری حل تلاش کر لیا گیا ہے۔

گو یہ بات ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسلام آباد میں منعقدہ 1983ء کی اسلامی کانفرنس میں ایک جرمن مندوب نے دعویٰ کیا کہ اس نے حسابی مقامیات کے ذریعہ ''خدا کے زاویے'' کا حساب لگا لیا ہے اس کے مطابق یہ زاویہ Pi/N ہے جہاں Pi=3.1415927۔۔۔۔۔ اور N کیا ہے؟ یہ نہیں بتایا گیا۔ (اس کتاب کے قاری کو اشتباہ کا پورا حق ہے)۔ کیا کوئی بھی شخص ایسی غیر مرئی چیز کو ناپنے کا خیال بھی ذہن میں لا سکتا ہے؟ شکوک رفع کرنے کے لئے میں قاری کو مشورہ دوں گا کہ وہ پاکستان کی سائنس و

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ٹیکنالوجی کی وزارت کا 1983ء میں شائع کردہ کتابچہ بعنوان "Islamic Science Conference" صفحہ 82 دیکھ لے۔ یہ صفحہ پڑھتے ہی قاری کو اپنی ہی نظر پر دھوکہ ہونے لگے گا۔ قاری اس کی بھی تصدیق کر سکتا ہے کہ حکومت پاکستان نے اس پاگل سائنس دان کی مہمان داری کی تھی اور اس کے تمام مصارف برداشت کئے تھے۔ سوال اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس گستاخی کو کسی نے چیلنج کیوں نہیں کیا؟ شاید اس کے دو اسباب تھے۔ اول تو یہ کہ اس کی بکواس (کم از کم وہ بکواس جو شائع ہوئی ہے) اتنی بے ربط ہے کہ شاید کسی کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور دوسرے، وہ اکیلا ہی اس قسم کی لغزش کا مرتکب نہیں ہو رہا تھا۔

کیا یہ سائنس ہے؟

اس قسم کے مقالات اور مضامین کو ایک ایسا شخص جس نے مذہبی کٹر پن کے ماحول سے باہر رہ کر تعلیم حاصل کی ہے، مجذوب کی بڑ سمجھے گا۔ وہ یہ بھی شبہ کر سکتا ہے کہ یہ شاید خلل دماغ کی کوئی قسم ہے اور از راہ ہمدردی وہ یہ مشورہ بھی دے سکتا ہے کہ مذکورہ بالا قبیل کے سائنس دانوں کے علاج کے لئے کسی ماہر نفسیات کی خدمات حاصل کی جائیں۔ دیگر نقاد طیش میں آ کر اس نام نہاد ''اسلامی سائنس'' کو سائنس ماننے سے انکار کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تنقید غیر منصفانہ ہو۔ سائنس ایک قسم کے لوگوں کے لئے ایک معنی اور دوسرے قسم کے لوگوں کے لئے بالکل مختلف دوسرے معنی رکھ سکتی ہے۔ معانی کے اس ابہام کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے واضح طور پر جدید سائنس کی ''تعریف'' کا تعین کریں اور پھر یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ عصر حاضر میں ''اسلامی سائنس'' سے کیا مراد ہے۔

جدید سائنس واضح اور قطعی قاعدوں کا مجموعہ ہے۔ جن کے ذریعہ مادی کائنات کا عقلی ادراک کیا جاتا ہے۔ سائنس کو قوت و اختیار کلی طور پر اس طریق کار سے حاصل ہوتا ہے جو مشاہدہ و استنباط کا مرکب ہے۔ تمام سائنسی معلومات کی عمارت ہمارے تجربات وحواس کی معروضی بنیاد پر تعمیر کی جاتی ہے۔ یہ معروضیت جس وجہ سے ممکن ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ تجربہ اور منطقی مطابقت ہی صداقت کے معیار ہوتے ہیں۔ اس میدان میں سائنسدان کی داخلی کیفیت یا اخلاقی کردار، اس کے سیاسی خیالات یا قومیت یا سائنس کی دنیا میں اس کا رتبہ وغیرہ کی کوئی اہمیت نہیں

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتی۔ جہاں تک رتبہ و مقام کا تعلق ہے' یہ مثال پیش کرنا کافی ہے کہ جب آئن سٹائن نے کوانٹم مکینکس پر (غلط) تنقید کی تو کسی نے اس کی باتوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھا' گو کہ وہ اپنے زمانے کا مانا ہوا سب سے بڑا ماہر طبیعیات تھا۔

کوئی اسے پسند کرے یا ناپسند' لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید سائنس کی نوعیت کلیتاً دنیاوی ہے۔ سائنسی حقائق کی تصدیق کے لئے کسی مقدس دیوتا یا دیوی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کسی مقدس و مقتدر ہستی کے وجود کا نہ تو اقرار کیا جاتا ہے نہ انکار۔ تاہم' انفرادی طور پر بعض سائنس دان بہت مذہبی ہوتے ہیں۔ وہ کائنات کے مقصد اور تنظیم و ترتیب کے قائل ہوتے ہیں۔ یہاں یہ یاد دلانا کافی ہے کہ جدید سائنس کے بانی' گلیلیو اور نیوٹن دونوں ہی عیسائی کلیسا کے عقائد اور رسوم کے پابند تھے۔ جب سترہویں صدی عیسوی میں کوپرنیکس کی دریافتوں کا انقلاب آیا تو سائنس اور مذہب کے راستے جدا ہو گئے۔

مذکورہ بالا مسئلہ کی واضح تشریح نئے زمانے کی مندرجہ ذیل مثال سے ہوتی ہے۔1979ء میں طبیعیات کا نوبیل انعام عبدالسلام' سٹیون وائن برگ اور شیڈن گلاشو کو دیا گیا۔ انہوں نے وہ بنیادی اصول دریافت کیا جو قدرت کی دو بنیادی طاقتوں' کمزور طاقت اور برقیاتی مقناطیسی طاقت کو متحد کرتا ہے۔ سلام وائن برگ اصول اس صدی کی نہایت اثر آفریں دریافتوں میں سے ایک ہے۔ لیکن ذرا اس کے ایک دریافت کنندہ عبدالسلام' کے عقائد پر نظر ڈالیے۔ سلام جا بجا قرآن کے حوالے دیتے ہیں' پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور مذہبی کٹر پن کی وجہ سے کبھی کبھی اپنے بعض سائنسی حامیوں کی خجالت کا باعث بھی بنتے ہیں۔

1974ء میں جب سے ان کے احمدی فرقے کو اسلام سے خارج کیا گیا ہے' انہیں پاکستان میں قانونی طور پر مسلمان نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن اس وجہ سے ان کے مذہبی عقائد میں کمزوری آنے کی بجائے پختگی پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے برعکس' وائن برگ نسلی اور پیدائشی اعتبار سے یہودی ہے' لیکن وہ پکا ملحد ہے' جس کے نزدیک کائنات ایک وجودی حقیقت ہے' جو احساس و مقصد سے عاری ہے۔ عقائد کے اعتبار سے ان دونوں سائنس دانوں کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہے۔ اس کے باوجود یہ دونوں اپنے اپنے طور پر اور تقریباً بیک وقت طبیعیات کے ایک ہی اصول یا نظریے کی دریافت میں کامیاب ہوئے۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اصول تکذیب: سائنس کی کسوٹی

خالص یا سچی سائنس کو غیر سائنسی یا نان سائنسی سے کس طرح علیحدہ کیا جائے؟ دوسرے الفاظ میں، وہ کیا ہے جو بیانات یا دعاوی کے مخصوص مجموعے کو سائنس کہلانے کا حقدار بناتا ہے؟ اس کا جواب سائنس کے انگریز فلسفی سر کارل پوپر کے اصول تکذیب میں موجود ہے۔

''اگر ہم کسی نظریے کو سائنسی تسلیم کرانا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ وہ نظریہ ایسی پیش گوئیوں کا حامل ہو جن کی تصدیق مشاہدے اور تجربے کے ذریعہ کی جا سکے۔ اگر نظریہ کوئی قابل تصدیق پیش گوئی نہ کرے تو اسے غلط ثابت کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہوتا۔ ناقابل تکذیب نظریات سائنسی نہیں ہوتے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ ناقابل تکذیب نظریہ خراب، غلط یا کچھ اور ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ غلط ثابت کرنے کی کسوٹی نہ ہونے کی وجہ سے یہ غیر سائنسی ہے۔ یقیناً بہت سی اچھی چیزیں۔۔۔۔ بلکہ شاید زندگی کی بہترین چیزیں۔۔۔۔ غالباً سائنس سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں''۔

اصول تکذیب کی تشریح مندرجہ ذیل مثال سے ہوتی ہے:

ارسطو کو یقین تھا کہ پتھر اس لئے زمین پر گرتا ہے کہ زمین اس کی ماں ہے اور وہ اپنی ماں کی گود میں گرنا چاہتا ہے۔ اس نظریے کے متعلق دو سوال کئے جا سکتے ہیں: اول، کیا یہ سائنسی نظریہ ہے؟ دوم: ارسطو صحیح تھا یا غلط؟ پہلے سوال کا جواب ہے: ''نہیں''۔ ارسطو کا نظریہ ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ وقت کے ساتھ پتھر کی رفتار کس طرح بڑھتی ہے۔ اور کیا ہلکی یا بھاری چیزوں کے گرنے کی رفتار میں فرق ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ، یہ نظریہ بتاتا ہے کہ چیزیں کیوں گرتی ہیں۔ لیکن ایسی کوئی پیش گوئی نہیں کرتا جس کی تصدیق تجربہ کر کے کی جا سکے۔ کیونکہ اسے غلط ثابت کرنے کا کوئی طریقہ نہیں، اس لئے یہ یقیناً سائنسی نظریہ نہیں ہے۔ جہاں تک اس کے صحیح یا غلط ہونے کا سوال ہے تو اس کا تعجب خیز جواب یہ ہے کہ ''کوئی نہیں جانتا''۔ قاری کو اپنے جواب کی صحت پر یقین ہو سکتا ہے۔ لیکن کیا وہ ثابت کر سکتا ہے کہ پتھر کو ماتر بھومی سے محبت نہیں ہے؟

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسی طرح ہمیں اصول تکذیب کو اسلامی سائنس کے مختلف نظریات پر منطبق کرنا چاہیے۔ ان نظریات میں سے چند کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ ہم چاہیں گے کہ قاری ان نظریات کو بھی اصول تکذیب کی کسوٹی پر پرکھے۔ کچھ مزید نظریات مندرجہ ذیل ہیں:

نیچے دیئے ہوئے خاکہ نمبر 2 کو دیکھئے۔ اس میں ایک فارمولا دیا ہوا ہے، جس کے ذریعہ آپ با جماعت نماز میں کمائے ہوئے ثواب کو ناپ سکتے ہیں۔ اس فارمولے کے مصنف ڈاکٹر ایم۔ ایم۔ قریشی ہیں جو پاکستان میں سائنسی حلقے کے ممتاز رکن ہیں PCSIR کے سابق چیئر مین۔ قائداعظم یونیورسٹی میں شعبہ طبیعیات کے سابق چیئر مین اور مختلف بین الاقوامی اداروں میں پاکستان کے نمائندے رہے ہیں۔ کیا ڈاکٹر صاحب کا فارمولا صحیح ہے؟ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس سوال کا جواب دینے کے لئے روز محشر کا انتظار کرنا ہوگا۔ لیکن یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ فارمولا سائنسی نہیں ہے۔ فاضل ڈاکٹر صاحب کے اس فارمولے اور اس کے خاکے کو غلط ثابت کرنے کے لئے کوئی تجربہ نہیں کیا جا سکتا۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

خاکہ نمبر 2

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

خاکہ نمبر 3

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

اصول ریاضی کی جستجو نہیں ہے' اس لئے اس کی جانچ پرکھ کے لئے کوئی نیا تجربہ نہیں کیا جائے گا اور اس لئے کبھی کسی نئی ترکیب کی اختراع یا مشین کی ایجاد بھی نہیں کی جائے گی۔ اسلامی سائنس جدید سائنس کے خلاف ایک ردعمل ہے۔ یہ سائنس کی کوئی نئی جہت نہیں ہے۔

کوئی ہمیں یہ بتائے کہ اسلامی سائنس کس طرح اسلامی ہے؟ ان دنوں اس سوال پر بحث کرنا کہ ایک چیز بہ نسبت دوسری کے زیادہ اسلامی ہے' خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کٹر پن کے خوفناک دیو کی نیند ہلکی ہے اور اس کے ہاتھ میں ہمیشہ تلوار رہتی ہے۔ اس سوال پر دلائل سنتے ہی وہ آسانی سے جاگ اٹھتا ہے۔ گو علماء کی رضامندی آسان نہیں ہوتی' لیکن یہ خیال پریشانی کا باعث ہے کہ وہ شخص جو منافقت کا ریاضی فارمولا بناتا ہے وہ درحقیقت مذہبی نظریے کو مضحکہ خیز چیز میں تبدیل کرتا ہے۔ اس جرمن پاگل کے کام پر ہم پہلے ہی بحث کر چکے ہیں جس نے 1983ء کی اسلامی کانفرنس میں خدا کا زاویہ ناپا تھا۔ کیا وہ اسلام کی خدمت تھی؟ اور اس اعلیٰ عہدہ رکھنے والے سائنس دان کے بارے میں کیا کہا جائے جس نے جنوں کو بطور ایندھن استعمال کرنے اور اس طرح پاکستان میں توانائی کی کمی کے مسئلے کو حل کرنے کی وکالت کی ہے؟

سچ تو یہ ہے کہ ''اسلامی سائنس'' لفظ سائنس کے فریب کارانہ استعمال کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ ابتدائی دور کے مسلمان سائنس دانوں کے کام کی بنیاد پر اپنی بڑائی جتانے کی کوشش ہے۔ لیکن اس میں ان خصوصیات میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے' جن کے باعث اسلام کے سنہری دور کی سائنسی کامیابیاں غیر فانی ہیں۔ اگر اس دور کے درخشاں ستارے ابن سینا' عمر خیام' ابن الہیثم اور دیگر سائنس دان' آج زندہ ہوتے تو وہ یہ سب کچھ دیکھ کر انتہائی شرمندہ ہوتے جسے آج اسلامی سائنس کا نام دیا جا رہا ہے۔ اس دور کے سائنس دان اور دانشور گو کہ نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھے' لیکن ان کی سائنس کلی طور پر دنیاوی تھی۔ وہ پیش پا افتادہ باتیں نہیں کرتے تھے اور نہ ہی منافقت یا ثواب کے ریاضیاتی فارمولے تلاش کرتے تھے۔ اس کے بجائے انہوں نے اہم طبیعیاتی کلیے دریافت کئے اور نئے تصورات و نظریات تخلیق کئے۔ آج ہم ناصر

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

الدین طوسی کو اس کے علم مثلث' عمر خیام کو مکعبی مساواتوں کے حل' جابر ابن حیان کو کیمیائی تجربات کے ساز و سامان کی اختراع اور الجزری کو پیچیدہ مشینوں کی وجہ سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی سائنس کا موضوع ''حقیقت'' تھی۔ اسی سبب سے دنیا کی تاریخ میں ان کا مقام محفوظ ہے اور یہی وجہ ہے کہ مذہبی کٹر پن نے ان کو کبھی معاف نہیں کیا اور آج تک انہیں کافر اور ملحد کہا جاتا ہے۔ آج ہم یہ بات تقریباً فراموش کر چکے ہیں کہ مسلم ثقافت کے ان سپوتوں کی جانوں کو کافر عیسائیوں اور وحشی منگولوں سے نہیں بلکہ سائنس دشمن کٹر مسلم علماء سے خطرہ تھا۔

سیاسی جڑیں

اسلامی سائنس کے نام سے جو نیا نظریہ دیکھنے میں آ رہا ہے' اس کی تہہ میں کیا چیز ہے؟ وہ کونسی سیاسی قوتیں ہیں جو اس کی آبیاری کر رہی ہیں اور معاشرے کے وہ کونسے طبقے ہیں جن میں یہ سب سے زیادہ مقبول ہے؟ کیا یہ سائنسی مظہر قائم رہے گا یا بلبلے کی طرح پھٹ کر غائب ہو جائے گا؟ یہ سوالات مشکل ہیں اور ان کا جواب دینے کے لئے کافی غور و فکر کی ضرورت ہے۔ ایک تفصیلی تجزیے کے تحت کچھ مشاہدے درج ذیل ہیں:

اول' جدید اسلامی سائنس کا ماخذ مسلم ممالک میں کٹر پن کا احیاء ہے۔ اس کے مراکز نہ صرف پاکستان' مصر' سعودی عرب اور ملائیشیا میں موجود ہیں' یہ محض ملکوں کی سرحدوں میں محدود نہیں بلکہ مغرب میں آباد مسلمانوں میں بھی اس کا چرچا ہے۔ بدیہی طور پر یہ جدید سائنس اور اس کے کئی مظاہر کے خلاف ایک قسم کا نفسیاتی دفاع فراہم کرتی ہے' اس لئے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ اسلامی سائنس کا مظہر مستقبل قریب میں ناپید ہو جائے گا۔

دوسرے' ہم نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ اس نرالی سائنس کے پیش کرنے والے روایتی مذہبی علماء نہیں بلکہ وہ دانشور ہیں جو جدید سائنس کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر نے مغرب میں تعلیم پائی ہے' تاہم ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جس نے اپنے شعبہ میں امتیازی کام کیا ہو۔ ان کے لئے ''اسلامی سائنس'' ایک ایسی پناہ گاہ اور جنت ہے۔ جس میں سائنس کے شعبے میں مشکل کام کرنے کے چیلنج سے تحفظ مل جاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ ''اسلامی سائنس'' کا مقصد غالباً ایمان کا احیا نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زمانہ وسطیٰ کے تاریک دور کی طرف واپسی کے چند سچے حامی خصوصاً متوسط طبقوں میں موجود ہیں لیکن

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

درحقیقت یہ ایک ایسا کھیل ہے جو ذاتی مفاد اور ترقی کے لئے کھیلا جا رہا ہے۔ اس کے ذریعہ فریبی اور نا اہل سائنس داں ارباب اختیار کے رجعتی مقاصد پورے کر کے اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں۔ اعلیٰ عہدوں پر تقرر، ترقی، بیرونی دوروں کے اخراجات اور دیگر مراعات ان کے مقاصد ہیں۔ ان کو سعودی عرب کی حمایت حاصل ہے۔ نقدی کے اس لامتناہی خزانے نے معجزے سرانجام دیئے ہیں۔

اسلامی سائنس کی تہہ میں کٹر علماء اور اسلام کے نام پر حکومت کرنے والے پاکستانی حکمرانوں کے درمیان تاریخی مفاہمت کارفرما ہے۔ علماء کو اسلامی سائنس اس لئے عزیز ہے کہ یہ مذہبی قانون کا دائرہ اختیار قدرتی مظاہر کے میدان تک وسیع کرتی ہے اور اس طرح دنیاوی سائنس کے بڑھتے ہوئے غلبہ کو چیلنج کرنے کا ذریعہ فراہم کرتی ہے۔ اور حکمران طبقہ کے لئے یہ مذہبی جذبہ کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ حکومت کی سرپرستی کے بغیر اسلامی سائنس کا وجود تک نہ ہوتا۔

لیکن ریاست کی شرکت نیم دلانہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حکومت کے اعلیٰ افسران اسلامی سائنس کی کارروائیوں کے لئے مالی امداد دیتے ہیں اور اس کے بڑے جلسوں اور کانفرنسوں میں پر شوکت تقریریں کرتے ہیں۔ لیکن نجی محفلوں میں سائنس کو مشرف بہ اسلام کرنے کے خیال تک کا مذاق اڑاتے ہیں، اپنا علاج یونانی طبیبوں کے بجائے ڈاکٹروں سے کراتے ہیں اور اپنے بچوں کو دینی مدارس اور اردو ذریعہ تعلیم کے اسکولوں میں پڑھانے کے بجائے انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھواتے ہیں۔

یہ بات پسند نہیں کی جاتی کہ پاکستانی یونیورسٹیاں نوکر شاہی کی اعانت سے بنیاد پرست طلبا کے غلبہ میں چلی گئی ہیں لیکن یہ قیمت ارباب اختیار کے لئے قابل برداشت ہے کیونکہ جلد ہی ان کے بچے کافی بڑے ہوں جائیں گے تو وہ انہیں امریکی یونیورسٹیوں میں بھیج دیں گے۔

نجی محفلوں میں پاکستان کے فوجی اور سول افسروں کے نزدیک ملا ایک مضحکہ خیز لیکن خوفناک چیز ہے۔ وہ اس کا مذاق بھی اڑاتے ہیں اور اس سے ڈرتے بھی ہیں۔ مذاق اس لئے اڑاتے ہیں کہ وہ ایک ایسا عجوبہ ہے جس کی جڑیں ازمنہ وسطیٰ میں ہیں اور جس کے تفکرات و پریشانیاں جدید زمانے سے بالکل غیر متعلق ہیں۔ ڈرتے اس لئے ہیں کہ اس کی تائید وحمایت

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہ ہوتو اسلام کے نام پر حکومت کرنے کا جواز ختم ہو جائے۔

ضمیمہ 2

"They Call it Islamic Science" کے زیر عنوان میرا مضمون کراچی کے Herald میگزین کے جنوری 1988ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کو پڑھ کر ان اسلامی سائنس دانوں میں سے ایک نے اپنے غم وغصہ کا اظہار کیا تھا جس کے اسمائے گرامی مضمون میں لئے گئے ہیں۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ان کا نقطہ نظر بھی اس قاری کے سامنے پیش کر دیا جائے:

''یہ خط پرویز ہود بھائی کے مضمون "They Call it Islamic Science" جو آپ کے شمارہ بابت جنوری 1988ء میں شائع ہوا ہے' کے حوالے سے لکھ رہا ہوں۔ اس مضمون کے ذریعہ مصنف نے نہ صرف میرے (اور ان تمام مصنفوں کے ساتھ جو قرآن شریف اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر جدید علوم کی ترقیات کے حوالے سے کام کر رہے ہیں) بلکہ آپ کے معزز قارئین کے ساتھ بھی بڑی ناانصافی کی ہے۔ اس نے میری کتاب سے حقائق کو مسخ کر کے اور غلط حوالے دے کر ایک نہایت سنجیدہ موضوع کا تمسخر اڑانے کی کوشش کی ہے۔

مثال کے طور پر' اگر آپ خاکہ نمبر 2 پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ یہ میری کتاب ("Mechanics of the Doomsday and Life after Death") مطبوعہ ہولی قرآن ریسرچ فاؤنڈیشن) کے خاکہ نمبر 25 کی مسخ شدہ شکل ہے۔ اپنا نقطہ نظر ثابت کرنے کے لئے جناب ہود بھائی نے اصل متن بدل دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''ایک اسلامی سائنس دان تار میں برقی رو کے سفر کی مثال کے ذریعہ اپنا یہ تصور بیان کرتے ہیں کہ کائنات کس طرح شروع ہوگی اور کس طرح ختم ہوگی اور آخرکار روح کا اشعاع عالم الاخرت اسی طرح ہوتا ہے جس طرح کہ برقی مقناطیسی لہروں سے برقیے کا اشعاع ہوتا ہے''۔

آپ کے قارئین کے علم میں یہ بات آنی چاہیے کہ ہود بھائی نے ایک ایسی چیز پیش کر کے انہیں دھوکا دیا ہے جو کتاب میں نہیں ہے۔ میں اس صفحہ کا صحیح متن پیش کرنا چاہوں گا جس کو

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہود بھائی نے مسخ کیا ہے۔ یہ خاکہ روح کے اسلامی تصور کو بیان کرتا ہے نہ کہ ''یہ تصور کہ کائنات کس طرح شروع ہوئی اور کس طرح ختم ہوئی''۔ جیسا کہ ہود بھائی نے غلط بیان کیا ہے۔ خاکے میں برقی تمثیل' جس میں سوئچ کو on یا off کیا جاتا ہے' انسانی زندگی کے حوالے سے ہے اور کائنات کی ابتدا یا اختتام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے' جیسا کہ غلط طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اس طرح ہود بھائی غلط بیانی کے مجرم ہیں۔ انہوں نے یہ غلط بیانی کرتے ہوئے اخلاقیات کے بنیادی اصولوں کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا۔ لیکن انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا' انہوں نے بعض دوسری معزز شخصیتوں کو بھی نہیں بخشا ہے۔ مثال کے طور پر ہود بھائی نے SUPARCO کے چیئر مین سلیم محمود کے علم کائنات پر مقالے کا تمسخر یہ کہہ کر اڑایا ہے کہ چیئر مین صاحب معراج کی وضاحت آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کی مدد سے کرتے ہیں اور اپنے نقطہ نظر کو ثابت کرنے کے لئے اصلی متن کی متعلقہ عبارت کو مسخ کیا ہے۔

کوئی بھی شخص' جو متن سے مقابلہ کرے گا' اس پر واضح ہو جائے گا کہ SUPARCO کے چیئر مین نے کیا کہا ہے اور ہود بھائی نے اس کی توجیہہ کس طرح کی ہے۔ جناب محمود نے درحقیقت جو دلیل دی ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ سائنسی علم اس قسم کے معجزوں کی وضاحت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ جناب ہود بھائی نے رپورٹنگ میں نہ صرف بے ایمانی کی ہے بلکہ جناب محمود اور ان کے زیر قیادت حکومتی محکمے کے خلاف تحقیری پھبتیوں کی جسارت بھی کی ہے۔

ہود بھائی نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انہوں نے قرآن وسنت کے سائنسی معجزات پر بین الاقوامی کانفرنس میں پڑھے گئے ارضی سائنس پر مصر کے انجینئر عبدالفتیح کے مضمون کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اس مضمون کے متن کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں جو ہود بھائی نے اس کے بارے میں کہی ہیں۔ انہوں نے اس کانفرنس (جس میں مختلف فاضل شخصیتوں اور سائنس دانوں نے ستر مقالے پیش کئے تھے) اور اس کے منتظمین کا بھی مذاق اڑایا ہے۔

کسی فلسفہ سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن شخصیتوں کا مذاق اڑانے یا ان پر چھینٹے ڈالنے یا غلط باتیں بتا کر عوام کو دھوکا دینے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ جناب ہود بھائی تو اسلام اور سائنس پر کام کرنے والوں کو ''پاگل'' تک قرار دینے کی حد تک چلے گئے ہیں۔ اس طرح وہ شرافت کی

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

تمام حدود سے گزر گئے ہیں۔ لیکن کیا ہمیں اسلام دشمن عناصر سے ایمان داری اور شرافت کی توقع کرنی چاہیے۔

ایس۔ بشیر الدین محمود

صدر نشین، ہولی قرآن ریسرچ فاؤنڈیشن

اسلام آباد

مندرجہ بالا خط کے ساتھ مندرجہ ذیل جواب بھی Herald کے اپریل 1988ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا:

''میرے مضمون پر جناب بشیر الدین محمود کا ردعمل پڑھ کر میں ایک بڑی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں اور اس رسالے کے قاری سے معافی کا طالب ہوں۔ دراصل ''بے دھیانی میں لفظ 'Soul'' (روح) کے بجائے لفظ 'Universe'' (کائنات) لکھا گیا۔ اگر اس سے کوئی قاری بھٹکا ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔ ایک لفظ کو دوسرا سمجھ کر میں نے ایسی ہی بڑی غلطی کی جیسی کہ خ یا غ کے اوپر نقطہ نہ لگا کر کی جاتی ہے۔

جہاں تک نفس موضوع کا تعلق ہے، مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ محمود صاحب سمجھتے ہیں کہ انہوں نے روح کی تبدیلی کو تار سے برقی رو کے گزرنے سے جو تشبیہ دی ہے، وہ اسلام پر مبنی ہے۔ اسلام کی یہ تفہیم یقیناً میری نہیں، ان کی ہے۔ میں نے قرآن شریف اور احادیث میں برقیوں، مقناطیسی دائروں، برقیاتی مقناطیسی لہروں اور ہوائیہ کا تذکرہ کہیں نہیں پڑھا۔ محمود صاحب کے نرالے اور بے تکے قیاسات، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، اسلامی متنوں پر مبنی نہیں ہیں۔ اس لئے وہ ایک مذہبی خیال کا محض بھونڈا خاکہ ہیں۔ انہیں متنبہ ہونا چاہیے کہ مسلمان اپنے مذہب کی تضحیک نہیں چاہتے اور نہ ہی وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے مذہب کو احمقانہ مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔

جناب محمود نے SUPARCO کے چیئر مین سلیم محمود کا دفاع یہ دعویٰ کر کے کیا ہے کہ انہوں نے رسول ﷺ کی معراج کا تعلق آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت سے قائم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

یہ غلط ہے اور میں نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے۔ چیئر مین کے خطبے کی وہ عبارت جو محمود صاحب

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں پیش کی ہے' وہ اس کے برعکس ہے اور معراج کے اسرار کو اضافیت سے جوڑنے کی کھلی کوشش ہے۔ اس عبارت سے ایک طرح سے خیال کے انتشار اور بے ربطی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کو بار بار پڑھنے کے بعد بھی مجھے اپنی تفہیم کو قصور وار ٹھہرانے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

جہاں تک مقدس پرتابوں (missiles) کی نوعیت کے بارے میں فصیح صاحب کی تحقیق کا تعلق ہے' میں قاری کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اسلامی یونیورسٹی سے حاصل کر کے ان کے مقالے کا خود مطالعہ کرے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں غلطی کا سوال کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ میں نے تو اپنے مضمون میں وہی نقل کیا ہے جو مقالے میں موجود ہے۔

ختم کرنے سے پہلے میں قاری کو اس رسالے کی یاد دلانا چاہوں گا جس کی وجہ سے ہولی قرآن ریسرچ فاؤنڈیشن کے صدر جناب بشیر الدین محمود زیادہ جانے جاتے ہیں' بہ نسبت اس مماثلت کے' جو انہوں نے انسانی روح اور برقیاتی مقناطیسیت کے درمیان قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی حقیقی شہرت کی وجہ وہ شائع شدہ مقالہ ہے جس میں یہ خیال پیش کیا گیا ہے کہ توانائی کے مسئلہ سے دوچار دنیا کو چاہیے کہ جنات کو' جنہیں خدا نے آگ سے بنایا ہے' توانائی کے وسیلے کے طور پر استعمال کرے۔

مجھے خوشی ہے کہ محمود صاحب نے مجھے اپنی لعنت ملامت کا ہدف بنایا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے مضمون نے فرسودہ اور مہمل خیالات کے اعصابی مرکز پر ضرب لگائی ہے۔ گو انہوں نے مجھ پر یہ الزام عائد کیا ہے لیکن میرا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا کہ اسلام اور سائنس پر کام کرنے والے سب ہی لوگوں کو فریبی یا پاگل قرار دوں۔ یہ مجھ سے بعید ہے۔ لیکن' کیا اس سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ فریبی یا پاگل' ڈھونگئے اور خبطی' نکمے' احمق ۔۔۔۔۔۔ آج کل بھی چاروں ہاتھ پاؤں سے اس گاڑی پر چڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں جسے ''اسلامی سائنس'' کہتے ہیں۔

ڈاکٹر پرویز ہود بھائی

شعبہ طبیعیات

قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

ضمیمہ 3

اسلامی سائنس کے دعوؤں پر چند بین الاقوامی اخبارات اور رسالوں میں بحث وتمحیص کا سلسلہ چل پڑا' خصوصاً وال سٹریٹ جرنل نے 13 ستمبر 1988ء کے شمارے میں صفحہ اول پر اسلامی سائنس کے موضوع سے متعلق ایک خصوصی تحقیقی مضمون شائع کیا۔ اس مضمون کا ایک حصہ جو ضمیمہ نمبر 1 میں دی گئی نزاعی خط و کتابت کے حوالے سے خصوصی دلچسپی کا باعث ہوگا' درج ذیل ہے:

''شہر کی خاموش نواحی بستی میں مقیم ڈائریکٹر ہولی قرآن ریسرچ فاؤنڈیشن۔۔۔۔۔۔سید بشیرالدین محمود نے پاکستان میں ایک طرح کی نمایاں حیثیت حاصل کر لی ہے۔ دن کے وقت محمود صاحب ایک نیوکلیائی انجینئر ہوتے ہیں' نیوکلیائی پلانٹ سے اخراج کا پتہ لگانے والے آلات ڈیزائن کرتے ہیں۔ رات کے وقت اسلامی نظریات گھڑتے ہیں''۔

وہ لوگ جنہوں نے محمود صاحب کی ایسی کوششوں کو ہدف تنقید بنانے کی جسارت کی ہے' کہتے ہیں کہ 1983ء میں انہوں نے اسلامی سائنس کانفرنس میں ایک مقالہ پیش کیا جس میں کہا کہ جنات (آگ سے بنی ہوئی قرآنی مخلوق) کو توانائی کی کمی کا مسئلہ حل کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ محمود صاحب کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کہا۔ ''قطعی مہمل بات ہے''۔ انہوں نے گفتگو کے دوران کہا۔

''پھر کیا کہا تھا؟''

الفاظ کے انتخاب میں احتیاط برتتے ہوئے محمود صاحب وضاحت کرتے ہیں کہ جنات توانائی سے بنے ہیں اور بادشاہ حضرت سلیمان نے وہ طریقہ معلوم کیا تھا جس سے وہ ان سے (جنات سے) کام لے سکتے تھے۔ محمود صاحب نے فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ اگر ہم اپنی روح کو ترقی دیں تو ہم ان سے (جنات سے) ابلاغ کر سکتے ہیں''۔

محمود صاحب کو اس پر تعجب نہیں کہ بعض لوگ ان کے اسلامی کاز سے ناراض ہیں۔۔۔۔۔ وہ کہتے ہیں کہ ''ہر نئے خیال کے مخالفین ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام اور سائنس پر اس نزاعی بحث

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اسلام اور سائنس کے درمیان کوئی مخالفت نہیں ہے''۔

وضاحت

اس کتاب میں مختلف حوالہ جات دیئے گئے ہیں لیکن ان کا منبع نہیں بتایا گیا۔ قاری چاہے تو انہیں حاصل کرنے کے لئے انگریزی زبان والی اشاعتIslamand Science سے رجوع کرے۔

مصنف

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

MUSALMAN AUR SCIENCE

Pervez Amir Ali Hoodbhoy

Copyright © Urdu 2005 Mashal Books

Ist printing 2002
2nd printing 2003
3rd printing 2005

Publisher: **Mashal Books**
RB-5, Second Floor,
Awami Complex, Usman Block, New Garden Town,
Lahore-54600, Pakistan

Telephone & Fax: 042-35866859

E-mail: mashbks@brain.net.pk
http://www.mashalbooks.org

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Mashal is a small organization dedicated to the publishing of books on social, cultural and developmental themes of contemporary relevance. Trends in modern thought, human rights, the role of women in development, issues of governance, environmental problems, education and health, popular science, drugs and creative literature relating to these and other themes are the focus of Mashal's programme.

While Mashal works for the widest dissemination of its publications, it is a non-commercial and non-profit enterprise. Mashal therefore seeks the support of individuals and aid giving agencies worldwide which consider the foregoing objectives worthy of promotion.

مشعل معاشرتی، معاشی اور ثقافتی امور اور عہد حاضر سے متعلق ترقیاتی موضوع پر کتابیں شائع کرتا ہے۔ جدید فکری رجحانات، انسانی حقوق، بہتر نظم و نسق، ترقی میں خواتین کے کردار، ماحولیات، منشیات اور قومی و عالمی تخلیقی ادب مشعل کی خصوصی توجہ کا مرکز ہیں۔

مشعل کی کوشش ہے کہ اس کی مطبوعات وسیع پیمانے پر دستیاب ہوں۔ یہ ایک غیر تجارتی اور غیر نفع مند ادارہ ہے۔ چنانچہ مشعل ایسے پاکستانی اور غیر ملکی اداروں اور افراد سے امداد کا خواہاں ہے جو مشعل کے اغراض و مقاصد سے اتفاق رکھتے ہوں۔

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com

Free Urdu Books :www.iqbalkalmati.blogspot.com